فاسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون

طریق السُلوک فی آداب الشیّوخ

آسیہ اعوان

بسم الله الرحمن الرحيم

طریق السلوک

فی

آدابِ الشیوخ

مؤلفہ

آسیہ اعوان

الخیر پبلیکیشنز
اے۔ٹی۔ایم بلڈنگ، پل کوریاں، سمندری روڈ، فیصل آباد۔
فون: 668819-041 (92)

انتساب

نسبت اویسیہ کے جلیل القدر مشائخ عظام کے نام
جن کی توجہ اور ہمت مردانہ نے ایک بار پھر مردہ دِلوں
میں زندگی کی حرارت پیدا کر دی اور رُوئے زمین کو
انوارات الٰہیہ سے جگمگا دیا۔

فہرست مضامین

﴿فصل نمبر6﴾

﴿فصل نمبر7﴾

﴿فصل نمبر 8﴾

﴿فصل نمبر 9﴾

کاملوں ومرشدوں کے اوصاف وآداب

﴿فصل نمبر14﴾

تربیت السالکین فی آدابِ شیخ

حرف آغاز

مجھے حیرت ہوا کرتی تھی کہ لوگ کس طرح سال ہا سال ایک تحقیقی مقالہ پہ لگا دیتے ہیں۔کوئی کہتا ہے میں نے اتنے سالوں میں لکھا اور کسی کا کوئی دعویٰ ہے۔میرا ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ مجھے تو چند روز قبل تک یہ کہنے میں بھی باک تھا کہ میں تصوف پہ کوئی مقالہ لکھ رہی ہوں۔تا آنکہ یہ معرضِ وجود میں آ ہی گیا۔

یوں بھی میری اتنی بساط کہاں کہ تصوف جیسے موضوع پہ قلم اٹھا سکوں۔اس لئے ہمت کر کے میں نے اس چمنستانِ رنگا رنگ سے مقالے کے لئے ایک انتہائی نازک لیکن بنیادی اہمیت کا حامل موضوع تلاش کر ہی لیا جس کا تعلق ''آدابِ شیخ'' سے ہے۔

دراصل بہت سے احباب کو دیکھ کر مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ تصوف کی مقدس دنیا میں اکثر سالکین شیخ کا مقام جانتے ہیں نہ آداب۔اور میں نے چاہا کہ جس طرح ہر شعبہ زندگی اور ہر ادارے کے اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں، سکول، کالج کے اپنے، ایوانِ صدر کے اپنے، عدالت کے الگ اور مسجد کے الگ، اسی طرح حق کے متلاشیوں کو آگاہ کیا جائے کہ مکتبہ عشق، جس کے بارے کسی عارف نے کہا ہے کہ

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا　　　اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس میں رہنے کے آداب کیا ہیں جہاں سے اس جہان کی حشر سامانیوں میں رہتے ہوئے بھی وصالِ الٰہی کی نوید ملتی ہے۔جہاں سے عشقِ رسول ﷺ بٹتا ہے۔ورنہ کہیں ہم لاعلمی میں یا اپنے نام نہاد علم کے زعم میں اس مقام پہ نہ پہنچ جائیں کہ ''ان تحبط اعما لکم وانتم لا تشعرون'' ۴۹:۲۔یعنی تمہارے اعمال ضائع کر دیئے جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو کہ قانون کی نظر میں لاعلمی کوئی جواز نہیں (Ignorance of law is no excuse) یہ آدابِ شیخ وآداب اکتسابِ فیض وتصوف میں قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہاں سالکین خلوصِ دل کے ساتھ ان پر تب ہی عمل پیرا ہو سکتے ہیں جب انہیں بذاتِ خود تصوف کی نازک راہوں سے کچھ آگہی ہو۔نیز مقام شیخ معلوم ہو۔کہ کسی شے کی قدر معلوم کرنے کے لئے اس کی قیمت سے واقف ہونا لازمی ہے۔

میری بھی یہ عرق ریزی تین برسوں پہ محیط ہے اور تادم تحریر میرا دل خوف طبعی سے نہیں خوف حقیقی سے لرزاں وترساں ہے کہ مجھ سے کوئی گستاخی نہ ہو جائے، میں کہیں اپنی اوقات، اپنی حدود نہ بھول جاؤں کہ یہ کام بہت عظیم ہے اور میری حیثیت پر کاہ۔اور میرے سامنے عظیم سے عظیم تر ہستیاں ہیں جن کی میں خوشہ چیں ہوں۔

ہاں ایک بات جو میرے ذاتی تجربے میں آئی اور جو ان تین سالوں پر محیط کاوش کا نچوڑ ہے کہ اللہ جب اپنا کام لینا چاہتا ہے تو کسی پتھر سے بھی لے لیتا ہے۔اس قادر مطلق نے میری ایسی ایسی دستگیری فرمائی کہ کبھی میرے سامنے مشکلات پہاڑ کی طرح حائل ہو جاتیں اور میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوتی۔لیکن جوں ہی بسم اللہ کر کے دوبارہ شروع کرتی تو اس دلجمعی اور سہولت سے کام ہو جاتا کہ میں حیرت میں ڈوب کر دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر بجا لاتی۔اور بعض اوقات یوں بھی ہوا کہ کسی اہم نقطے یا بات کے ثبوت میں کوئی قول فیصل نہ مل پاتا جب میں بے دھیانی میں کتاب کھولتی تو اپنا مطلوب سامنے آ جاتا اور کبھی متعلقہ کتاب میں کاغذ یا قلم عین اس جگہ پہ رکھا ملتا جہاں سے

میری مقصد بر آئی ہو جاتی۔ کسی لائبریری میں تلاش بسیار کے بعد جب مطلوبہ کتاب نہ ملتی تو واپس پلٹتے ہوئے جونہی ایک بے ترتیب کتاب کو میں قطار میں سیدھا کرنا چاہتی تو یہ وہی کتاب ہوتی جس کی مجھے تلاش تھی۔ نیز قلبی کیفیات و واردات جو اس راہ میں مجھے نصیب ہوئیں وہ میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔ اس تحقیق کے دوران مجھے دور حاضر کے ایک بلند پایہ صوفی امیر محمد اکرم اعوان شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی طرف سے خصوصی توجہ اور رہنمائی ملی۔ میرے ہر سوال کا آپ نے مفصل جواب دیا۔ اکثر عربی و فارسی عبارات کے تراجم میں بھی آپ نے میری مدد فرمائی۔

اس ضمن میں مجھے دو باتوں نے اب تلک حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ آپ کو میرے سوال و جوابات کے لئے کبھی کوئی لمبا چوڑا وقت درکار نہ ہوتا نہ خاص ماحول۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اٹھتے بیٹھتے اتنے اہم مسائل بے تکلف بیان ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے مجھ پر اس درجہ اعتبار کیسے کر لیا کہ میں نے ان کی ہر تشریح بعینہٖ سمجھ لی ہے اور جس کام کا میں نے بیڑا اٹھایا ہے میں اس کی اہل بھی ہوں اور آیا یہ تحقیقی مقالہ ایک مفید، جامع اور موزوں دستاویز کی صورت میں سامنے آ کر سالکین کے لئے استفادہ کا سبب بھی بن سکے گا یا نہیں۔

میں صدق دل سے مقر ہوں کہ اس مقالہ کا ذاتی طور پر مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ میں نے بہت کچھ سیکھا، سمجھا، محسوس کیا اپنی اصلاح کی اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر اس سے کسی فرد کی اصلاح ہوگئی تو میری عاقبت سنوارنے کے لئے یہی کافی ہے۔ انشاءاللہ۔

اصل موضوع

اب مقالہ کے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ تو ادب سیکھنے کا دوسرا نام تربیت ہے۔ اس لئے دین ہو یا دنیا، ظاہر ہو یا باطن ادب سے ہی سب کاموں میں زیب و زینت ہے۔ اس میں کسی مومن و کافر کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ سب ادب کی ضرورت و اہمیت پہ متفق ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ کافر کے لئے اخلاقیات انسانیت کا تقاضا ہیں اور مومن کے لئے علاوہ ازیں دین کا بھی تقاضا ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

(1) حسن الادب من الایمان (ادب کا شائستہ ہونا ایمان سے ہے)

(2) ادبنی ربی فاحسن تادیبی (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب تادیب کی)

ادب کیا ھے؟

کسی کو اس کے حق کی رعایت دینا ادب ہے۔ کسی کام، معاملے، تعلق یا رشتہ میں جو تعظیم و تکریم، مروت و خوش خلقی درکار ہے وہ ادب ہے۔ اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ یہ تمام تر اخلاقیات پہ حاوی ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت اس قدر مسلمہ ہے کہ دین و دنیا پر محیط ہے۔

کاروبار حیات میں اللہ کی مخلوق کو اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھنا، فرائض و حقوق کی پاسداری، راست بازی و خوش اخلاقی، خوش گفتاری و خوش اسلوبی و خوش اطواری آداب زندگی ہیں۔ اور دین میں ادب فقط یہ ہے کہ دین اسلام کو اپنے اصلی روپ میں مانا جائے۔ اور وہ کیسا ہے؟ یہ جاننے کے لئے واحد ذریعہ کامل اتباع رسول ﷺ ہے۔ اس حد تک کہ اس بارگاہ میں عشق و محبت جیسا بے اختیار جذبہ بھی پابند سلاسل ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

وہ جو خود اللہ کا محبوب ہے اگر تم اسے محبوب بنانا چاہتے ہو تو کیا کرو گے؟ اللہ خود بتاتا ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو وہ تمہیں محبوب بنالے گا)۔ نیز اس کی محفل میں کیسے بیٹھنا ہے؟ گفتگو کیسے کرنی ہے؟ کہاں تک کرنی ہے؟ آواز کا زیر و بم کیسا ہوگا؟ نگاہ کہاں ہوگی اور سماعت کے آداب کیا ہیں؟ اسے پکارنے کا طریقہ کیا ہے اس کے ساتھ چلنے کا سلیقہ کیا ہے؟ کھانا، پینا بیٹھنا، کھڑے ہونا غرض ہر ہر حرکت اس کے حضور کیسے انجام پائے گی وہ محبّ خود بتاتا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَکَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ (جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور وہ میرے

ساتھ جنت میں ہوگا)۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کا حقدار ہونا بھی اس کے محبوب ﷺ کی کامل اتباع سے مشروط ہے بلکہ ساتھ یہ بھی اعلان ہے: ویغفرلکم ذنوبکم (اور تمہارے سب گناہ معاف کردے گا)۔ یعنی پھر نہ صرف میں تمہیں اپنا محبوب بنالوں گا بلکہ تمہارے سارے گناہ بھی معاف کردوں گا۔ اور اگر کامل اتباع نہ ہوا تو میرے تمہارے تعلق میں کبھی گہرائی و گیرائی نہ آسکے گی۔

جب منبع رحمت سے دامن ہٹ گیا اور رحمتیں بانٹنے والے رحمۃ اللعالمین کی سنت سے محبت کا رشتہ استوار نہ ہو پایا تو پھر پیچھے دین کیا بچا؟ تو کیا اب بھی یہ سمجھنے میں تاخیر ہوگی کہ سارے کا سارا دین فقط اتباع رسول ﷺ اور سنت خیر الانام سے محبت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آج کے اس پر آشوب دور اور نفسا نفسی کے عالم میں ہم کس طرح چودہ سو سال کا راستہ طے کر کے اپنے پیغمبر ﷺ کے مقام و مرتبے کو پہچان کر آپ ﷺ کا اتباع کامل اپنا سکتے ہیں ایسا صرف جذبہ جنوں ہی کروا سکتا ہے جو محبت کی راہوں کی آخری اور انتہائی منزل ہے اور جو رجحان، میلان، دلچسپی، محبت، عشق کے مدارج طے کرتی ہوئی شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کو یہ کہنے پر مجبور کردیتی ہے کہ

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں میرے مولا مجھ صاحبِ جنوں کر

یہی اس کی واحد صورت ہے اور یہی جذبہ آپ ﷺ کی ایک نگاہ سے یا چند لمحوں کے فیض صحبت سے ان نفوس قدسیہ کو ملا جنہیں ہم آج لسانِ نبوت اور ترجمان ماننے پر فخر کرتے ہیں۔ فقط ایک جذبہ کا بار اٹھا لو باقی سب کام یہ خود کروا لیتا ہے۔ اسی جنوں کی حد تک غلامی میں حیات جاودانی کا راز مضمر ہے اور مکتبہ عشق کا سبق یاد کرنے والوں کو بھلا پھر چھٹی کہاں؟

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ھادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

تو بندہ مومن خود اپنے محبوب کی اتباع میں محبوب کی تصویر بن جاتا ہے۔ جینا، مرنا، دوستی، دشمنی، صلح و جنگ یہاں تک کہ محبت کے انداز بھی سب اس کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے عمداً کوشش تک نہیں کرنی پڑتی۔ خود بخود یہ سب کچھ ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ صاحبِ جنوں، حاملِ کامل اتباع جنت کی نعمتوں سے بھی بے نیاز ہو کر فقط محبوب کی محبت میں ڈوب کر محبوب جیسا بن جانے کی ابدی تمنا میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس میں حق عبادت بھی ادا ہو جاتا ہے، نیکی کی پیروی بھی، گناہ و عذاب سے نجات بھی اور جنت اور رضائے الٰہی جیسا انعام بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہر عمل، آپ ﷺ کی ہر ادا پر نوا، آپ ﷺ کی پسند و ناپسند حتیٰ کہ حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک سکون، ایک ایک حرکت یہی تو سارا دین ہے۔ وجہ بڑی سادہ سی ہے۔ خود خالقِ کائنات کی گواہی موجود ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی	اور آپ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں ارشاد فرماتے مگر وہ جو آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔
وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی	اور آپ نے کنکر نہیں مارے، جب آپ نے کنکر مارے لیکن وہ اللہ نے مارے

اب سوال یہ ہے کہ یہاں تک کیسے رسائی ہو؟ یوں تو عشق نہ سکھانے کی شے ہے نہ سیکھنے سے آتا ہے یہ تو دل کی پکار ہوتی ہے۔ پھر کون سا دل اپنی طلب میں کتنا سچا ہے، کتنا قوی ہے یہی تو مقصود ملنے کی اساس ہے۔ اور جس کی طلب سچی ہو مالکِ حقیقی اسے محروم نہیں فرماتا۔ بلکہ وہ تو کہتا ہے تم ارادہ کرتے ہو میں بڑھ کر تھام لیتا ہوں، تم چل کر آتے ہو میں دوڑ کر آتا ہوں، تم ایک ہاتھ آگے بڑھتے ہو میں دس ہاتھ آگے بڑھتا ہوں۔ اسی لئے تو گناہ گار کو جس لمحے اپنی غفلت و معصیت کا ادراک ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف ازراہِ ندامت رجوع کرتا ہے تو توبہ قبول ہو جاتی ہے اور واپس پلٹنے کے لئے اسے نافرمانی میں بیتے سالوں جتنی مدت دوبارہ اطاعت کے لئے درکار نہیں ہوتی۔ اللہ کریم تو اس کا اتنا بھی نقصان نہیں ہونے دیتے کہ مدتِ عمر کم ہو جانے کی تلافی کے طور پر وہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ماماتا سے

ستر گنا زیادہ مہربان ہونے کی بات پر اعتبار آ جاتا ہے۔ جبھی تو کوئی بڑے سے بڑا گناہ گار بھی از روئے اسلام قابلِ نفرت نہیں ہے تا آنکہ وہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے۔

رحمت ہوگی طالبِ عصیاں رشک کرے گی پاکیٔ داماں

حاصلِ کلام یہ کہ جب طلبِ صادق اور عزم مصمم ہم رکاب ہوں تو پھر تو سفر لمبا ہے نہ منزل کٹھن۔ اللہ کریم خود اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور اپنے ایسے بندوں تک رہنمائی فرما دیتے ہیں جو اسے فنافی الرسول ﷺ کر دیں، واصل باللہ کر سکیں۔

اللہ کے ایسے مقبول بندے ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں جو لوگوں کی باطنی اصلاح کر کے ان کے قلوب کو پاک کرتے ہیں اور صدیوں کے فاصلے پاٹ کر لمحوں میں طالبِ صادق کو بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی لوگ صحیح وارثِ انبیاء ہیں۔ اب جبکہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تو جس اللہ کی مخلوق نے آپ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا اس کی رسائی آپ ﷺ تک کیونکر ممکن ہوگی اور آپ ﷺ سے برکات و کیفیات قلبی کیسے اخذ ہوں گی؟ قلبی تعلق کیونکر قائم ہوگا؟

تو اس کے لئے ہر زمانے میں نائبِ رسول خود رسولِ پاک ﷺ مقرر فرماتے ہیں اور پھر زمانے کی ضرورت کے مطابق وہ فعال ہوتے ہیں اور اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ مبادا یہ حقائق بیشتر اذہان پر گراں گزریں اور آسانی سے قابلِ قبول نہ ہوں۔ لہٰذا مقدور بھر جسارت کے ساتھ انہیں مع ثبوت بیان کرنے کی راہ پر چل نکلی کہ اس سلسلے میں ماضی میں بہت محنت ہو چکی اور بڑی بڑی ہستیوں نے اور مشائخ عظام نے جن کا آج تک ہر زمانہ قائل رہا ہے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ گو میرا علم محدود اور تحقیق ناتواں سہی لیکن سب کا احاطہ ممکن بھی تو نہیں ہے۔ پھر بھی جہاں تک میری رسائی ہو پائی ان حقائق کو آپ کے ساتھ **Share** کر رہی ہوں۔ اصل کمال تو ان مشائخ کا ہے جنہوں نے اپنے سینوں سے ان ذخائر کو نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ گو میری حتی المقدور یہ کوشش رہے گی کہ مآخذ کا حوالہ ضرور دوں تا کہ مزید تفصیل کا متمنی آگے کی راہیں خود تلاش کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکے اور جس کے پاس اس قدر فرصت ہے نہ ذرائع اسے یہ مقالہ بہت سی کتابوں سے مستغنی کر کے ضروری معلومات ایک جامع انداز میں بہم پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا اور یہی اس کی وجہ تالیف بھی ہے تا کہ ہر طالب اپنے حصے اور ضرورت کے علم میں خود کفیل ہو کر پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے عمل کو ادب سے مزین کر کے راہِ حق کی جملہ برکات و کامرانیوں سے سرفراز ہو سکے۔

یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جس میں میری ناقص ذاتی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اسے تحریر میں لانے کا واحد مقصد مقامِ شیخ و آدابِ شیخ سے متعلق مستند بات سامنے لانے کے سوا کچھ نہیں تا کہ ہر متلاشی اپنے عمل کی اصلاح کر سکے اور جان سکے کہ مقامِ شیخ کیا ہے؟ اور کس طرح یہ نائبِ رسول ہمارے اور حضورِ اکرم ﷺ کے مابین حائل زمانوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کرا کر طالبِ صادق کو واصلِ رسول کر سکتا ہے؟ اور پھر اس مقام اور اس کمال کی ہستی سے اکتسابِ فیض کیسے ممکن ہے؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس کے ساتھ تعلق کیسا ہونا چاہئے؟ اس کا ادب کیا ہے؟ اور اس ادب کی حدود و قیود کیا ہیں؟

تو آدابِ شیخ اور مقامِ شیخ کو جاننے کے لئے اب اس شعبہ کا جاننا ضروری ٹھہرا جس کا یہ سرخیل ہے اور جسے اس نے یہ منصب عطا کیا اور برکاتِ رسالت تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا اور یوں **One thing leads to an other** کے مصداق بات یہاں آ کر رکی کہ یہ تصوف و سلوک یا طریقت کیا ہے؟ کہاں سے آئی اور انسان کی عملی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو کر کروڑوں انسانوں کو حقیقی روحانی اور باطنی انقلاب سے ہمکنار کر کے ان کے قدموں کے ان مٹ نشان صفحہ دھرتی پر ثبت کر کے آنے والی نسلوں کو راہِ حق سے شناسا کر گئی۔ پاک پروردگار سے دعا ہے کہ اس کاوش میں میری نیت کو خالص رکھے، میری مدد فرمائے اور اسے شرفِ قبولیت سے نوازے۔

آمین ثم آمین۔

آسیہ اعوان

5 جولائی 2002

ایک اہم وضاحت

اس مقالہ میں اولین ترجیح موضوع کی وضاحت اور سمجھنے کو دی گئی، عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے اور بغیر کسی جانبداری کے دلائل و براہین و اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اور جہاں میں نے اپنے شیخ اور ان کے شیخ کے فرمودات نقل کئے ہیں وہاں بتدریج ''شیخ المکرم'' اور ''اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اعلیٰ حضرت سے میری مراد نسبتِ اویسیہ کے مجدد شیخ ''حضرت اللہ یار خان'' (متوفی 1984ء) کی ذات مراد ہے۔ اللہ آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کے درجات مزید بلند فرمائے۔ آپ نے نسبتِ اویسیہ کی خلافت اپنے شاگرد ''حضرت مولانا محمد اکرم اعوان'' کو منتقل فرمائی جو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے موجودہ شیخ ہیں اور جن کے لئے ''شیخ المکرم'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طریقت کیا ہے؟

لغوی معنی طریقت کا ماخذ "طرق" ہے اور طرق کے معنی "راستہ" کے ہیں تو یوں طریقت کے معنی "راستہ چلنا" ہوئے۔

عمومی تعریف دینِ اسلام کے دو بڑے حصے ہیں :-

(1) شریعت

تعلیماتِ نبوت ﷺ پر مشتمل وہ شعبہ ہے جو ظاہری تعلیمات کا حامل ہے۔ یعنی ایمانیت، عبادات، معاملات اور اخلاقیات۔ جامع الفاظ میں شریعت مطہرہ قرآن، حدیث اور فقہ پر مشتمل ہے جو ہم تک نقل در نقل منتقل ہوئے۔

(2) طریقت

یہ برکاتِ نبوی ﷺ کا شعبہ ہے۔ اس کا مقصد اُن کیفیاتِ قلبی کا حصول ہے جو حضور ﷺ نے تقسیم فرمائیں اور آج بھی اُسی شان سے برزخ سے تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ باطنی علوم کا خزینہ ہے جو سینہ بہ سینہ اولیاء اللہ سے اکتسابِ فیض کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور شریعت پر کما حقہٗ عمل میں خلوص اور گہرائی پیدا کرتا ہے۔

شریعت و طریقت کا باہمی تعلق

عبدالماجد دریا آبادیؒ نقل فرماتے ہیں : "دنیا میں موجود ہر شے کا ایک ظاہری پہلو ہوتا ہے اور ایک باطنی۔ چنانچہ قرآن وحدیث کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی۔ اوّل الذکر کا نام شریعت اور دوسرے کا طریقت ہے۔ اسی لئے طریقت کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ سے الگ کوئی شے نہیں ہے بلکہ انہی کے مغز و باطن کا نام ہے۔ (تصوفِ اسلام) قرآن میں ہے :

واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة (لقمان)	اس نے اپنی تمام نعمتیں تمہارے اوپر پوری کیں۔ ظاہری بھی اور باطنی بھی

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :

نبوت کے دو پہلو ہیں اور دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں کما قال تعالیٰ :

اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم ایته ویزکّیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة (3 : 164)	(مومنوں پہ اللہ نے احسان کیا) جب انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ظاہری پہلو تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وتعلیم حکمت پر محیط ہے (جو شریعت مطہرہ ہے) اور باطنی پہلو کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے۔

(دلائل السلوک)

قدیم صوفیاء کی رائے

عبدالماجد دریا آبادیؒ فرماتے ہیں

''آج جو مشائخ طریقت قیودِ شریعت سے آزاد رہنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں تو انہیں مایوسی اور حیرت ہوگی کہ قدماء صوفیا کے نزدیک طریقت و شریعت میں تخالف مطلق نہ تھا۔ بلکہ شریعت ہی کی تکمیل کا نام طریقت تھا۔''

مزید فرماتے ہیں کہ :

''دراصل علم کی دو اقسام ہیں ظاہری اور باطنی ۔ جب تک اس کا تعلق زبان و اعضاء سے ہے تو اسے علم ظاہری سے تعبیر کریں گے اور اس کا نام شریعت ہے ۔ مثلاً عبادات و احکامات وغیرہ ۔ اور جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر باطن تک محیط ہو جائے تو اسی کو طریقت کہتے ہیں ۔ یہاں عبادات و احکامات کی بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں ۔ مثلاً تصدیق ، اخلاص ،تقویٰ ،توکل ،صحبت ،صبر وغیرہ ۔''

تصوف اور طریقت میں تعلق

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''طریقت شریعت کے مقابل ہے ۔ اور جس طرح شریعت قرآن ،حدیث اور علومِ فقہ پہ مشتمل ہے اسی طرح طریقت تصوف پہ مشتمل ہے ۔ اس لحاظ سے تصوف اور طریقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف کیا ھے؟

مسلمانوں کے دلوں میں دھرے ہوئے چراغوں کونورِنبوت سے روشن کر کے انسانیت کے راستے پرسجا دینا اسلامی تصوف ہے۔

(اسرارالتنزیل)

لفظی معنی

لغوی اعتبار سے تصوف کے مادہ اشتقاق کے بارے میں مختلف علمائے کرام کے ارشادات یہ ہیں :۔

1- الصوف 2- الصفوا 3- الصفا 4- التصوف 5- الصفہ 6- القف

اس ضمن میں وضاحت اور علمی بحث میں پڑے بغیر سب سے جامع تشریح جو میری نظر سے گزری ہے وہ ''اعلیٰ حضرتؒ'' نے ارشاد فرمائی ہے۔

جامع تشریح

''لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف سے ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضائے الٰہی ہے اور قرآن وحدیث کے مطالعہ، اسوہ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔''

(دلائل السلوک باب 1 صفحہ 7)

ایک اور وضاحت جو ایم اے اسلامیات کے نصاب کی کتاب میں تمام بحث ومباحثے کو سمیٹتے ہوئے آخر میں بیان کی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''تصوف وہ علم ہے جس میں بذریعہ ''نورِنبوت وتعلیمِ سرورِکائنات'' حق تعالیٰ کی ذات وصفات، اسرارِ علمِ لدُنی، وصول الی اللہ کے طریقے، جملہ لوازماتِ سلوک، طریقت کے اصول اور رموزِ معرفت وحقیقت بیان کئے جاتے ہیں۔''

نیز لکھا ہے کہ :

''تصوف کی بنیاد استدلال اور تعقل پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عقیدہ اور عشق سے ہے۔ بالفاظِ دیگر عشقِ حقیقی کی منازل طے کرنے کے لئے جو طریقہ کار اپنایا جاتا ہے اسے تصوف کہتے ہیں۔ لیکن یہ یادرہے کہ تصوف کے تمام تر عقائد واعمال کا تعلق دینِ اسلام سے ہے۔ وہ عقائد و نظریات جن کا تعلق اسلام سے نہیں وہ جزوِ تصوف نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ دور میں غیر اسلامی نظریات کو بھی جزوِتصوف شمار کیا جاتا ہے۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جامع تشریح

صوفی کون ہے؟

جس طرح ہر شعبہ سے متعلق ایک خاص اصطلاح وضع ہوتی ہے مثلاً علم العقائد کے حامل کو متکلم، علم الاحکام سے متعلق کو فقیہہ اور قرآن و حدیث کے عالم کو بتدریج مفسر و محدث کہتے ہیں اسی طرح علم الاخلاص یعنی تصوف کے حامل کو جو علومِ باطنی کے تحت صفائے قلب اور اصلاحِ باطن کا کام کرتا ہے، صوفی کہا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت ہر صوفی نے اپنے انداز میں کی ہے۔ مثلاً :

1- ابنِ جلاء نے فرمایا :-

''کسی علم میں اس کا مطلب نہیں پایا جاتا مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ صوفی ایسا فقیہہ ہوتا ہے جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو، مکانیت کی قید کے بغیر اللہ کے ساتھ رہے۔ حق تعالیٰ اسے ہر مکان اور علم سے غافل نہیں رہنے دیتے اس لئے اسے صوفی کہتے ہیں۔''
(کشف المحجوب)

2- بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں :-

''صوفی وہ ہے جس کا قلب اللہ کے لئے صاف ہو جائے۔''

3- اسلامی اخلاق و تصوف کے مصنف فرماتے ہیں :-

''صوفی وہ ہے جو اپنے آپ کو حق میں فنا کر دے اور اس کے اندر کوئی کدورت اور تیرگی باقی نہ رہے۔ نیز وہ دینِ اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے راہ طریقت پر گامزن ہو اور اس کا کوئی فعل قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔''

4- شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں :-

''صوفی وہ ہے جس کی صفت علمِ الٰہی، حلیہ عبادتِ الٰہی اور لباس تقویٰ ہو۔''

5- حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں :-

''صوفی وہ ہے کہ جو بولے تو اس کی زبان پہ حق جاری ہو، خاموش ہو تو اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبانِ حال سے شہادت دے کہ اس کے اندر دنیا کی کوئی ہوس موجود نہیں۔''

6- ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں :-

''صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو نہ ملک۔''

تصوف و صوفی کا اسلام میں مرتبہ

اب اسلام کی رو سے صوفیا کرام کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی کتاب ''تصوفِ اسلام'' میں تصوف کی نو اہم کتب کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب اللمع ہے جو چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی۔ اس میں ابونصر سراج یوں ان غلط فہمیوں کا ازالہ فرماتے ہیں جن کا علمائے ظاہر اور صوفیائے ناقص شکار ہیں۔

1- قرآن کریم کی روشنی میں

شھد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو و الملئکۃ و اولو العلم قائما بالقسط (3 : 98)	''گواہی دی اللہ نے کہ اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں اور فرشتوں نے اور اولوالعلم لوگوں جو اس پہ انصاف پہ قائم رہنے والے ہیں نے گواہی دی''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے بلند مرتبہ ان کا رکھا جو اولوالعلم اور قائمین بالقسط ہیں اور فرشتوں کے بعد ان کی شہادت پیش کی۔ چنانچہ حضورؐ نے بھی علماء کو جانشینِ انبیاء ارشاد فرمایا ہے۔ اب یہ صاحبِ علم کون ہیں؟ مصنف موصوف مومنین کو تین طبقات میں تقسیم فرماتے ہیں۔

1- اربابِ حدیث 2- فقہا 3- صوفیا

جو مشترکہ امور مثلاً عقائد، اتباع، قرآن و سنت اور علوم و فنون سے کام لینے میں سب برابر ہیں لیکن صوفیا کا کمال یہ ہے کہ وہ انواع عبادات، حقائق طاعات اور اخلاقِ جمیلہ سے جن درجاتِ عالیہ اور منازلِ رفیعہ کو پالیتے ہیں وہاں تک علماء ظواہر اور فقہا و محدثین کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے وہ اس آیت مبارکہ میں اللہ کا مخاطب ہونے کے زیادہ سزاوار ٹھہرے۔

منکرین تصوف کو جواب

ابونصر سراج صوفیا کی مزید خصوصیات بیان کرنے کے بعد ان منکرینِ تصوف کو مخاطب کرتے ہیں جو اس بات کے قائل نہیں کہ قرآن و حدیث کے سارے دفتر میں کہیں تصوف یا صوفیا کا ذکر نہیں ہے۔ فرماتے ہیں :۔

''صوفیا کے تذکرے سے تو قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ مثلاً صادقین و صادقات، قانتین و قانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، محسنین، خائفین وجلین، ذاکرین، صابرین، راسخین، متوکلین، اولیا، مصطفین، اسرار مقربین، مشاہدین، متصدقین نیز مطمئنین (یعنی الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب سے مراد اہل تصوف ہی تو ہیں۔)

2- احادیث کی روشنی میں

ان من امتی مکلمون و محدثون و ان عمر منھم	میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مکالمہ (الٰہی) اور گفتگوئے (الٰہی) سے سرفراز ہوں گے اور عمر بھی انہی میں سے ہیں۔
یدخل شفاعتہ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعۃ و مفریقال لہٗ اویس قرنی	میری امت میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا جس کی شفاعت سے لوگ جنت میں قبیلہ ربیعہ و مفر کی طرح (یعنی بکثرت) داخل کئے جائیں گے اور وہ اویس قرنی ہوگا

3- اعلیٰ حضرتؒ کی تحقیق :

''تصوف بدعت ہے یا نہیں اس کی بحث بعد میں آئے گی یہاں اصولی طور پر واضح کیا جا رہا ہے کہ منکرینِ تصوف کی حیثیت نہ تو مجتہد کی ہے نہ ان کا انکار کسی کے لئے حجت ہے اور نہ یہ علمائے حق پہ یا صوفیا کی جماعت پہ فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کی رائے کا احترام کیا جائے بمقابل امام حسن بصریؒ سے لے کر آج تک کروڑوں نفوسِ قدسیہ کے۔ مولانا احمد علی لاہوری منکرینِ تصوف کو چور، ڈاکو اور راہزن کہتے ہیں کہ یہ دین کے ایک اہم جز کو خارج کرنے پر تلے ہیں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف کا آغاز و ارتقاء

بہت سے حضرات جو اہلِ علم نہیں تصوف کو بدعت خیال کرتے ہیں۔ اس استدلال کی بنا پر کہ قرآن وسنت میں یہ نام نہیں ملتا۔ اسی بنا پر انہیں لفظ ''صوفی'' پر اعتراض ہے۔ لیکن اس سے انکار ممکن نہیں۔

1- اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''عہدِ رسالت اور صحابہ کرام کے دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں یعنی تفسیر، اصول فقہ، کلام وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں ہر چند کہ ان کے اصول وکلیات موجود تھے۔ پھر ان عنوانات کے تحت یہ شعبے بعد میں مدوّن ہوئے اسی طرح دین کا یہ اہم شعبہ بھی موجود تھا۔ کیونکہ تزکیہ باطن خود پیغمبر ﷺ کے فرائض میں شامل تھا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی بھی اسی کا نمونہ تھی۔ لیکن اس کی تدوین بھی دوسرے شعبوں کی طرح بعد میں ہوئی۔''

(دلائل السلوک)

2- صحابہ کو صوفی کیوں نہ کہا گیا؟

حضرت ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ :

''اصحابِ رسول ﷺ کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف واعظم ان میں فضیلتِ صحابیت تھی۔ کیونکہ صحبتِ رسول ﷺ تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر ورضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا شرفِ صحابیت غالب تھا پس جب کسی کو صحابی کا لقب عطا ہو گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی۔ اور کوئی محل ہی باقی نہ رہا کہ اسے صوفی، محدث یا فقیہہ یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جاتا۔''

(کتاب اللمع)

3- مصنف مزید فرماتے ہیں :-

''یہ لفظ حسن بصریؒ کے زمانے میں رائج تھا۔ جن کا زمانہ صحابیوں سے معاصرت کا ہے کہ وہ تابعی تھے۔ چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری کے اقوال میں لفظ ''صوفی'' استعمال ہوا ہے۔''

(کتاب اللمع)

4- اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''صحابیت کے شرف ولقب کی موجودگی میں کسی علیحدہ اصطلاح کی ضرورت نہ تھی۔''

شعبۂ تصوف کے آغاز وارتقاء کو سمجھنے کے لئے درج ذیل دونوں ادوار کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

(دلائل السلوک)

1- دورِ بعثت یا دورِ رسالت اور تصوف

2- دورِ بعد از بعثت یا رسالتاور تصوف

دورِ بعثت اور تصوف:

1- اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''قرآن کریم میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے احسان سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل حدیثِ جبریلؑ میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ تصوف، احسان، سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔''

(دلائل السلوک)

2- حدیثِ جبریلؑ :

''جبریلؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! مجھے احسان کے متعلق بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ''اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے'' پھر حضور ﷺ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا؟ عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے۔ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اعلیٰ حضرتؒ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں :

''حدیثِ جبرئیلؑ کی تاریخی حیثیت اس حدیث کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کرتی ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ کا انسانی روپ میں حاضر ہو کر یہ کلام کرنا اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضور ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آ چکے تھے۔ اس وقت دین کی تکمیل ہو چکی تھی۔ گویا حدیثِ جبرئیل کا مقصد مجلسِ واحد میں احکامِ دین کو پختہ اور منضبط کرنے کے لئے دین کا خلاصہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کرنا تھا کہ دین تین امور سے مرکب ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان جیسے مغرب کی تین رکعتیں ہیں کوئی دو پڑھ لے اور تیسری چھوڑ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح تصوف چھوڑ دیا تو دین کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا گویا دین کی تکمیل نہ ہوئی۔''

(دلائل السلوک)

3- اصحابِ صفہ:

(i) اکثر مورخین کا خیال ہے کہ تصوف کی ابتداء اصحابِ صفہ سے ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں صوفی نہ کہا جاتا تھا اور نہ ہی تصوف کا نام ابھی تک وجود میں آیا تھا۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

(ii) ''اخبارِ مکہ'' اور ''البرھان المؤید'' کے مطابق اصحابِ صفہ بنوصوفہ میں سے جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انہیں مسجدِ نبوی کے چبوترے ''صفہ'' پر رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست فیض وتربیت پانے کا موقع ملا'' ابنِ متذر نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ :

''اصحابِ صفہ کی تعداد تقریباً چار سو تھی جو فقراء اور مہاجرین میں سے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کے پاس رہنے کو جگہ نہ تھی نہ ان کا وہاں کوئی قبیلہ تھا وہ مسجد کے چبوترہ پر زندگی بسر کرتے تھے اور ہمہ وقت تعلیم حاصل کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اور حضور ﷺ جب لشکر روانہ کرتے تو اس کے ساتھ جہاد پر نکلتے۔''

(iii) حضور ﷺ اصحابِ صفہ کی دلداری فرماتے تھے۔ بعض صحابہ کئی کئی آدمیوں کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔ یہ لوگ محتاج اور مفلوک الحال تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے :

''ایک روز حضور ﷺ اہلِ صفہ کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کی محتاجی، کوشش اور خوش دلی دیکھی پھر فرمایا اے اصحابِ صفہ! تمہیں بشارت ہو جو تم میں سے اس صفت پہ قائم رہا، جس صفت پہ آج کے دن تم قائم ہو وہ شخص قیامت کے روز میرا رفیق اور ساتھی ہوگا۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا :

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا فرمائے کہ میں اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھوں۔''

(iv) اکثر مفسرین نے بعض آیاتِ قرآنی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئیں مثلاً

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیمھم لایسئلون الناس الحافا (التوبہ)	''خیرات ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے (کسبِ معاش کے لئے) ناواقف ان کو سوال نہ کرنے کے باعث تونگر اور دولت مند سمجھتے ہیں تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔''

حالات و واقعاتِ دورِ رسالت اور دلائل علی التصوف

1- فرائضِ نبوت

قرآن نے فرائضِ نبوت اس انداز میں بیان فرمائے :

لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (3:164)	بے شک مومنوں پہ اللہ نے احسان کیا جب انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے

تو معلوم ہوا کہ تزکیہ یعنی دلوں کو پاک کرنا فرائض نبوت میں سے ہے۔

تزکیہ، احسان اور تصوف ایک حقیقت کے تین نام ہیں۔ جسے قرآنِ کریم تزکیہ کہتا ہے اس کو حدیث جبریلؑ میں احسان سے موسوم کیا گیا۔ جب قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں ہوا تو عربی کا لفظ تصوف جو فارسی میں مستعمل تھا اس فنِ تزکیہ کیلئے استعمال کیا گیا۔

ایک اہم نقطہ

فرائض نبوت کی ترتیب پر غور فرمادیں تو تزکیہ تلاوتِ آیات کے بعد آتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ بغیر تزکیہ کے تعلیم کتاب و تعلیم حکمت کماحقہٗ سمجھ آ ہی نہیں پاتے۔ اسی تناظر میں حضور ﷺ کے اس قول پر غور کریں " ان فی الجسد مضغۃ

''انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سدھر گیا تو سارا جسم سدھر جائے گا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جائے گا اور خبردار وہ

تمہارا قلب ہے''

تزکیہ کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اسی لئے سب سے پہلے قلب کو پاک کرنے کا حکم ہوا ہے۔کیونکہ اگر یہ رذائلِ اخلاق سے آلودہ رہا تو صرف جسم کو سکھانے پڑھانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ ان تعلیمات کو سمجھ ہی نہ پائے گا اور پھر جسد تو قلب کے تابع ہے اور ہمہ وقت اس کے حکم پر کمربستہ ہے۔لہٰذا ایمان کے بعد فوراً تزکیہ اور اس کے بعد تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔

حق تو یہ ہے کہ جوں ہی ایمان نصیب ہوا۔شہادتین کے ذریعہ اور زبان سے اقرار کے بعد بات تصدیق قلب تک پہنچی یعنی جوں ہی اسلام میں داخلہ نصیب ہوا تو باطن کے شدید ترین بُت کفر و شرک پاش پاش ہو گئے۔لیکن اس سے وہ بُت جو اس کے خالق نے تخلیقی طور پر اسی کی فطرت میں رکھے ہیں اور جنہیں اصطلاحاً رذائلِ اخلاق کہا جاتا ہے وہ بغیر تزکیہ کے نہیں ٹوٹتے۔اس لئے تزکیہ ہر بندۂ مسلم کا بنیادی اور داخلی مسئلہ ہے اور اتنا اہم کہ خالق کائنات نے اسے محسنِ انسانیت کے فرائض میں سمو دیا۔یہ بُت کیا ہیں؟ انانیت اور شہرت کے بُت، حبِ دنیا، حبِ مال، حبِ جاہ کے بُت، خود بینی، خود پسندی، خود نمائی کے بُت، تکبر، عُجب، حسد، طمع اور ریاکاری کے بُت۔لہٰذا ہر وہ بندہ جو اس مزکیِ اعظم کی خدمت میں حالتِ ایمان میں حاضر ہوا تو فقط ایک نگاہِ نبوت سے یا چند لمحوں کے فیضِ صحبت سے اپنے اندر کے سارے بُت تڑوا بیٹھا اور حقیقی، روحانی اور باطنی انقلاب سے آشنا ہوا اور وہ روحانی اضطراب پا گیا جسے اس نے نہ صرف اللہ کی اطاعت اور رضامندی پر کمربستہ کر دیا بلکہ اس پر مر مٹنے کے لئے بے قرار و بے چین ہو گیا اس حقیقت کی نشاندہی ملاحظہ ہو:۔

1- جو شخص بحالتِ ایمان آپ ﷺ کی اک نگاہ پا گیا وہ صحابی ٹھہرا۔یعنی ایک عام آدمی کی سطح سے اٹھ کر عظمتِ انسانی کی ان بلندیوں پر پہنچا جو نبوت کے بعد اعلیٰ ترین مقام ہے۔یہ سب حضور ﷺ کی صحبت کی برکات تھیں۔آپ ﷺ نے صرف الفاظ نہیں منتقل فرمائے بلکہ جہاں آپ ﷺ نے تعلیمات ارشاد فرمائیں وہاں برکات بھی بانٹیں اور قلوب آپ ﷺ کے حضور میں پہنچے تو نور''علی نور'' ہو گئے۔

(کنز الطالبین)

2- آپ ﷺ کی نگاہِ پاک میں اس قدر انواراتِ الٰہی موجزن تھے کہ حالتِ ایمان میں ہر آنے والا دل سے کھال تک پاک اور منور ہو جاتا تھا۔اسی لئے صحابیت کے لئے صحبت شرط ہے۔اور یہ وہ درجہ ہے کہ مفسر، محدث، فقیہہ و صوفی سب کا حامل ہے اس کی موجودگی میں کسی الگ تصریح کی ضرورت نہیں۔

(دلائل السلوک)

3- حضرت علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کبارؓ نے حضور ﷺ سے حضرت حارثہؓ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ وہ بندہ ہے جس کا چہرہ یہ اثر رکھتا ہے کہ اس میں صفتِ متمرہ ہے (یعنی جس طرح چاند آفتاب کو دیکھ کر منور ہو جاتا ہے اس طرح اس کا چہرہ دیکھنے والے کے دل میں نور آ جاتا ہے) اور حارثہ کو اللہ نے اپنے نور سے معمور و مخلوف فرمایا ہے۔''

(کشف المحجوب)

4- صحابہ کرامؓ جن کا تزکیہ براہ راست آپ ﷺ کی ایک نگاہ یا چند لمحوں کے فیضِ صحبت سے ہوا۔خالقِ کائنات ان کے بارے گواہی دیتا ہے کہ

ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر الله	ان کی کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک اللہ کے ذکر سے معمور ہو گئے

خود صحابہؓ کی تصدیق آثارِ صحابہ میں ملتی ہے کہ:

''آپ ﷺ کی مجلس میں آنے سے پہلے میں کچھ اور تھا اور جب پلٹا تو میں کچھ اور ہو گیا۔''

5- حضرت علی ہجویریؒ صدیقِ اکبرؓ کے بارے ایک شعر نقل فرماتے ہیں کہ:

ان الصفا صفة الصدیق ان اردت صوفیا علی التحقیق

(اگر کوئی واقعی صوفیا کا متلاشی ہے تو صوفی ہونے کی شانِ صفا تو صدیقِ اکبرؓ میں تھی)

اس کی تشریح میں آپ فرماتے ہیں کہ :

''صفا حقیقی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اصل تو یہ ہے کہ دل ماسواء اللہ سے منقطع ہو جائے اور فرع دل کا دنیا کی محبت سے خالی ہونا ہے۔ اور یہ دونوں صفات صدیقِ اکبرؓ میں تھیں۔ اس لئے یہی وہ ہستی ہے جسے امام اہلِ طریقت اور مقتداء اہلِ تصوف کہا جاتا ہے۔ یہی وہ پاک باطن تھے کہ جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ خود صحابہ میں بھی آپؓ کا ہمسر کوئی نہ تھا''

(کشف المحجوب)

6- ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ''ذھب الصفو الدنیا'' یعنی دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہ گئی اور اب ہر مسلمان کے لئے موت کا ایک تحفہ ہے'' امام قشیری اس حدیث کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ ''یہاں سے یہ نام صوفیا کی جماعت پہ غالب آ گیا چنانچہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ''رجل'' صوفی'' اور جماعت کے لئے ''صوفیہ'' بولا جاتا۔''

(رسالہ قشیریہ)

کشف و مشاہدات کی مثال دورِ رسالت میں

جن نفوسِ قدسیہ کا تزکیہ براہِ راست آپ ﷺ کے قلبِ اطہر سے ہوا انہیں باطنی مشاہدات بھی اُسی نسبت سے عطاء ہوئے۔

1- ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے دریافت فرمایا کہ تم نے صبح کیسے کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ فرمایا غور کر تو نے کیا کہا اور تیرے دعوے کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کی کہ میں نے اپنی جان کو دنیا و مافیہا سے علیحدہ کر لیا۔ اور اپنا منہ موڑ لیا اب پتھر، سونا، کنکر، جواہر میرے لئے سب یکساں ہیں۔ جب میں دنیا سے آزاد ہوا تو مقامِ اقصیٰ یعنی درجہ انتہا پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ حالت بیداری میں اب رب العلیٰ کے عرشِ بریں کا مشاہدہ بلاحجاب کر رہا ہوں۔ گویا کہ اہلِ جنت کو محوِ سیر دیکھ رہا ہوں اور اہلِ دوزخ کو تڑپتا دیکھتا ہوں۔ فرمایا عرفت فالزم (تو نے جان تو لیا اب اس منصب کی محافظت کر)

2- حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ حدیثِ جبریلؑ کی روشنی میں یعنی ''اپنے رب کی عبادت یوں کر گویا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے''۔ آپ کی نماز کی کیا کیفیت ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا ''میں تب تک سجدے سے سر ہی نہیں اٹھاتا جب تک اپنے پروردگار کو دیکھ نہیں لیتا۔''

3- حضرت عمر فاروقؓ منبرِ رسول پر بیٹھے ہوئے دورانِ خطبہ پکار اٹھے ''یا ساریہ الجبل (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف متوجہ ہو) حضرت ساریہؓ نے جو اس وقت فارس میں حالت جنگ میں تھے مدینہ سے کوسوں دور تھے یہ آواز سنی اس پر عمل کیا اور بعد میں تصدیق کی کہ وہ ان دیکھے دشمن سے بروقت خبردار ہو گئے۔

4- ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے آ رہا تھا جب بدر کے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا ایک بندہ بھاگتا ہوا زمین سے باہر نکلتا ہے آگ کے شعلے لپک رہے ہیں اور اس کے پیچھے ایک بڑی ہیبت ناک بلا ہے جس کے ہاتھ میں ہتھوڑا سا ہے وہ اسے گھسیٹتا ہوا واپس لے جاتا ہے چنانچہ میں کچھ دیر یہ تماشا دیکھتا رہا۔ مدینہ آ کر عبداللہ بن عمرؓ سے بات کی تو انہوں نے فرمایا اللہ کے بندے تجھے نہیں خبر کہ وہاں ابوجہل دفن ہے اور تو کلیبِ بدر کو دیکھ رہا تھا۔''

2- دورِ مابعد رسالت اور تصوف:

خیر القرون

حضور ﷺ نے فرمایا :

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم	’’سب سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر جو اس سے متصل، پھر جو اس سے متصل ہے۔‘‘

خیرالقرون تین ادوار پر مشتمل ہے

1- عہدِ صحابہ 2- عہدِ تابعین 3- عہدِ تبع تابعین

1- عھدِ صحابہ

حضور ﷺ سے متصل خلفائے راشدین کا دور ہے۔

صورتِ تزکیہ یہ تھی کہ جس طرح تعلیماتِ نبوی کے لئے صحابہ کرامؓ کی ذواتِ مقدسہ واحد ذریعہ تھی اسی طرح تزکیہ کے انوارات یعنی برکاتِ نبوی ﷺ بھی انہی کے ذریعے منتقل ہوئیں۔ آپ کی تعلیمات قرآن، حدیث اور فقہ کی تدوین شروع ہوگئی جبکہ صحابہؓ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کے دلوں کا تزکیہ ہو جاتا۔ کیونکہ یہ بڑے طاقتور قلوب تھے جنہیں براہ راست حضور ﷺ کے قلبِ اطہر سے جلا ملی تھی۔ جس سے مرتب ہونے والے اثرات پر قرآن کریم شاہد ہے۔ **ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ** یعنی ان کے قلوب سے لے کر کھالوں تک جسم کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو چکا تھا۔ ان کی مثال یوں ہے کہ گویا سورج کے سامنے آئینہ آیا تو منور ہوگیا۔

2- عھدِ تابعین

اس دور میں حدیث وفقہ کی تدوین جاری رہی۔ صحابہ کرامؓ نے ایک ایک ارشادِ نبوی ﷺ اور عہدِ رسالت کے حالات وواقعات کو پوری ذمہ داری کے ساتھ آگے منتقل کیا۔ امام ابوحنیفہؒ جیسے سرخیل میدان میں اترے اور قرآن وحدیث کے حفاظ کی مجالس سجا کر ہر ہر ارشادِ نبوی ﷺ اور سنت پوری پوری تحقیق کے ساتھ، روایات کو پرکھ کر آئندہ امت کے لئے محفوظ کر لیا۔

(اسلامی اخلاق وتصوف)

صورتِ تزکیہ

ہر وہ بندہ مومن جسے صحابہ کرامؓ کی صحبت نصیب ہوئی۔ ان کے فیضِ صحبت سے اندر کے سارے بُت یعنی رذائل اخلاق تڑوا کر تزکیہ سے آشنا ہوا۔ صرف صحبت شرط تھی جس نے انعکاسی عمل سے ان کا مکمل تزکیہ کر دیا۔

3- تبع تابعین

ان حضرات کے قلوب بھی تابعین کی صحبت نے منور کر دیئے۔ کوئی محنت مجاہدہ نہیں کرنا پڑا شرط کیا تھی کہ بحالتِ ایمان کسی تابعی کی صحبت کا پا جانا۔ ان پر خیرالقرون کا زمانہ ختم ہوتا ہے جو اسلام کے پہلے تین ادوار ہیں۔ یہاں تک تزکیہ کے انوارات وہبی طور پر ایک منور قلب سے دوسرے میں منتقل ہوتے رہے۔ کوئی محنت مجاہدہ نہ کرنا پڑا۔

ہاں جو حضرات خیرالقرون کے آخر میں آئے انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اب قلوب میں وہ قوت نہیں رہی کہ محض صحبت میں بیٹھنے سے تزکیہ ہو جائے بوجہ بُعد زمانہ کے۔ کہ درمیان میں تین ادوار در آئے۔ لہٰذا قرآن وسنت اور سلف صالحین کے تعامل کی روشنی میں محنت مجاہدے، ذکر واشغال وجود میں آئے گویا سلاسل تصوف اس دور کی پیداوار ہیں۔ اس سے قبل ان کی ضرورت ہی نہ تھی کہ قلوب بہت منور اور طاقتور تھے۔ گویا حصول تزکیہ کا عمل پہلے وہبی تھا اب کسبی ہوگیا۔

ہر سلسلہ تصوف کا منبع بھی صحابہ کرامؓ کی ذاتِ مقدسہ ہیں۔ پھر تابعین اور پھر تبع تابعین میں اہل طریقت ہیں اس لئے تصوف کے تمام سلاسل کے شجرے (Chain of Transmission) صحابہ کرامؓ کے توسط سے حضور ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ جملہ کمالات اور فیوض وبرکات کا سرچشمہ آپ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

خیر القرون میں نمایاں اہل طریقت

1- عہدِ صحابہؓ میں :

صحابہ کرام وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہیں لسانِ نبوت اور ترجمانِ نبوت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صحبت حضور ﷺ نے انہیں پوری انسانیت میں انبیاء کے بعد سب سے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ ساری دنیا کے اولیا کرام مل کر مرتبے میں ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اسی لئے صحابہؓ کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی نام اختیار نہیں کیا گیا کہ لفظ صحابہ صوفی، محدث، مفسر سب کو محیط ہے۔ ہاں اس نقطۂ نظر سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کس کس صحابیؓ سے فیض روحانی کا سلسلہ آگے چلا۔

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ :۔

صحابہ کرامؓ بلاشبہ پوری انسانیت میں بعد از انبیاء بلند ترین مرتبے کے حامل ہیں۔ غیر نبیوں میں حضرت صدیقِ اکبرؓ خلیفہ اول سب سے بلند مقام پر فائز ہیں۔ قربِ نبوی ﷺ اور طریقت میں وہ مقام ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی زندگی بھر کی نیکیاں غارِ ثور کی ایک رات کے عوض دینے کو تیار ہیں لیکن صدیق اکبرؓ نہیں مانتے۔ سلسلہ نقشبندیہ کا شجرہ آپ کی ذات گرامی سے حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کی دو نسبتیں ہیں، ایک نسبت اویسیہ جو نسبتِ حضرت اویس قرنی سے منسوب ہے اور دوسری نسبت مجددیہ جو حضرت مجدد الف ثانی سے جاری ہوتی ہے۔ یہ وہ واحد سلسلہ طریقت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فیضِ روحانی حاصل کرتا ہے اور آپؓ کے توسط سے بارگاہِ رسالت تک پہنچتا ہے۔

2- حضرت علیؓ :۔

تصوف اور طریقت کے باقی تمام سلاسل کا پیشوا حضرت علیؓ کو تصور کیا جاتا ہے جو آپؓ کے توسط سے بارگاہِ رسالت تک پہنچتے ہیں۔

3- اصحابِ صُفّہ :۔

ان کی مثال اہلِ طریقت میں اس لئے دی جاتی ہے کہ آئمہ طریقت، اولیاء اللہ نے وہی طرزِ رہن سہن اختیار کیا جو اصحابِ صفہ کا تھا۔ اس لئے اس مماثلت کی بدولت یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اصحابِ صفہ، اہلِ طریقت کی اولین صورت تھے۔

2- تابعین میں نمایاں اہل طرقت

1- حضرت اویس قرنیؒ :۔

آپ مخضرم تابعی تھے۔ یعنی حضور ﷺ کے زمانہ میں حاضر تو تھے لیکن آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایمان لائے تو آپ ﷺ کی محبت کے سمندر دل میں پھوٹ پڑے۔ مدینہ منورہ حاضر بھی ہوئے لیکن آپ ﷺ موجود نہ تھے۔ ضعیف والدہ کی خدمت کے تقاضوں نے انتظار کی مہلت نہ دی۔ لوٹ آئے۔ آپ نے حضور ﷺ سے روحانی طور پر فیض حاصل کیا۔ اور اس طریقِ حصولِ فیض کو سلسلہ نقشبندیہ کی اویسیہ نسبت میں اختیار کیا گیا۔

2- امام حسن بصریؒ :۔

تصوف کے بیشتر سلاسل امام حسن بصریؒ سے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ تک پہنچتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ بھی آپ ہی کے توسط سے حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا مقام اہلِ طریقت میں بہت بلند ہے۔ اور آپ کے لطیف ارشادات اس راہ کے سنگِ میل تصور کئے جاتے ہیں۔

3- حضرت ہرم بن حیانؒ :۔

صحابہ کرام سے فیضِ صحبت کے علاوہ آپ حضرت اویس قرنیؒ سے ملے۔ آپ عالی مرتبہ بزرگانِ طریقت میں سے گزرے ہیں اور ادراکِ حقیقت میں حظِ وافر رکھتے تھے۔ (کشف المحجوب) آپ کے علاوہ درج ذیل ہستیاں اس دور کے برگزیدہ اہل طریقت گزرے ہیں :۔

1- طاؤس یمانیؒ۔ 2- داؤد بن دینارؒ۔ 3- سلیمان تمیمیؒ

3- تبع تابعین میں نمایاں اہلِ طریقت

1- حضرت حبیب عجمیؒ :۔

آپ نے حضرت حسن بصریؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اوران سے ہی طریقت ومعاملات کی تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنے زمانہ کے مشائخ میں بہت معزز اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔

(کشف المحجوب)

2- حضرت مالک بن دینارؒ :۔

آپ حضرت حسن بصریؒ کے دوست تھے اورانہی کے ہاتھ پر تائب ہوئے آپ بھی صاحبِ کرامت ہستی تھے۔

3- حضرت امام ابو حنیفہؒ :۔

آپ اہلِ سنت والجماعت کے مقتدا، بہت بڑے فقیہہ ہیں آپ مجاہدات وعبادات میں نہات ثابت قدم تھے اورطریقت کے اصول میں بڑے جلیل الشان مانے گئے ہیں۔

(کشف المحجوب)

4- حضرت فضیل بن عیاضؒ۔

5- حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

6- حضرت با یزید بسطامیؒ

7- حضرت ابراهیم بن ادھمؒ

8- حضرت بشر حافیؒ

9- حضرت ذوالنون مصریؒ

10- حضرت دائود طائیؒ :۔

آپ کا نامِ نامی سلسلہ نقشبندیہ کے شجرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کے بعد آتا ہے۔

تصوف کا باقاعدہ آغاز

جیسا کہ اوپر اشارہ کردیا گیا ہے کہ خیر القرون کے دور کے بعد سلاسل تصوف وجود میں آئے اور ذکراذکار، اشغال، مجاہدات کا دورشروع ہوا۔اب جن ہستیوں نے تعلیمات نبوی ﷺ کو کماحقہٗ حاصل کیا اورمحنت ومجاہدہ کرکے اپنے سے اگلوں کے فیضِ صحبت سے اپنے سینے منور کئے اورپھر اللہ کریم نے انہیں یہ برکات آگے منتقل کرنے کی استعداد بھی بخشی یہ مشائخ کہلائے۔اس ضمن میں معروف کتب میں صورت حال کی نقشہ کشی یوں کی گئی ہے۔

1- عوارف المعارف :۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ جو سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں، فرماتے ہیں :۔زمانہ جوں جوں نبی اکرم ﷺ سے دور ہوتا گیا مکدر ہوتا گیا۔لوگ مختلف آراء ہو گئے اورخرافاتِ دنیا میں گھر کر اعمالِ صالحہ سے کنارہ کش ہوتے گئے تو ایسے ماحول میں کچھ حضرات نے عزلت نشینی کو غنیمت سمجھا۔ اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے۔انہوں

نے اسباب کوترک کیا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔اس ریاضت کے باعث ان میں صفائے فہم پیدا ہوئی اور انہیں عرفانِ الٰہی حاصل ہوا۔ایمان ظاہری کے ساتھ ساتھ وہ ایمانِ باطنی سے بھی بہرہ ور ہو گئے۔تب انہوں نے اپنے مشاہدات و کیفیات سے حاصل کردہ علوم جدیدہ کے لئے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں۔ان کے وجدان، الہام و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں۔ان کی ان تعلیمات، اصطلاحات کو علومِ تصوف یا تصوف کہا جانے لگا اور یہ حضرات صوفی کہلائے۔اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری و ساری ہوا کہ زمانہ مابعد میں باقاعدہ ایک علم کی شکل اختیار کر گیا''

(عوارف المعارف)

2- امام قشیریؒ اپنے رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں :-

''تبع تابعین کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا چنانچہ ان خاص قسم کے لوگوں کو جنہیں علوم دینی سے خاص لگاؤ تھا زاہد اور عابد'' کہا جانے لگا۔پھر بدعتیں رونما ہوئیں اور ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ ان میں ''زاہد'' پائے جاتے ہیں۔چنانچہ اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنہوں نے اپنے انفاس اللہ کے لئے وقف کر دیئے تھے اور اپنے دلوں کو غفلت سے محفوظ رکھا اپنے لئے ایک الگ نام ''صوفی'' رکھ لیا۔ان بزرگوں کے لئے یہ نام دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔''

3- حضرت شہاب الدین سہروردیؒ مزید فرماتے ہیں :-

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ''صوفی'' دوسری صدی ہجری تک استعمال نہیں کیا گیا (حالانکہ) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی باریک باتوں سے واقف نہ ہوتا۔(نیز) ابو ہاشم کوفی پہلے صوفی تھے۔یعنی ابو ہاشم اور ان سے متعلق یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ لفظ صوفی قدیم زمانے سے ہی مشہور اور معروف ہے۔''

4- ''مقامات تصوف'' میں ہے کہ :-

''آقائے نامدار ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہوتے ہی درجہ احسان حاصل ہو جاتا تھا۔کیونکہ آپ ﷺ کی روحانی قوت اس قدر تھی لیکن آپ ﷺ کے بعد یہی حال ایک درجہ میں صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین کی مجلس میں رہا اور پھر مشائخ کرام اور اولیاءِ عظام کی صحبت اختیار کئے بغیر مرتبہ احسان حاصل کرنا نہایت دشوار ہی نہیں ناممکن ہو گیا۔لہٰذا طالبانِ مولیٰ نے (ہمیشہ) ان مبارک صحبتوں اور مجالسِ حسنہ کو اختیار کیا اور اللہ کے سچے اور مخلص بندے بنے۔یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔''

5- غنیۃ الطالبین میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں :-

''ابتدا سے اللہ نے روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے کہ ایک شخص فیض دیتا ہے اور دوسرا لیتا ہے۔انبیاء کے بعد ان کے جانشین، حواری یا صحابہ اور ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ افراد آئے اور دنیا ان سے فیض پاتی ہے۔علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف سے متعلق چند اشتباہ

1- طریقت واجب ہے

1- شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی فرماتے ہیں :۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن (اخلاص واحسان) مقاصد شرعیہ کے مآخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے اور لفظ کے لئے معنی کی ہے۔''

(تفہیماتِ الٰہیہ)

2- اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :۔

''اخلاص واحسان شریعت کی روح ہے جس طرح بدن روح کے بغیر بے کار ہے اسی طرح بدون اخلاص تمام عقائد واعمال بے کار ہیں۔''

(دلائل السلوک)

2- تصوف کا حصول فرض عین ہے

1- قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورۃ توبہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔

''صوفیاء کرام جس کو علم لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمر صفائی قلب ہے دوام حضور اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے اور متصف ہونا ہے فضائل اخلاق سے۔ رذائل وفضائل کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں کہ '' رذائل مومن کے لئے اعضاء وجوارح کے گناہوں سے زیادہ شدت سے حرام ہیں اور فضائل نماز روزہ وغیرہ سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ ہر عبادت جس میں خلوص نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص کا نام ہی تصوف ہے۔''

(تفسیر مظہری)

2- امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔

''جیسے باقی علوم فرض ہیں اس طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ جو علم احوال قلب ہے جیسے توکل، خشیت، رضا، فقا وغیرہ۔''

3- علامہ شامی احوالِ قلب کی تفصیل بیان فرما کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ :۔

''پس مومن کو لازم ہے کہ رذائل سے چھٹکارا کے لئے اتنا علم حاصل کرلے جتنا اپنے نفس کو محتاج پائے کیونکہ ان (رذائل) کا ازالہ فرض عین ہے۔''

3- طلبِ طریقت واجب ھے

1- قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ کا قول ہے :-

''علمِ باطن فرض ہے اور طلب طریقت واجب ہے اور بیعت ہونا سنت ہے۔ (مقاماتِ تصور)

2- صاحب عمدۃ السلوک لکھتے ہیں :-

''طریقت کی تلاش اور اندرونی کمالات کے حصول کی کوشش کرنا واجب ہے۔'' اس کو ثابت کرنے کے لئے وہ قرآن وحدیث سے دلائل لاتے ہیں۔ مثلاً دلیل اول :-

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

الحدیث :-

ان اللہ لاینظر الی صورکم واموا لکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (مسلم)	بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے قلوب واعمال کو دیکھتا ہے

دلیل دوم :-

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم	بے شک تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے
ان اعلمکم و اتقاکم باللہ انا (صحیحین)	تحقیق میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں

دلیل سوم :-

وقل رب زدنی علما	اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر

اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ''جب نبی کریم ﷺ کو علم یعنی ظاہری و باطنی علوم کی زیادتی طلب کرنے کا حکم ہو رہا ہے تو دوسروں کو تو بدرجہ اولیٰ لازم ہوا کہ ظاہری و باطنی قرب کے مرتبوں کو طلب کرتے رہیں اور کاملوں کے لئے قرب کے مراتب پہ قناعت کرنا حرام ہے۔''

(عمدۃ السلوک)

4- تصوف تواتر سے ثابت ھے :

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :- ''تصوف تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم و عمل، زہد و تقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پہ متفق ہونا عقلاً محال ہے۔''

(دلائل السلوک)

5- طریقت کا انکار شریعت کا انکار ھے :

1- حضرت ابوالحسن بوسنجہؒ کا قول ہے :-

''آج کے دن تصوف نام کا ہی رہ گیا ہے۔ حقیقتاً کچھ نہیں رہا ایک دن وہ تھا کہ حقیقتاً خالص تصوف موجود تھا اور نام ونمود نہ تھی۔''

یعنی ''صحابہ وسلف صالحین میں تصوف کا نام رائج نہ تھا مگر روحِ تصوف موجود تھی اور اس کا پرتو ہر کس و ناکس میں تھا۔''

(کشف المحجوب)

2- حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ :-

''حقیقتِ تصوف کا انکار شریعت کا انکار ہے یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کے فضائلِ حمیدہ اور صحابہ کرامؓ کے اوصافِ جمیلہ کا انکار ہے۔ کیونکہ اس کے انکار سے پورا دین ریا کاری بن جاتا ہے۔ دین کی اصل روح اور جان تو احکامِ الٰہی کی اخلاص و محبت کے ساتھ پیروی ہی ہے اگر اس کا انکار کر دیا تو پھر دین کہاں رہا۔''

(کشف المحجوب)

6- تصوف کے نام پہ بدعات :

''اسرار التنزیل'' میں حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں:

''خرافات و بدعات کی جو بنیاد ان باتوں (تصوف کے نام) پر رکھی گئی ہے اور جس قدر لوگوں کے عمل و ایمان کو اس کے ذریعے نقصان پہنچایا گیا ہے ان کی تردید و اصلاح بہت ضروری ہے۔ لیکن اگر سر میں درد ہو تو اس کا علاج سر کاٹ دینا نہیں ہے اس لئے یہاں بھی اصل علاج تصوف سے برگشتہ ہونا یا سرے سے تردید کرنا نہیں ہے بلکہ صحیح اسلامی اور موروثی کیفیات جو حضور اکرم ﷺ سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں انہیں عام کر دینا اصل طریقہ اصلاح ہے۔ جب بازار میں اصل عام ہو جائے تو نقل خود بخود بند ہو جائے گی ورنہ ان کیفیات کا انکار دلوں سے خلوص لے جائے گا اور بدعات کے باعث نفاق شروع ہو جائے گا جو زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہے''

7- تصوف کیا نہیں :

اعلیٰ حضرتؒ بہت شد و مد کے ساتھ موجودہ دور میں تصوف کے نام پر رائج بدعات کا رد فرماتے ہیں کہ :

''تصوف کے لئے نہ کشف و کرامات شرط ہیں، نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویز گنڈوں کا نام تصوف ہے، نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے، نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدوں اتباعِ سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں''۔ (دلائل السلوک)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مطابق :

''فقر و تصوف نرے وجد و حال اور ذوق و کیف کا نام نہیں بلکہ ظاہر و باطن دونوں کی آراستگی کا نام ہے۔''

(فوائد الفواد)

ایک اہم وضاحت :

☆ بدعات کے علاوہ بھی ایک مغالطہ پایا جاتا ہے جیسے عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں کہ :

''اس وقت یہ عام خیال پھیلا ہوا ہے یا پھیلا دیا گیا ہے کہ تصوف وطریقت دین اسلام سے الگ ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے یہ مستشرقین کا پھیلایا ہوا خیال ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس کی تردید کا ہر مشائخ، ابونصر سراج، شیخ علی ہجویری، امام قشیری، شیخ جیلانی وشیخ سہروردی کی کتب سے ظاہر ہو چکی ہے کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام سے الگ ہونا تو کجا اس کی کمال ترین صورت ہے۔ اس میں بیرونی عنصروں (بدعات وخرافات) کی آمیزش تو اس وقت ہوئی جب خود تصوف میں انحطاط شروع ہوا اور دین کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ میں بدعات داخل ہو گئیں تھیں۔''

(تصوف اسلام)

☆ شیخ سہروردی بھی اس شبے کی تردید فرماتے ہیں کہ :

''تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الکلام، علم الفرائض، معانی وبیان، لغت ونحو غرض سارے علوم ظاہر جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں اور بظاہر تصوف کی ضد سمجھے جاتے ہیں حقیقتاً وہ سب (بطور) مقدمات ومبادی کے کام دے سکتے ہیں''

(عوارف والمعارف)

8- طریقت کی ضرورت :-

مشائخ کا نقطہ نظر ہے کہ اگر دقت نظر سے کام لیں تو ہر چیز میں دو جز نظر آئیں گے ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہر کا علاج شریعت ہے اور باطن کا طریقت ہے علاج ظاہر کی طرح علاج باطن بھی از حد ضروری ہے کیونکہ اگر کسی مریض کو فسادِ خون کے باعث پھنسی پھوڑے نکل آئے ہوں تو زخم کے واسطے مرہم پٹی کی جائے گی یہ علاج اگرچہ فائدے سے خالی نہیں ہے لیکن ناکافی ہے فسادِ خون کے واسطے سہل ومصفیات کا استعمال ضروری ہے تاکہ اندرونی فائدہ ہو اور فاسد رفع ہو تاکہ پھوڑا پھنسی ظاہر ہی نہ ہو۔ بعینہٖ اگر صرف ظاہر کے علاج پر زور دیا گیا اور مکمل دارومدار صرف شریعت پہ رہا تو باطن کی کدورتیں ظاہر کی اصلاح میں رکاوٹ ثابت ہوں گی۔

☆ صاحبِ مقاماتِ تصوف اس ضمن میں فرماتے ہیں :

''اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ قرآن وسنت کی پابندی سے انسان اعلیٰ مراتب تک پہنچ سکتا ہے اور جس نے جو کچھ پایا انہی کی پابندی سے پایا۔ مگر گفتگو اس میں ہے کہ مقاماتِ عالیہ مثلاً اخلاص، زہد، تقویٰ، ورع، توکل، صبر، رضا اور تسلیم وغیرہ کی حقیقت نہ تو فقط تفسیر وحدیث پڑھ لینے سے حاصل ہوتی ہے اور نہ اوامر ونواہی کی رسمی پابندی سے۔ دور کیوں جاتے ہو، جن علماء شریعت نے کسی شیخِ کامل کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا اور ذکر ومجاہدہ کی منزلیں طے نہ کیں ان کو مذکورہ بالا مقامات میں امتحان کر کے دیکھ لو کہ آیات وحدیث میں تو بال کی کھال اتار کر دکھا دیں گے مگر روحانیت سے انہیں کچھ بھی علاقہ نہ ہوگا۔ غرور، نخوت، عجب، حرص، شہوت اور طلب جاہ میں اسی طرح مبتلا ہوں گے جس طرح دوسرے اہل دنیا ہوتے ہیں۔"

ضرورت تصوف سائنسی نقطہ نظر سے :-

اعتقادی اور سائنسی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو تصوف کی اہمیت مزید اجاگر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اسلامی اخلاق وتصوف میں ہے کہ :

''موجودہ دور سائنس کا دور ہے سائنسدان ایک نظریہ گھڑتے ہیں پھر اس کا رد یا قبول تجربے یا مشاہدے کی بنا پر ہوتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل جو تعلیم اسلام سے نابلد ہے تضاد کا شکار ہے وہ ایک طرف اپنے نامکمل عقائد کو دیکھتی ہے تو دوسری طرف سائنس پہ مکمل ایمان رکھتی ہے اس لئے اس کے عقیدے اور عمل میں بُعد ہے اسے یہ تعلیم ہی نہیں دی گئی کہ اسلام سائنس کی نفی تو کجا وہ خود سائنسی اصولوں کو بیان کرتا

ہے۔قرآن کا تمام تر اسلوب سائنسی ہے نیز تصوف وہ شعبہ ہے جو تجربہ ومشاہدہ کی مدد سے ایمان (عقائد) کی توثیق کرتا ہے۔تصوف ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جہاں پر صوفیا روحانی تجربات ومشاہدات کے ذریعے عقائد کو درست کرتے ہیں (بلکہ ان کا درست ثابت ہونا محسوس کرواتے ہیں مثلاً انسان خود اپنے تجربے کے پیش نظر کہہ اٹھتا ہے'' میں جانتا ہوں اللہ واحد لاشریک ہے'' پہلے اس کا عقیدہ یا ایمان تھا کہ '' میں مانتا ہوں اللہ ایک ہے'' (اسی طرح دیگر تمام عقائد بھی ثابت ہونے لگتے ہیں)

یہاں تصوف کی تجربہ گاہ میں تجربات ومشاہدات کا نام ریاضت ومجاہدہ ہے۔رموز تصوف حقائق کو عریاں کرتے ہیں۔مراقبہ واستغراق وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک استدلال وتعقل کی رسائی نہیں (کیونکہ عقل کا دائرہ صرف اس جہانِ فانی تک ہے اور یہ حواسِ خمسہ کی محتاج ہے اور آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل)

یہاں عقل واستدال کے مقابل الہام ہے،القاء ہے رویائے صادقہ ہیں اور مشاہدات ارضی وسماوی ہیں۔''مختصراً یہ کہ ایمان کی پختگی کے لئے تصوف کے ذریعے عقائد کی توثیق نہایت ضروری ہے۔''

9- مقاصد تصوف و سلوک :-

مشائخ سے منقول ہے کہ :

التصوف الخروج من کل خلق دنی والدخول فی کل خلق سُنَی	تصوف تمام اخلاقِ رزیلہ سے الگ ہونے اور تمام اخلاقِ فاصلہ سے متصف ہونے کو کہتے ہیں۔

یہ تصوف کا بنیادی مقصود ہے یعنی صحیح عقیدہ اور فرائض وسنن کی پابندی کے بعد حصولِ تصوف مندرجہ بالا مقاصد کے ضمن میں اشد ضروری ہے۔ان مقاصد کا حصول دو وجہ سے اہم ہے۔

1- معرفتِ الٰہی :-

اس لئے کہ :-

''تصوف کا موضوع'' ذات وصفاتِ الٰہی'' ہے اور اس کی غرض وغایت معرفت الٰہی ہے۔جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے''

(مقاماتِ تصوف)

☆ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں :

''معرفت خدائی بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عاشقوں کو رسول ﷺ سے حاصل ہوا''

(مجالستہ النبی)

2- تزکیہ نفس و صفائے قلب :-

''تصوف کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کہ نفس کا تزکیہ حاصل ہو (وہ تمام کدورتوں سے پاک ہوجائے) اور قلب کو اس کے سبب سے سفلی جذبات سے چھٹکارا مل جائے۔تاکہ وہ ماسوئ اللہ سے بے نیاز ہوجائے۔اور صوفیاء نفس سے مذموم اخلاق وافعال مراد لیتے ہیں''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

نیز یہی وہ واحد صورت ہے جس کے ذریعے سے شریعت ظاہری پہ بھی عمل کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اور کامل اطاعت واتباع رسولؐ ممکن ہے۔

☆ صاحبِ جامع الاصول نے اس سلسلہ میں ایک بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں

''قدیم زمانے سے یہ رسم چلی آ رہی ہے اور تجربہ بھی اس پہ شاہد ہے کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک وصاف ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور نماز کو حضورِ قلب اور خشوع سے ادا کرنا جس کو حدیث میں اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا (وہ حضورِ قلب وخشوع) شیخ کامل کی تربیت کے بغیر ممکن ہی نہیں، یعنی ظاہری شریعت پہ عمل کے لئے جس درجہ اخلاص اور خشوع وخضوع درکار ہے بنا باطنی قوت کے ممکن نہیں۔''

آ گے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ :

''کیونکہ شیخ ہی اندرونی امراض کا واقف اور ان کے علاج میں مہارت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ بات (قلبی کیفیات) فقط علم حاصل کر لینے اور تو دہ در تو دہ کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں ہوتیں کیونکہ نفس کی باریکیوں اور راہزنیوں سے اور اس کے خفیہ آثار سے خود فقہ وحدیث کے بڑے بڑے علماء بھی محفوظ نہیں ہیں۔''

امام شعرانی اپنی مشہور کتاب ''انوار قدسیہ'' میں لکھتے ہیں :

''اندرونی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے پس اس طریق کا حاصل کرنا بھی واجب ہوگا جس سے وہ دور ہوسکیں اور اس کے لئے بجز اتباعِ شیخ کامل اور کوئی طریق نہیں''۔

اور اتباعِ شیخ کامل دراصل حصولِ طریقت کا ہی تو ذریعہ ہے۔

خلاصہ :۔

مقاصدِ تصوف :۔

مشائخ تصوف نے نصابِ تصوف کو مندرجہ ذیل چھ مراحل میں تقسیم کیا ہے۔

1- تزکیہء نفس :-

حضرت سلطان باہو اس آیت سے نفس کی وضاحت فرماتے ہیں :

افر ایت من ا تخذ الھہ ھو اہ	اے پیغمبر تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے

تزکیہء نفس راہِ سلوک میں پہلا قدم ہے۔ اس منزل میں ذہن ودل کو تمام آلائشوں، کدورتوں سے پاک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ اخلاقِ رذیلہ مثلاً کذب، ریاکاری، منافقت، حسد، بغض، غیبت، کبر ونخوت عناد وغیرہ کا خاتمہ ہو اور ان کی جگہ عجز وانکسار خشوع وخضوع تواضع، صبر، شکر وغیرہ جیسے اوصافِ حمیدہ لے لیں۔''

صوفی کو اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے۔ حدیث پاک ہے :

المجاھد من جاھد نفسہٗ	اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے

2- صفائے قلب :-

☆ حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں :

''تاثیرِ تصورِ اسم اللہ سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور نفس کے تزکیہ سے تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔''

(مجالستہ النبی)

یعنی تزکیہء نفس کے اثرات سے دل کی کدورتیں دور ہو کر آئینہ قلب پہ لگا زنگ صاف ہو جاتا ہے۔ تزکیہ نفس سے صوفی قلب سلیم کا مالک بنتا ہے۔ جس کا تقاضا

قرآن کرتا ہے۔

یوم لا تنفع مال و لا بنون الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیمo	جس دن انسان کے نہ مال کام آئے گا اور نہ اولا دمگر جواللہ کے پاس قلبِ سلیم (پاک دل) لایا

☆ حضرت سلطان باہوفرماتے ہیں :

''حدیثِ پاک ہے کہ :

ان عینیی تنام و لا ینام قلبی	میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا

حضرت باہوتشریح فرماتے ہیں کہ :

''دل کے سونے سے مرادغفلت اور بیداری سے مراد یادِالٰہی سے معمور ہونا ہےصوفیاء کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ سوتے جاگتے ان کا دل ذکرِالٰہی میں مشغول رہتا ہے۔''

(مجالستہ النبی)

3- اطاعتِ الٰهی :-

جب دل کی اصلاح ہو جاتی ہےتو بمطابق حدیثِ پاک پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔پس پھر اطاعت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ جو تقاضائے ایمان ہے۔ کہ اسی سے ایمان کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے۔

اطاعتِ حق کے لئے اطاعتِ رسول شرط ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول	اللہ کی اطاعت کرواوراس کے رسول کی
من یطع الرسول فقد اطا ع اللہ	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

4- محبتِ الٰهی :-

اطاعتِ حق کےعروج وکمال کی کیفیت یہ ہے کہ صوفی کے رگ وپے میں یہ جذبہ جاگزیں ہو جائے۔اس کےقول وفعل میں نافرمانی کا شائبہ تک نہ رہےاورایسا صرف عشقِ الٰہی وعشقِ رسولؐ ہی کرا سکتا ہے۔

پس حکم ہورہا ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للہ	ایمان والےاللہ سےشدیدمحبت کرتے ہیں

محبتِ الٰہی میں محبتِ رسول بھی شامل ہے۔

فرمایا :

''تم میں سے کوئی شخص مومنِ کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''

☆ حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:-

''محبت الٰہی بندہ کے حق میں اور بندہ کی محبت اللہ کے ساتھ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ اللہ کے جو دوست ہیں انہیں اللہ بھی دوست

رکھتا ہے بلکہ دوستوں کے دوستوں کو بھی محبوب رکھتا ہے''

(کشف المحجوب)

5- رضائے الٰهی :-

قرآن کہتا ہے :

ورضوان من اللہ اکبر	اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے

رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کرنے والوں کو قرآن پسند فرماتا ہے۔

تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا (الفتح)	تو انہیں دیکھتا ہے کبھی رکوع و سجود میں ہیں ہر طرح سے اس کے فضل اور رضا مندی کے طلب گار ہیں

☆ حضرت سہل تستری فرماتے ہیں :

''محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت سے معانق (پیوستہ) رہے اور مخالف امور سے مجتنب ہو''

(یعنی اجتناب کرے)

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ :

''ایسا اس لئے ہے کہ جب دل میں دوستی کی قوت زیادہ ہوتی ہے تو دوست کا حکم آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ملحدین کا یہ قول ہے کہ بندہ دوستی میں اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اطاعت اسے معاف ہو جاتی ہے تو یہ غلط ہے اور خالص زندقہ ہے۔''

(کشف المحجوب)

6- معرفت الٰهی :-

ان تمام مراحل سے گزر کر صوفی کو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے اور ظلمات جہاں کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور وہ دنیا و مافیھا سے بے نیاز ہو کر صرف ذاتِ الٰہی کو ہر سو جلوہ گر پاتا ہے۔

☆ حضرت سُلطان باہوؒ فرماتے ہیں :

''عارف باللہ وہ ہے جو نفس کی گردن میں طاعت وعبادت کی زنجیر ڈال کر فنا فی اللہ کی قید میں رکھے اور نور ایمان سے روشن ضمیر ہو کر نفس پہ قادر ہو جائے۔''

(مجالستہ النبی)

☆ امام قشیری فرماتے ہیں :

''محققین کے نزدیک محبت اپنے کو لذت میں ہلاک کرنے کا نام ہے اور معرفت یہ ہے کہ حیرت کے عالم میں محبوب کا مشاہدہ ہو اور وہ ہیبت میں فنا ہو جائے۔''

(رسالہ قشیریہ)

غرض مقاصد تصوف کا حاصل یہ ہے کہ مومن ظاہر و باطن میں آراستہ و پیراستہ ہو جائے۔ اس لئے کہ :-

''وصول الی اللہ یعنی اللہ تک پہنچنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں اور اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوں، معاصی چھٹ جائیں، طاعت کی توفیق ہو اور غفلت جاتی رہے اور توجہ الی پیدا ہو جائے۔ اعتقادات درست ہوں اور اعمال صالح ہو جائیں''

(مقاماتِ تصوف)

10- حقیقتِ تصوف :-

حقیقت تصوف کے بیان میں بھی بہت سی تعریفات منقول ہیں اس لئے کہ کسی نے اس کی شرائط کو مدنظر رکھ کر تعریف کی اور کسی نے ارکان یا آداب ولوازمہ کو بطور تعریف ظاہر کر دیا۔ مگر مقصد سب کا ایک ہی ہے کہ معرفتِ باری تعالیٰ حاصل ہو۔ مثلاً حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ :

''اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ہستی سے فانی کر دے، اور اپنی ہستی سے تجھے زندہ کرے۔ اور تو غیر اللہ سے قطع نظر کرے''

یا فرمایا کہ :

''تصوف حقیقت میں ظاہر و باطن میں آدابِ شرعیہ کے ساتھ قائم ہونے کو کہتے ہیں اس طرح کہ ان کا اثر ظاہر سے باطن تک اور باطن سے ظاہر تک پہنچ جائے''

تصوف ایسی چیز ہے کہ جنہوں نے اس کی حقیقت کا انکار کر دیا وہ بھی بالآخر قائل ہو گئے۔ مثلاً

1- شیخ عزّ الدین محدث جو کہ کبار علماء میں سے تھے مشائخ کی محبت حاصل کرنے سے قبل نہایت تعصب اور اصرار کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ یہ گروہ صوفیاء کیسا بدعات پھیلانے والا گروہ ہے بھلا کتاب و سنت کی پیروی کے علاوہ بھی کوئی اور طریق حق ہو سکتا ہے۔ مگر ایک دفعہ مقام ''دمیاط'' (مصر میں) میں بڑے بڑے محدثین وفقہائے ساتھ شیخ تقی الدین کی مجلس میں آپ کو حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ مجلس میں امام قشیری کی کتاب کی بعض عبارات پہ گفتگو شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں شیخ ابوالحسن شاذلی بھی تشریف لے آئے۔ چونکہ آپ مشائخ وقت میں سے تھے اس لئے سب نے استدعا کی کہ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ بار بار اصرار پر بالآخر آپ نے ان مقامات (تصوف) کی ایسی تشریح فرمائی کہ شیخ عزّ الدین بلا اختیار پکار اٹھے کہ :

''سنو، سنو، یہ وہ کلام ہے جو ابھی ابھی حق تعالیٰ کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے اور یہ ایسا کلام ہے جس سے حقانیت کے انوار چمکتے ہیں''۔

2- اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ بھی شروع شروع میں اپنے بیٹے کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ بیٹا دیکھنا ان لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھنا جنہیں صوفیاء کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ شریعت کے احکام سے بے خبر ہوتے ہیں پس تم سوائے علم حدیث کے اور کسی کام میں نہ لگنا'' (آپ بھی شیخ عزّ الدین کی طرح جلیل القدر محدث تھے)

مگر جب آپ خود حضرت ابوحمزہ بغدادی سے ان کی مجلس میں جا کر دقائق شریعت (شریعت کے دقیق احکام کا علم) حاصل کرنے لگے تب آپ کی آنکھیں کھلیں اور پھر بیٹے کو نصیحت فرماتے کہ دیکھنا صوفیا سے بدظنی نہ کرنا اور کبھی ان کی صحبت سے غافل نہ رہنا کیونکہ یہ ان اسرار و معارف کے خزانوں پر اطلاع دیتے ہیں کہ جس سے ہم لوگ بے بہرہ ہیں یہ لوگ حقیقی علوم وخشیت اور زہد و اخلاص کے مالک ہیں جنہیں علماء فقہ وحدیث سینکڑوں دفتروں سے بھی حاصل نہیں کر سکے''

11- مسائل تصوف کا استنباط :-

استنباط کے معنی ہیں ''اخذ کرنا'' یعنی تعلیمات واحکاماتِ دین سے تفصیلی مسائل اخذ کرنا۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت بہت ہی خوبصورت اور جامع الفاظ میں فرماتے ہیں کہ :

''بلاشبہ دینِ متین الفاظ کی شکل میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا۔ مگر ان الفاظ میں حقیقی معنی بتانے والی جماعت بھی ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسل چلتی آئی۔ الفاظِ دین کے جو معنی ان حضرات نے سمجھے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے رہے۔ یہی تعامل توارث جو دین کی روح ہے اس پر حقیقی اعتماد ہی

اصل دین ہے اور یہی دین ایک طرف چار فقہی مذاہب اور دوسری طرح چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا ہے اہلِ سنت و الجماعت کا مدار نبوت کے انہی دو پہلوؤں پر ہے۔''

(دلائل السلوک)

یعنی یہ وہ صورت ہے جس کے ذریعے دین ایک نسل سے دوسری کو نہ صرف منتقل ہوا بلکہ اس میں مزید تفصیل اور جدت آتی گئی۔ اس پر اعتماد ہی اصل دین ہے۔

تنبیھہ :-

یہاں پر یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ جدت سے مراد بدعت ہے بلکہ اصل ذریعہ ہدایت قرآن و سنت ہی ہیں ان میں ہی تعامل سے متعدد اور مختلف پہلوؤں میں روشنی حاصل کی گئی ہے۔ اس بات کو یوں سمجھا جائے کہ نئے پہلو دریافت کئے گئے ایجاد نہیں۔ اس لئے کہ ہر زمانے میں نت نئے مسائل تو پیدا ہوتے ہی رہے ہیں اور آگے بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور دینِ اسلام کا یہ خاصا ہے کہ اس میں قیامت تک آنے والے ہر زمانے کے لئے ہدایت موجود ہے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ دین میں تعامل کا مجاز ہر کوئی نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :

''اگر الفاظ کو معانی پہنانے کے سلسلے میں آزادی ہو تو وہ دین نہیں نفس پرستی ہوگی اس لئے جہاں تک منقول دین کے الفاظ کے معنی سمجھنے کا تعلق ہے تو اس کا انحصار تعاملِ امت اور عُرف پر ہوگا۔''

(دلائل السلوک)

اعتماد :-

☆ فیض الباری میں ہے کہ :

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث اور وہ صورت جو آئمہ نے اختیار کی ہے۔ کیونکہ وہی دین کے ہادی اور نشان ہیں۔ ہمیں دین تو انہی کے ذریعے پہنچا۔ ہم اس بارے انہیں پہ اعتماد کرتے ہیں۔ ہم ان کے متعلق سوئے ظن سے بچتے ہیں۔''

استنباطِ مسائل کا طریقه:

شیخ ابونصر سراج (المتوفی 378ھ) بہت ہی صراحت کے ساتھ قرآن و سنت سے استنباط کا طریقہ اور کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ اصل عبارت عربی میں ہے اس لئے حضرت شیخ المکرّم نے اس کا جو ترجمہ کر کے دیا وہ یہاں پہ شامل کیا جا رہا ہے۔

مصنف موصوف فرماتے ہیں کہ :

''استنباط یہ ہے کہ اہلِ فہم اور محققین کتاب اللہ عزوجل کے مطابق ظاہراً و باطناً اور رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق ظاہراً و باطناً استنباط کریں۔ اور پھر اس کے ظاہر و باطن پہ عمل کریں پھر جب وہ اس پہ عمل کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں وہ علوم بھی ڈال دیئے ہیں جو وہ اس سے پیشتر نہیں جانتے جیسے علم اشارا اور علمِ مواریث الاعمال۔ یہ وہ علوم ہیں جو اللہ اصفیاء کے قلوب پر منکشف فرماتا ہے۔ از قسم معانی اور لطائف و اسرار کے عجیب و غریب خزانے اور احکام کی مختلف جہتیں (جو پائی جاتی ہیں) قرآن و حدیث کے مفاہیم میں اور ان کے احوال اور اوقات کے مطابق ان کے اذکار میں جلا پیدا فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

افلا یتد برون القران ام علی قلوب اقفالھا	کیا وہ قرآن میں تدبیر نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پہ تالے لگے ہوئے ہیں

اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

''جس کے پاس جو علم ہے اس پہ عمل کرے تو اللہ وہ علوم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا''

اور یہی وہ مذکورہ علوم ہیں اور اہل علم کے متعلق باتیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ ''اقفال القلوب'' کیا ہے؟

یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو دل سے سمجھنے کی کیفیت ختم کر دیتی ہے۔ گناہ کی کثرت، لالچ، دنیا کی محبت، طویل غفلت اور حرص اور کام چوری کی شدت اور اپنی تعریف کی محبت یہ وہ چیزیں ہیں جو غفلت کے اثرات اور نیکی کی مخالفت اور بد دیانتی وغیرہ پر مرتب ہوتی ہیں۔ اور اگر اللہ سچی توبہ اور حقیقی ندامت کو قبول فرمالے تو ان چیزوں کو ہٹانے پر بھی قادر ہے بلکہ دلوں سے تالے کھول کر انہیں عجیب وغریب علوم جو دوسروں کے علم میں نہیں ہوتے اور حقائق وافکار کی تعبیر عطا فرما دیتا ہے۔ ان کی زبان جس کی ترجمان بن جاتی ہے اور عجیب وغریب باتیں ان کی زبان پر آتی ہیں اور ان کے طالب اور مرید اور دوسروں تک پہنچانے والے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں جو یہ جواہرات حاصل کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو ان سے مزین کرتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں۔''

(کتاب اللمع)

استنباط سے متعلق اقوال:

1- حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں :

''ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے قرآن میں اتباع سنتِ نبوی کا حکم صاف الفاظ میں آیا ہے۔''

وان تطیعوا تھتدوا (اگر تم اطاعتِ رسول کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے)۔

2- ابوعثمان سید الخیری کا مقولہ ہے :

''جو شخص سنت نبوی کو قولاً وفعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے اس کی بات ہمیشہ سے حکمت سے لبریز نکلے گی۔''

3- سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں :

''جس وجد کی شہادت کتاب اللہ اور سنتِ رسول نہ دیں وہ باطل ہے۔''

4- اسی کے قریب قریب قول ابوعثمان دارانی کا ہے۔

5- حضرت بایزید بسطامی نے اللہ سے دعا کرنی چاہی کہ گرسنگی اور شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہیں کہ معاً انہیں یہ خیال آ گیا کہ حضور ﷺ نے اپنے لئے ایسی دعا نہیں کی تو میں کیونکر کر سکتا ہوں یہ خیال کر کے وہ اس دعا سے باز رہے۔ اس احترام رتبہء رسالت کا صلہ انہیں یہ ملا کہ عورت کی خواہش ہی ان کے دل سے جاتی رہی۔''

6- حضرت ماجد دریابادی فرماتے ہیں :

''مسائلِ تصوف، مسائلِ فقہ کی طرح تمام تر کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ ہی سے مستنبط وماخوذ ہیں۔''

7- اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :

''حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے کلیات کے علاوہ جزئیات تک نصوصِ قرآنی سے اور آثار سے مؤید ہیں۔''

آثارِ صحابہ :-

ابونصر سراج، کتاب اللمع میں اس بات کی بھی تصدیق فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے علاوہ آثارِ صحابہ یعنی صحابہ کے حالات اور اقوال سے بھی تصوف کی تعلیمات

ملتی ہیں۔ بلکہ اسوۂ رسول ﷺ کے معنی حضراتِ صوفیہ کے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان اسوۂ صحابہ ہے۔اس موضوع پہ مصنف شیخ نے الگ سے باب باندھا ہے۔ اور مثالوں سے وضاحت فرمائی ہے۔

مثلاً یہ کہ :

1- حضرت صدیق اکبرؓ کی سب سے بڑی خصوصیات الہام وفراست تھیں۔

2- حضرت عمر فاروقؓ کی نمایاں خصوصیات ترکِ شہوات ، اجتنابِ شبہات اور تمسک بالحق تھیں۔

3- حضرت عثمانؓ کی اہم خصوصیات تمکین ، ثبات ، و استقامت تھیں۔

4- حضرت علی اکثر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے۔ یہ وہی علم لدنی ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا تھا۔ وعلمنہٗ من لدنا علماً.

مصنف موصوف خلفائے اربعہ پہ تفصیلی بات کرنے کے بعد اصحابِ صفہ کی زندگی کا ایک ایک جز طالبانِ طریقت کے لئے درسِ ہدایت قرار دے کر تفصیلاً بیان فرماتے ہیں۔آخری فصل میں عام صحابہ کی زندگی پر تصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیہ کے لئے بطور شمع ہدایت پیش کیا گیا ہے۔

اجتهادِ صوفی کی دینی حیثیت اور صوفی و فقیهه کے اجتهاد میں فرق :-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :-

''صوفیا فن طریقت میں علمِ تصوف کے احکام باطنیہ کے مجتہد ہیں۔ظنی طور پر احکام باطنی کا اسی طرح استخراج کرتے ہیں۔صوفیاء میں فقہا سے ایک قوت زائد ہوتی ہے کہ وہ صاحب کشف والہام ہوتے ہیں اور فقہا محض ذاتی رائے سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔لیکن جس طرح قیاس ورائے کی صحت کا معیار یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اسی طرح کشف والہام کی صحت کا معیار بھی یہی ہے۔بہر حال اس کی فوقیت مسلم ہے۔اس کے باوجود میں ذاتی طور پر فقہا کے اجتہاد کو صوفیہ کے کشف والہام پہ مقدم سمجھتا ہوں کیونکہ تمام صوفیا ہمیشہ فقہا مجتہدین کے مقلدر ہے ہیں پس فقیہ کے اجتہاد کا مقدم ہونا ثابت ہو گیا''

(دلائل السلوک)

12- اصطلاحاتِ تصوف :-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''ہم بلا خوفِ تردید کہتے ہیں کہ صوفیا کے مختلف اور سلسلے جن میں اشغال واعمال اور ان کے نتائج وثمرات کا ذکر ہے ان کے کلیات اور جزئیات تک کی تائید نصوص وآثار اور روایات سے ہوتی ہے۔''

(دلائل السلوک)

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں بہت سی روایات اور حوالہ جات بیان فرماتے ہیں نیز منازلِ سلوک اور مناصب اولیاء پر ''دلائل اسلوک'' میں آپؒ نے پورا پورا باب قلمبند فرمایا ہے۔مختصراً استفادہ پیش ہے۔

مختلف اصطلاحات کی تشریح :-

فیض الباری میں مختلف اصطلاحات کی مختصر تشریح اس طرح بیان ہوئی ہے کہ :

1- **شریعت** :-

''جواوامر ونواہی، وعدہ اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں اسے شریعت کہتے ہیں''

2- طریقت :-

''مندرجہ بالا پہ عمل پیرا ہونا (حتیٰ کہ ان کے) اس کے رنگ میں رنگا جانا طریقت کہلاتا ہے۔''

3- احسان :-

''احسان کا لفظ تمام نیکیوں پر مشتمل ہے خواہ اذکار ہوں یا اشغالِ صوفیہ''

4- اذکار :-

''اذکار کا اطلاق اورادِ مسنونہ پر ہوتا ہے۔''

5- اشغال :-

''مشائخ صوفیہ نے جو ضربوں اور کیفیتوں کا ذکر کیا ہے انہیں اشغال کہتے ہیں۔''

6- نسبت :-

''اصطلاحِ صوفیہ میں ایک خاص قسم کے ربط کو نسبت کہتے ہیں جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط حاصل ہو جائے اسے صاحبِ نسبت کہتے ہیں۔''

7- سلاسل تصوف :-

یہ نسبت جب سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک چلی جاتی ہے تو ایک پورا سلسلہ وجود میں آتا ہے۔ مثلاً

''تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی'' پھر مصنف کہتے ہیں کہ'' سلسلہ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آ رہا ہے۔''

(فیض الباری)

نوٹ :- آگے دلائل السلوک سے چند دیگر اصطلاحات کی تشریح کے لئے استفادہ کیا جاتا ہے۔

8- ذکر مطلق :-

یعنی ''ذکرِ الٰہی کرنا'' یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ فرض نماز، تلاوت، تسبیح اور نوافل غرض ذکر اذکار کی تمام صورتیں اسی ذکر کے افراد ہو سکتے ہیں خود یہ ذکر نہیں یہ ان سے علیحدہ ایک ذکر ہے۔ (اس لئے کہ) صرف اس کے لئے قرآن کثرت کی قید لگاتا ہے (مثلاً واذکرو اللہ ذکراً کثیراً) باقی یہ کیفیت وکمیت کے اعتبار سے مطلق ہے۔ یعنی اس کے لئے نہ مخصوص حالت کی قید ہے نہ انفرادی واجتماعی کی۔ نیز نہ ہی اس کے لئے وقت اور مقدار مقرر ہے۔ صوفیاء میں یہ ذکر مروّجہ ضربات وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔

9- ذکر قلبی یا خفی :-

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں :

''ذکر لسانی جہری باتفاقِ علماء بدعت ہے۔ اس پہ علما کا اجماع ہے ہاں مقاماتِ ضرورت اس سے خارج ہیں (مثلاً اذان، تکبیر، خطبہ وغیرہ)۔ ذکر خفی قلب اور روح کے ساتھ ذکر ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں زبان کو کوئی دخل نہیں اور جسے کاتبین بھی نہیں سن سکتے۔ امام ابویعلی

حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس ذکر خفی کو ملائکہ کاتبین سن نہیں سکتے اسے غیر ذکر خفی پر ستر گنا فضیلت حاصل ہے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کے لئے جمع کرے گا اور کاتبین اپنی تحریریں پیش کریں گے تو اللہ فرمائے گا دیکھو اس کی کوئی نیکی رہ تو نہیں گئی وہ عرض کریں گے ہمیں جو معلوم ہوا وہ لکھ لیا۔ پھر اللہ فرمائے گا اس کی ایک نیکی ایسی ہے جو تم نہیں جانتے وہ ذکرِ خفی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذکرِ خفی نہ منقطع ہوتا ہے نہ اس میں فتور آتا ہے۔''

(تفسیر مظہری)

قرآن میں ہے۔

اذکر ربک فی نفسک	اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرو گویا اپنے دل میں

10- ذکر پاس انفاس :-

یہ ذکر قلبی کی عملی صورت ہے۔ جو صوفیاء میں رائج ہے۔ پاسِ انفاس یعنی اپنی سانس کی نگرانی کرنا۔ گویا اللہ کا ذکر اس طرح سے کرنا کہ ہر دھڑکن میں اس کا نام ہو۔

اعلیٰ حضرت ذکر پاسِ انفاس پہ دلائل قائم فرماتے ہیں۔

1- حضرت جابرؓ سے اہلِ جنت کے متعلق روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :

''اہلِ جنت پہ تسبیح وتہلیل انعام کی جائے گی جیسے سانس لینا تمہاری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔'' (مشکواۃ شریف)

فرمایا :-

''صوفیہ کے ذکر پاسِ انفاس میں یہی حالت ہوتی ہے جو اہلِ جنت کی بیان ہوئی ہے یہی حدیث سانس سے ذکر کرنے کی اصل اور اس کا ثبوت ہے۔''

2- حدیث جبرئیل :-

حضور ﷺ نے فرمایا کہ :-

''جبرئیل نے مجھے اتنا بھینچا کہ میں نے اسے موت خیال کیا'' یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب سانس رک جائے دم گھٹنے لگے۔ یہی حبسِ دم کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب انوارات وتجلیاتِ باری کی کثرت ہوتی ہے تو اس وقت ذاکر پر دباؤ پڑتا اور سانس رُکنے لگتی ہے۔''

(دلائل السلوک)

11- لطائف :-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں

''صوفیا کرام بدنِ انسانی کو دس اجزاء سے مرکب مانتے ہیں۔''

1- عناصر اربعہ :-

یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا۔ یہ مادی ہیں۔

2- نفس :-

ان چاروں عناصر کے ملاپ سے ظہور میں آتا ہے۔

3- پانچ لطائف :-

یعنی پانچ لطائفِ روح ۔لطیفہ یا لطائف اس مقام کو کہتے ہیں جو روح کے قوت کے مراکز ہیں جس طرح بدن میں اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں اسی طرح روح میں لطائف ہوتے ہیں جو یہ ہیں :-

''قلب ،روح ،سری ،خفی اور اخفا۔ یہ غیر مادی ہیں''

(دلائل السلوک)

(ان لطائف کی تعلیم مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں بھی پائی جاتی ہے)۔

لطائف کے بارے میں اختلاف :-

لطائف کی تعداد سے متعلق صوفیا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض کے نزدیک لطائف کی تعداد گیارہ ہے تو بعض صرف ایک لطیفہ قلب کو مانتے ہیں کہ باقی لطائف اس کے اوصاف ہیں ۔لیکن اعلیٰ حضرت دلائل سے تمام ابہام کو رد کرتے ہوئے ثابت فرماتے ہیں کہ لطائف فقط پانچ ہی ہیں البتہ تغلیباً ان لطائف میں نفس کو شامل کیا جاتا ہے اور سلطان الاذکار لطیفہ نہیں بلکہ ایک طریقہ ذکر ہے جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سارے بدن سے بلکہ ہر بن مُو سے ذکر جاری ہے ۔تو بہر حال لطائف پانچ ہی ہیں ۔

(دلائل السلوک)

لطائف کے مقامات :-

مقامات کی تخصیص کی تائید حدیثِ ابی مخدورہ سے ہوتی ہے ۔

''پھر حضور ﷺ نے ابومحذورہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو اس کے چہرے پر لے گئے ۔پھر سینے پر (ایک جگہ یہ بھی ہے کہ) پھر اس کے جگر پر پھر آپ ﷺ کا ہاتھ اس کی ناف تک پہنچا۔پھر حضور ﷺ نے دعا دی اللہ تجھے برکت دے ۔''

(فائدہ:- حضور ﷺ نے خواہ اتفاق سے ہاتھ پھیرا ہو خواہ کسی غرض سے ۔لیکن ان مقامات کا متبرک ہونا تو ثابت ہو گیا ۔اور یہی مقصود ہے)

(دلائل السلوک)

نوٹ :-

''سلسلہ عالیہ میں پانچوں لطائف سینے پر ہیں ۔ سینے پہ بائیں ہاتھ دل کے مقام پر لطیفہ قلب ہے ۔ جو دل کے اندر واقع ہے اس کے بالمقابل سینے پر دوسرا لطیفہ ہے ۔پھر قلب کے اوپر سینے پہ تیسرا اور تیسرے کے بالمقابل چوتھا لطیفہ ہے ۔جبکہ پانچویں لطیفے کا مقام سینے کے وسط میں ہے جہاں پسلیاں آپس میں جڑتی ہیں ۔''

باقی دونوں لطائف جو تغلیباً لطائف کہلاتے ہیں ان میں سے نفس کا مقام پیشانی کا وسط اور سلطان الاذکار کا پورا جسم ہے سر کی چوٹی سے پیر کے ناخن تک ۔

12- منازلِ تصوف :-

چونکہ انسان دو چیزوں یعنی جسم اور روح پہ مشتمل ہے ۔

1- جسم :-

جسم ،مادی عناصر سے مرکب ہو کر وجود میں آیا ۔اس لئے یہ مادی ہے ۔ پھر اسے جس جہان میں بھیجا گیا وہ بھی مادی ہے ۔ جب تک زندہ ہے جہانِ مادی میں وجود عنصری کے ساتھ رہے گا ۔''لیکن دوسری وہ شے جسے روح کہا گیا ہے وہ کیا ہے؟

2- روح :-

ابن قیم، کتاب الروح میں فرماتے ہیں :

''کتاب وسنت، اجماعِ صحابہ اور عقلی دلائل اس پہ دلیل ہیں کہ روح ایک جسم ہے۔ جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے وہ جسم نورانی، ملوی، ہلکا، زندہ اور متحرک ہے۔ جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے۔''

گو روح کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے مطابق اس کی تعریف یہی ہے۔ نیز قرآن اس کے جسم عنصری کے مخالف ہونے پہ گواہ ہے۔

فاذا سویته ونفخت فیه من روحی (الحجر)	پس جب میں (بدنِ آدم کو) پورا بنا چکوں گا اور اس میں اپنی روح پھونکوں گا

المختصر یہ کہ روح کا تعلق اس مادی جہان سے نہیں جسے عالمِ خلق کہتے ہیں اور جس کی تخلیق مادے سے ہوئی ہے بلکہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے اور اس کی تخلیق امرِ کن سے ہوئی۔ گویا اس کا تعلق اُس جہان سے ہے جو صرف اللہ کے ایک حکم سے وجود میں آیا۔ اس میں مادی عناصر کا استعمال نہ ہوا۔ اللہ نے کہا کُن ہو جا فَیَکُون پس وہ ہو گیا۔ (القرآن)

پس جب ہم ذکرِ روحانی (جسے عرفِ عام میں ذکرِ خفی یا قلبی کہتے ہیں) کرتے ہیں تو روح میں قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے جہان یعنی عالمِ امر کی طرف سفر کرنے لگتی ہے اُس کے اس سفر میں جو پڑاؤ آتے ہیں انہیں ہم ''منازلِ سلوک'' کہتے ہیں۔

نوٹ :- منازلِ سلوک کیا کیا ہیں؟ کیسے طے ہوتے ہیں؟ یہ بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔ دلائل السلوک سے رجوع کیا جائے۔

13- مناصبِ اولیاء :-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :-

''ابدال، قطب، غوث، قیوم وغیرہ اولیاء اللہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ بلکہ غوث اور قیوم کی اصطلاحات تمام کتبِ نظامیہ میں موجود ہیں اور بڑے بڑے موحدوں نے اپنی ذاتی تحریروں میں یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں جن میں مولانا حسین علی، شاہ ولی اللہ، شاہ اسمٰعیل شہید، امام ربانی مجدد الف ثانی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی جیسے اکابرین نے اپنی کتب میں یہ نام ومناصب ذکر فرمائے ہیں۔''

''صوفیاء کی بعض اصطلاحات تو اصل خود قرآن وحدیث میں موجود ہیں مثلاً ابرار، اخیار، نقباء وغیرہ اور علامہ سیوطی نے ان اصطلاحات پہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔''

علامہ سیوطی بہت سی احادیث بیان فرماتے ہیں

مثلاً

''خطیب نے بذریعہ ابوبکر بن ابی شیبہ حدیث بیان کی کہ میں نے کنانی سے سنا کہ نقبا تین سو ہیں، نجباء ستر ہیں، ابدال چالیس، اخیار سات، قطب چار اور غوث ایک ہے۔''

الحدیث :-

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

''چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی ان کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جائے گی تمہیں رزق دیا جائے گا''

مناصبِ اولیاء کے متعلق غلط رویہ :-

اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا :-

''ابدال، قطب، غوث یا قیوم وغیرہ کے متعلق بزرگانِ دین اور صوفیہ کرام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت، متصرف، مختار، نافع وضار، عالم الغیب، حاضر و ناظر یا مسجودِ خلائق ہستیاں ہیں جن کو غائبانہ دادرسی کے لئے پکارنا جائز ہو۔ بعض اہلِ بدعت نے ان سے غلط مفہوم لیا ہے خود گمراہ ہوئے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کیا ہے۔ گویا دونوں گروہ افراط وتفریط کا شکار ہوئے''

ایک اہم نقطہ :-

منازلِ سلوک طے کرنا اور چیز ہے اور صاحبِ منصب ہونا دوسری چیز ہے۔ ہر صاحبِ منصب منازلِ سلوک کا حامل ضرور ہوگا لیکن ہر صاحبِ منازلِ سلوک کے لئے صاحبِ منصب ہونا ضروری نہیں۔

فرق :-

صاحبِ منصب ہونا اور کسی کا حاملِ منازل سلوک ہونا ایسے ہی ہے جیسے دو لوگوں نے ایک شعبے میں تعلیم حاصل کی۔ ہر دو میں سے کسی کا علم کم یا زیادہ تو ہوسکتا ہے لیکن دونوں ایک ہی شعبے میں صاحبِ علم اور ماہر ہیں۔ اُن میں سے ایک کو اس شعبے میں اچھی سی پوسٹ مل جائے یعنی کوئی منصب مل جائے۔ اب یہ منصب عطا کرنے والے پہ ہے کس کو کس پہ فوقیت دیتا ہے اور کس بنا پہ۔ اور عطا کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔

مناصبِ اولیاء کا مرتبہ و حیثیت :-

شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''صاحبِ مناصبِ اولیاء وہ انسانی ارواح ہوتی ہیں جن کے ساتھ بعض امورِ دنیا متعلق کر دیئے جاتے ہیں اب صاحبِ منصب کو خود علم ہو یا نہ ہو اس کے وجود کے ساتھ جو چیزیں یا امور وابستہ کر دیئے جاتے ہیں وہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں''

تکوینی امور میں ان اصحاب کے اختیارات کی حکمت :-

یعنی ایسا کیوں ہے کہ دنیاوی امور کو اولیاءاللہ کے مناصب کے ساتھ جوڑ دیا گیا جیسے پہلے ایک حدیث پاک گزری ہے کہ :-

''ان کی وجہ سے تم پر بارش برستی ہے اور ان کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے۔ اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی۔''

شیخ المکرّم اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ :

صاحبِ مناصبِ اولیاء کے وجود کے ساتھ امورِ دنیا کو وابستہ کر دینا محض ایک سنت اللہ کو پورا کرنا ہے۔ کہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر حرکت کے پیچھے ایک محرک ایک سبب ہوتا ہے۔ اب سبب کو اختیار کرنا (کہ وہ کون سا سبب اختیار کرتا ہے) خود اس مسبب الاسباب کا کام ہے غوث یا قطب بھی خود با اختیار نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے یا کرائے بلکہ اس کا تصرف بھی اسی قدر ہے کہ اللہ کریم اس کی ذات کو بطور سبب استعمال فرماتے ہوئے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کے منصب سے وابستہ کام اس کے جانے بغیر بھی انجام پاتے رہتے ہیں کہ ان کا انجام دینا اللہ کا اپنا کام ہوتا ہے۔ ان کی روحانی استعداد پہ ان کو جو منصب عطا ہوتا ہے اس منصب کی برکت سے امورِ دنیا انجام پاتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات اگر بظاہر ان کی دعا یا توجہ سے کوئی کام ہو جائے مثلاً بارش ہونا، رزق میں فراخی ہونا، اولاد ہونا یا صحت مند ہو جانا وغیرہ وغیرہ تب یہ بات اٹل ہے کہ ایسا نہیں ہوا کہ ان کی دعا نے تقدیر کا دھارا بدل دیا بلکہ ان کی دعا اُسی تقدیر کا ایک حصہ ہے یعنی مقدر میں پہلے ہی یہی تھا کہ فلاں دعا کرے گا اور مقصود حاصل

ہو جائے گا۔

مثال :۔ مناصبِ اولیاء کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ سورج زمین پہ طلوع ہوتا ہے۔اب اس کے سبب سے دنیا کے کتنے ہی کام ہوتے ہیں۔زمین پہ حرارت اور روشنی کا وجود اُسی کے دم سے ہے۔پھر اس حرارت سے اور روشنی سے کتنے کام ہوتے ہیں، پانی بھاپ بنتا ہے پھر برستا ہے تو زمین سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے فصل اُگتے ہیں پھر یہی حرارت اس فصل کو پکاتی ہے۔اتنے بڑے بڑے کاموں سے لے کر ایک چیونٹی کے انڈے سینکنے تک جیسے کام اسی کے دم سے ہوتے ہیں۔لیکن کیا سورج کو علم ہے کہ اُس کے دم سے کہاں کہاں کیا کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔یا کیا وہ ان سب کاموں کو انجام دینے کے لئے طلوع ہوتا ہے تو ہرگز نہیں۔وہ تو خود نہ اپنی مرضی سے طلوع ہوتا ہے نہ غروب۔سب کچھ کرنے والی ذات صرف اللہ کریم کی ہے۔اور سبب اختیار کرنا اُس کی سنت ہے۔

نوٹ:۔ مناصبِ اولیاء کیا کیا ہیں؟۔کتنے مدارج ہیں؟ کونسا کس کے بعد آتا ہے اور اس کے دائرہ کار میں کیا کچھ ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ یہ سب بیان کرنے کا یہاں محل نہیں ہے اس کے لئے دلائل السلوک، کنز الطالبین یا خطاباتِ شیخ المکرم سے رجوع کیا جائے۔

14- سلاسلِ تصوف :-

1- سلاسلِ تصوف کس طرح وجود میں آئے؟

اعلیٰ حضرت بہت جامع انداز میں اس بہت بڑے سوال کا مختصر انداز میں جواب ارشاد فرماتے ہیں گویا کہ خلاصہ فرما دیا ہے۔اس سے یہاں استفادہ کرتے ہیں۔اس وسیع کائنات میں اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور اسے خلافتِ ارضی سونپ دی۔

ولقد کرمنا بنی ادم	اور ہم نے بنی آدم کو شرف و بزرگی عطا کی

پھر بے شمار نعمتوں سے نوازا جن میں ایک انبیاء کے ذریعے ہدایت کا سامان ہے اور پھر حضور ﷺ کی بعثت کے ساتھ اعلان فرمادیا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم و التممت علیکم نعمتی	آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا۔

اور حضور ﷺ کی تعلیمات کو دائمی قرار دے دیا۔جو تلاوتِ آیات، تزکیہ اور کتاب وحکمت کی تعلیم پہ مشتمل ہیں۔آپ ﷺ نے تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا تزکیہء باطن بھی فرمایا۔آپ ﷺ کے بعد یہی سلسلہ آپ ﷺ کے صحابہ کے ذریعے آگے منتقل ہوتا چلا آیا۔اول اول تو یہ صورت تھی کہ جو صحابی یا تابعی جہاں پہنچا وہ ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس نے معاشرے کی تربیت شروع کر دی۔بعد میں مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق جب دین منظم و مدوّن ہوا تو تدوینِ حدیث وفقہ کی طرح تزکیہ وتربیت کے پہلو کی تدوین بھی منظم صورت میں عمل میں آئی۔''

(دلائل السلوک)

پھر جس طرح مختلف مکاتبِ فقہ وجود میں آئے اسی طرح مختلف سلاسلِ تصوف بھی رائج ہو کر مقبول ہوئے۔تحقیق کی گئی اور اصلاحات وضع کی گئیں۔

2- اختلاف فی السلاسلِ تصوف :۔

سلاسلِ تصوف کے متعدد اور مختلف ہونے میں بھی وہی حکمت کارفرما ہے جو مسالکِ فقہ کے متعدد ہونے میں ہے۔گویا بنیاد بھی سب کی ایک ہے یعنی کتاب وسنتِ رسول ﷺ اور منتہیٰ بھی ایک ہے یعنی حصولِ رضائے الٰہی اور اتباعِ رسالت۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :

''تمام سلسلوں میں تربیتِ روحانی کا بنیادی اصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی کی کثرت البتہ ذکر الٰہی کے طریقوں میں ہر صاحبِ سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا۔اس طرح طریقہء کار میں جزوی اختلاف ہے اور یہ اختلاف اسی قدر ہے جس طرح ایک ماہر طبیب

ایک ہی دوا مختلف مزاج کے مریضوں کو مختلف صورتوں میں دیا کرتا ہے۔''

☆ حضرت ابو یزید فرماتے ہیں :

اختلاف الامة رحمة الافی تجرید التوحید	علما کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید توحید میں سب کا اتفاق ضروری ہے۔

اسی مضمون کی ایک مشہور حدیث بھی پائی جاتی ہے۔ جسکا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ''اختلاف میری امت کے لئے باعث رحمت ہے''

☆ حضرت علی ہجویری اس ضمن میں فرماتے ہیں :

''یہ اختلاف عمل فی المجاہدہ اور ریاضتِ تصوف میں ہے اور روایاتِ شیخ میں تو درحقیقت سبھی متفق ہیں ہاں از روئے مجاز مختلف ہیں''
(کشف المحجوب)

☆ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:۔

''تمام سلاسلِ تصوف برحق ہیں لیکن میں تصوف کے نام پر بدعات وخرافات کی بات نہیں کر رہا۔ ہاں جس طرح ہمارے ہاں چار سلاسل مشہور ہیں۔''

3- مشہور سلاسلِ تصوف :۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش اپنی کتاب میں بارہ سلاسلِ تصوف کے نام اور اُن کے احوال درج فرماتے ہیں۔ ان کے نام یہاں شامل کئے جاتے ہیں۔

(1) محاسبیہ　(2) قصاریہ
(3) طیفوریہ　(4) جنیدیہ
(5) نوریہ　(6) سہیلیہ
(7) حکمیہ　(8) خرازیہ
(9) حفیفیہ　(10) ساریہ
(11) حلولیہ (دمشقیہ)　(12) حلولیہ (فارسیہ)

ان تمام سلاسل سے متعلق مصنف کی مجموعی رائے یہ ہے کہ :

''صوفیائے کرام کے بارہ فرقے ہیں جن میں دو فرقے مردود و کافر ہیں (یعنی حلولیہ دمشقیہ اور حلولیہ فارسیہ) اور دس مقبول ہیں۔ یہ دس فرقے اعمال وطریقہ میں نیک ہیں اور مجاہدہ و ریاضت میں ان کے آداب لطیف ہیں۔ مشاہدہ میں قوی الحال ہیں۔ اگر چہ ان کے مجاہدہ و ریاضتوں کے طریقوں میں اختلاف ہے مگر اصول وفروعِ شرع میں اور عقیدۂ توحید میں سب سے متفق ہیں'' (کشف المحجوب)

چودہ خانوادے :- شاہ ولی اللہ کے مطابق :۔

''صوفیا کے چودہ خانوادے مشہور ہیں ان میں سے نو خانوادوں کو ''نو قادر'' اور پانچ خانوادوں کو ''پنج چشت'' کہتے ہیں یہ کل ملا کر چودہ ہوئے۔''

فروعات :-

ان چودہ خانوادوں سے برصغیر پاک وہند میں بے شمار سلاسل وجود میں آئے جن کی حیثیت فروعات کی ہے۔ یعنی ان چودہ کی مختلف شاخیں وجود میں آئیں جن میں

سے اڑتالیس (48) کے نام ملتے ہیں۔

(اسلامی اخلاق وتصوف)

خصوصیات :-

ان چودہ خانوادوں کی خصوصیات یہ ہیں کہ :

(1) تمام تر سلاسل حضور ﷺ تک جا کر ختم ہوتے ہیں۔

(2) اور حضور ﷺ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کو پیشوائے طریقت تسلیم کیا جاتا ہے۔

(3) اور ان تمام خانوادوں کا سلسلہءطریقت حضرت حسن بصری سے ہوتا ہوا حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے اور حضرت علی کو حضور ﷺ کا مرید تسلیم کیا جاتا ہے۔

(4) ان میں مجاہدہ وریاضتوں یا طریقہءذکر کا اختلاف پایا جاتا ہے۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

نقشبندیہ کی رنگ شان :-

صرف نقشبندیہ سلسلہ واحد ایسا سلسلہ ہے جو حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ کے توسط سے بارگاہِ محمدی میں پہنچتا ہے۔

نوٹ :۔ ''مندرجہ بالا چودہ خانوادوں میں برصغیر پاک وہند کے مشہور سلاسل بھی شامل ہیں جو تین ہیں۔قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ۔'' اوران کے علاوہ چوتھا مشہور ومقبول سلسلہ نقشبندیہ ہے۔

نقشبندیہ کی ممتاز خصوصیات :-

طریقہءنقشبندیہ کے امام حضرت خواجہ بہاءالدین محمد نقشبندؒ (المتوفی 791ھ) ہیں۔نقشبندیہ کی ان خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں جو اسے دیگر سلاسل سے ممتاز کرتی ہیں۔

1- خلیفہء اول :۔

یہ طریقہءعالیہ نقشبدیہ خلیفہءاول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاری ہے جن کا ایمان تمام امت کے ایمان سے بھاری ہے اور حضور ﷺ نے ان کی ایک نیکی حضرت عمرؓ کی تمام عمر کی نیکیوں سے بہتر فرمائی ہے۔غرضیکہ امت میں بالاتفاق بعد انبیائے کرام آپؓ کا مرتبہ ہے۔جمعہ کے روز ہر ملک میں ہر خطیب ممبر پر یہ پڑھتا ہے۔

''خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابوبکر الصدیقؓ''

2- اجراء طریقہ نقشبندیہ :۔

نام سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہءخواجگان خواجہ بہاءالدین محمد نقشبند بخاریؒ سے جاری ہوا۔کیونکہ آپ امام الطریقہ ہیں یعنی ریاضت ومجاہدہ اور صفائے قلب کا جو طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہے وہ آپؒ سے جاری ہوا۔

3- استنباطِ طریق نقشبندیہ :۔

''معیار السلوک'' میں اس ضمن میں تفصیلی حالات درج ہیں۔

مصنف نقل فرماتے ہیں کہ :

''حضرت خواجہ بہاءالدین محمد نقشبندؒ جب علمِ طریقت میں مرتبہءاجتہاد کو پہنچے اور آپ کا زمانہءارشاد آیا تو آپ کے مرشد حضرت سید

امیر کلالؒ نے آپ کو ''اجازتِ طریقہ'' عنایت فرمائی۔ آپ کو اللہ نے روزِ اول سے امت کے لئے آسانی کرنے والا پیدا فرمایا تھا۔ جب آپ نے طریقہءصوفیاء میں طالبانِ حق کو دیکھا تو آپ کو معلوم ہوا کہ کسی نے سالہا سال سے سونا ترک کر رکھا ہے کسی کے بارے میں سُنا کہ اس نے شب کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا اختیار کیا ہے کسی نے دوختم قرآن روز پڑھنا مقرر کیا ہے۔ کوئی روز 500 رکعتیں پڑھتا ہے۔ کسی نے ایک کمبل میں تیس چالیس سال گزار دیئے ہیں کسی نے اسّی (80) برس تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ کسی نے ٹیک لگانا کسی نے پیر پھیلانا موقوف کر رکھا ہے۔''

(یہ حالات دیکھے اور پھر آپ نے دیکھا کہ) کوئی بوجہ ضعفِ پیری یا بیماری کے طریقہءصوفیا کے مطابق اذکار کرنے سے مجبور و معذور ہے اور اس کا وقت بے کار جاتا ہے اور غفلت میں گزرتا ہے جبکہ اللہ کا ارشاد ہے :

يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم	اللہ کا ذکر کرتے رہیں کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر حال میں)

اور پھر

كل امر مرهون باوقاتها	ہر کام اپنے وقت کا محتاج ہے۔

نے ظہور پکڑا، نوشتہءروزِ اول نے حضرت نقشبند کے سینہ مبارک میں جوش پیدا کیا اور آپ سربسجود ہ خدا کی جناب میں عرض گزار ہوئے۔

''الٰہی امت کے قویٰ ضعیف ہو گئے۔ اب ان میں سختی کھینچنے کی قوت و ہمت نہیں رہی۔ زمانہ خیر و برکتِ نبوت کا ان سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اپنے فضل سے مجھ کو ایسا طریق عنایت فرما جو آسان ہو اور تجھ تک جلد پہنچنے والا ہو۔''

پندرہ روز تک آپ سجدہ میں گریہ وزاری کرتے رہے صرف نمازِ باجماعت اور حوائجِ ضروری کے لئے حجرہ سے باہر نکلتے۔ پندرویں روز دریائے رحمت موجزن ہو کر الہام ہوا۔

''اے بہاؤالدین ہم تجھ کو وہ طریق عنایت فرماتے ہیں کہ جو ہمارے حبیب ﷺ کے صحابہؓ میں تھا۔ یعنی وقوفِ قلبی اور اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ۔''

آپ نے اللہ جلّ وشانہٗ کا شکر ادا کیا اور سر سجدہ سے اُٹھایا۔ اور اس طریقِ جدید کو رواج دیا۔ اللہ نے اس طریق میں ایسی برکت رکھی اور اس نے ایسی ترقی کی کہ اب بھی کروڑوں آدمی اس سلسلہ مبارک سے وابستہ ہیں، ملک روم، شام، کروستان، عرب، بخارا، ترکستان، کابل، چین، ہندوستان اور پاکستان سب جگہ خلفاء وطلباء نقشبندیہ بکثرت ہیں۔'' (معیادالسلوک)

-4 سلسلہءنقشبندیہ کی خوبیاں اور آسانیاں :-

-1 آسانی و جلدی :-

جب خود حضرت نقشبندؒ سے لوگ دریافت کرتے کہ آپ کے اس سلسلہءجدیدہ کے کیا فوائد ہیں؟ تو آپ فرماتے کہ :

''طرق سب مبارک اور نور'' علیٰ نور ہیں اور سب خدا تک پہنچتے ہیں۔ لیکن جو طریق خدا نے مجھ کو عنایت فرمایا ہے اس میں آسانی بہت ہے اور اس سے بہت جلد (طالب) خدا تک پہنچتا ہے کہ ذکرِ قلبی میں جذبِ ربانی ہے اور ذکرِ لسانی میں سلوک۔''

-2 مُراد ہونا :-

اِسی سلسلے میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا :

مامراد انیم، مافضلیا نیم	یعنی ہم مطلوبوں میں سے ہیں ہم فضل والوں میں سے ہیں

اس سے مراد یہ ہے کہ طلبہ حق میں سے ایک مراد ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو خود خدا اپنی طرف کھینچے (اسی مضمون کی ایک حدیث پاک ہے کہ ان لوگوں پہ حیرت ہوتی ہے جن کو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت فضیل بن عیاض ڈاکو تھے قافلہ لوٹنے گئے ایک آیت کسی کی زبان پہ سنی اور ایسے تائب ہوئے کہ مشائخ طریقت میں جا شامل ہوئے) دوسری قسم مرید کی ہوتی ہے۔ یعنی جو خود سعی کر کے خدا کی طرف چلیں۔ ان میں وہی فرق ہے جو ایک پیدل شخص یا موٹر، ریل یا جہاز میں بیٹھے ہوئے شخص میں ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت نقشبند فرماتے ہیں ہم مطلوبوں میں سے ہیں گویا ہمارے لئے آسانی اور جلدی ہے۔

(معیار السلوک)

3- ابتدا ذکرِ قلبی سے :-

دیگر سلاسل ذکرِ قلبی آخر میں بتاتے ہیں اور اخذِ فیض اور ذکر میں اکثر ''اسماء وصفاتِ الٰہی'' سے طالب کو مستفیض کر کے ذاتِ باری کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

جبکہ طریقِ نقشبندیہ میں ذکرِ قلبی سے آغاز کرایا جاتا ہے اور ذکر ''اسمِ ذات'' اور ہمتِ طالب کے ذریعے اللہ کی طرف مخاطب کرتے ہیں۔

اسی واسطے امام الطریقہ حضرت نقشبند فرماتے ہیں :

اول ما آخر ہر منتہی
آخر ما حبیب تمنا تہی

ترجمہ:-

''ہماری ابتدا اوروں کی انتہا ہے اور ہماری انتہا دامنِ آرزو خالی کر دیتی ہے۔''

شیخ المکرّم جب اس ضمن میں بات کرتے ہیں تو اکثر وہ اس شعر کو پڑھا کرتے ہیں۔

اب اگر ہم ذکرِ قلبی کے فوائد کی طرف چلے جائیں تو الگ سے پورا ایک رسالہ بن سکتا ہے اس لئے یہاں چند باتوں پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

1- حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں فرماتے ہیں :-

''ذکرِ قلبی سلامتیِ ایمان کا اچھا ذریعہ ہے اور نماز با اطمینان ہوتی ہے اور جو شخص ذکرِ لسانی (زبانی ذکر کو) کو ذکرِ خفی پہ ترجیح دے وہ منکرِ قرآن وحدیث ہے۔''

2- حدیثِ پاک ہے :-

''ذکرِ خفی کو زبانی ذکر سے ستر (70) گنا فضیلت حاصل ہے۔''

3- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ مفسرین فرماتے ہیں :-

جو چیز اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے اس کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ قرآن خود گواہ ہے کو جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے وہ اللہ کا ذکر اور تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔ اور اسی پہ اُس کی بقا کا انحصار ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیثِ پاک بھی ہے کہ جس دن ایک بھی شخص اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا قیامت بپا ہو جائے گی۔

4- کامل اتباعِ سنت :-

طریقۂ نقشبندیہ میں سنت کی پیروی سب سے زیادہ ہے اور روحانی ترقی کا انحصار زیادہ تر اتباعِ سنت پر رکھا ہے۔ اس ضمن میں آیاتِ قرآنی کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ نیز

حضرت نقشبند فرماتے ہیں ''ہمارے طریقہ میں کسی کو محرومی نہیں جو ہمارے طریقہ سے منہ پھیرے اس کا ایمان خطرے میں ہے کیونکہ یہ طریقہ بالکل صحابہ کبار کے مطابق ہے۔''

5- نقشبندیہ اویسیہ :-

نقشبندیہ ہی میں ایک شاخ نقشبندیہ اویسیہ پائی جاتی ہے جس کی یہ خاصیت ہے کہ بمطابق شیخ المکرّم :

''دنیا و آخرت میں روح جہاں بھی ہو روح سے فیض پاتی رہتی ہے جبکہ دیگر تمام سلاسل میں اور نقشبندیہ مجددیہ میں بالمشافہ شیخ سے اکتسابِ فیض لازم ہوتا ہے۔''

نقشبند یہ اویسیہ کی خصوصیات :-

1- وجہ تسمیہ :-

نام سے متعلق ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ :

اگر یہ سلسلہ نقشبندیہ ہے تو اویسیہ کیوں کہلاتا ہے؟ اور اگر اویسیہ ہے تو نقشبندیہ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟

حضرت شیخ المکرّم اس کا جواب یوں دیتے ہیں :

i- نقشبندیہ :-

دراصل سلسلہ نقشبندیہ حضرت بہاؤالدین نقشبندی بخاری سے جاری ہوا آپ امام الطریقہ ہیں تو چونکہ طریقہء ذکر وہ ہے جو حضرت خواجہ نقشبند سے جاری ہوا تو آپ کے نام کی مناسبت سے نقشبندیہ کہا جاتا ہے۔

ii- اویسیہ :-

اور سلسلہء عالیہ کو اویسیہ ''نسبتِ اویسی'' کے باعث کہا جاتا ہے۔ نسبت کے ''لغوی معنی'' ہیں کوئی تعلق ہونا۔ اصطلاحِ تصوف میں نسبت سے مراد کسی خاص ولی کا انداز اپنایا جانا ہے۔ تو چونکہ یہاں اخذِ فیض کا وہ انداز اپنایا جا رہا ہے جو حضرت اویس قرنیؒ کو نبی اکرم ﷺ سے نصیب تھا کہ آپؐ کے زمانہ مبارک میں موجود ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے مگر دور رہ کر آپ کا حضور ﷺ سے روحانی تعلق اس قدر مضبوط تھا کہ فنا فی الرسول ہو گئے۔ تو گویا اس اصطلاح کا بظاہر حضرت اویسؒ سے کوئی تعلق نہیں ہے ہاں ان سے نسبت ہے یعنی اُن کے انداز کو اپنایا گیا ہے۔''

2- اویسی طریقہ :-

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں :

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاحِ تصوف میں ''اویسی طریقہ'' کہتے ہیں نیز ہمارے سلسلہ کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندی طریقہ کے مطابق کرتا ہوں لیکن اخذِ فیض کا طریقہ اویسی ہے میں نے اسی طریقہ سے اپنے محبوب شیخ کی روح سے اخذِ فیض اور خلافت حاصل کی ہے (حالانکہ بظاہر) میرے اور میرے شیخ المکرّم کے درمیان 400 سال کا فاصلہ ہے۔''

نوٹ:- اعلیٰ حضرتؒ نے 16 برس تک حضرت اللہ دین مدنیؒ کے مزار پر رہ کر روحانی تربیت و فیض حاصل کیا تھا۔

☆ صاحبِ عمدۃ السلوک فرماتے ہیں :

''بعض بزرگوں کو بعض کی ارواحِ مقدسہ سے فیض اور اجازت حاصل ہوئی جس کو اویسی طریقہ یا نسبتِ اویسی کہتے ہیں۔''

☆ شیخ عطا نقشبندی فرماتے ہیں :

''اویسی وہ ہے جس کو ظاہر میں کسی پیر کی ضرورت نہ ہو۔''

☆ ''اسلامی اخلاق وتصوف'' میں ہے کہ :

''تصوف کی اصطلاح میں ہر ایسا فرد جو کسی بزرگ سے ظاہری ملاقات کے بغیر روحانی طور پر فیض یاب ہو وہ ''اویسی'' کہلاتا ہے۔ یہ قسم بھی بیعتِ روحی کے مصداق ہے۔ بے سلسلہ ہونے کی وجہ سے اس کا شجرۂ طریقت میں اعتبار نہیں۔''

نوٹ:۔ اس اعتراض کا جواب آگے آئے گا۔

3- سلسلہء اویسیہ کی خصوصیات :-

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نسبت :۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''یہ وہ واحد نسبت ہے جو براہِ راست نبی کریم ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اُن سے مشائخ کو نصیب ہوئی جو نسبتِ اویسیہ سے متعلق ہیں۔''

(طریق نسبتِ اویسیہ)

2- عمومیت :۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''نسبتِ اویسیہ تمام نسبتوں میں وہ ہے جس میں یہ نہیں کہا جاتا فلاں کا حصہ ہمارے پاس ہے فلاں کا نہیں ہے بلکہ اس نسبت میں وہی محروم رہے گا جو اس تک پہنچے گا نہیں یا نہ پانے والے کی نا اہلی و بدنصیبی۔ باقی سلاسل میں کچھ لوگوں کا حصہ ہوتا ہے ایک سلسلہ میں، کچھ کا دوسرے میں کچھ کا تیسرے میں اور مشائخ الگ مزاج والے کو دوسرے سلسلہ یا شیخ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔''

(طریق نسبتِ اویسیہ)

3- حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت :۔

''نسبتِ اویسیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے حضور ﷺ سے واصل ہوتی ہے اور اُن کی حیثیت مسلّمہ ہے وہ غیر نبیوں میں سب سے بلند مرتبہ ہیں اور وہ واحد غیر نبی ہیں جنہیں اللہ کی معیتِ ذاتی حاصل ہے ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ نے تسلی دی حضرت ابوبکرؓ کو کہ ''ان اللہ معنا'' اس لئے اس نسبت میں بے پناہ قوت ہے۔''

(طریق نسبتِ اویسیہ)

4- نسبتِ اویسیہ کا قوی و صحیح ہونا :۔

☆ صاحبِ عمدۃ السلوک لکھتے ہیں :

''نسبتِ اویسیہ میں واسطے کم ہوتے ہیں اور نسبت قوی اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس لئے مشائخ کرام عموماً اسی نسبت کی سند کو بیان کرتے ہیں۔''

☆ حضرت شاہ ولی اللہ نے ''قول الجمیل'' میں نسبتِ اویسیہ کو قوی اور صحیح کہا ہے۔''

☆ خواجہ محمد پارسا نے بھی ''رسالہ قدسیہ'' میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

5- نسبتِ اویسیہ میں کم واسطے ہونے کا سبب :-

دراصل اس میں زمانی قید نہیں پائی جاتی کہ بالمشافہ شیخ سے اخذِ فیض کی شرط نہیں بلکہ ایک شیخ دوسرے شیخ کی روح سے فیض پالیتا ہے۔ جو ظاہراً اس سے صدیوں پہلے اس جہان سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔

6- روح سے اخذِ فیض :-

اس سلسلہ میں بنیاد حضرت اویس قرنیؒ کا حضورِ اکرم ﷺ سے روحانی طور پر فیض حاصل کرنا ہے۔ اس ضمن میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''ابوالحسن خرقانی کو حضرت بایزید بسطامی سے روحانی فیض ملا۔ اجازتِ تربیت بھی ملی اور خلیفہء مجاز بھی بنے حالانکہ بایزید بسطامی سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ بظاہر نہ زمانہ پایا نہ صحبت لیکن روح سے فیض حاصل کیا۔''

(دلائل السلوک)

صاحبِ عمدۃ السلوک بھی اس کی تصدیق ان ہی الفاظ میں فرماتے ہیں انہوں نے مزید اتنا اضافہ کیا ہے کہ :

شیخ ابوعلی خارمدی کو شیخ ابوالحسن خرقانی سے روحی فیض حاصل ہوا اور ان کو بایزید بسطامی سے (حالانکہ) شیخ ابوالحسن کی ولایت شیخ بسطامی کی وفات کے مدت بعد ہوئی۔

شیخ المکرم اس واقعہ کی تفصیل میں مزید یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ :

ابوالحسن تیس (30) سال حضرت بایزید کے مرقد پہ مراقب رہے۔

''رسالہ قدسیہ'' میں خواجہ محمد پارساؒ مزید فرماتے ہیں :

''ابوعلی خارمدی کو ابوالحسن خرقانی سے ان کو بایزید بسطامی سے اور خود بایزید کی امام جعفر صادق سے روحانی تربیت ہوئی۔''

7- روح سے اخذِ فیض کی حقیقت :-

حضرت شیخ المکرم سے روح سے اخذِ فیض کی حقیقت جب دریافت کی گئی تو آپ نے ایک نہات دقیق نقطہ بیان فرمایا

i- شرط :-

فرماتے ہیں کہ :-

''روح سے اخذ فیض کی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا زندہ شیخ موجود ہو جو آپ کی رسائی برزخ تک کر دے۔ یعنی روح میں یہ قوت پیدا کر دے کہ وہ برزخ میں حاضر ہو کر اگلے اسباق وہاں پہ موجود ارواحِ مقدسہ سے حاصل کر سکے۔''

ii- مثال :-

فرمایا :

''اعلیٰ حضرت اعلیٰ پائے کے مناظر تھے اور عالمِ دین تھے لیکن آپ برزخ سے یا قبر سے اخذِ فیض کے قائل نہ تھے۔ حضرت عبدالرحیمؒ نے آپ کو دعوت دی کہ میں تمہیں اس بات کا تجربہ کرا سکتا ہوں اور یہ کہ اس کے لئے آپ کو ان کے پاس رہنا پڑے گا۔ یعنی قیام کرنا ہوگا۔ اور

وہ خود حضرت اللہ دین مدنی کے مزار پہ رہتے تھے۔ پس آپ وہاں تقریباً 16 سال مقیم رہے۔ ابتدائی سلوک شیخ عبدالرحیمؒ سے سیکھا۔ پھر جب روح میں اتنی استعداد پیدا ہوئی تو شیخ اللہ دین مدنی سے سالک المجذوبی تک کے مقامات حاصل کئے۔ (اور بمطابق اعلیٰ حضرت انکے اوران کے شیخ کے درمیان 400 برس کا فاصلہ تھا) چونکہ آپ میں قوتِ روحانی اوراستعداد بے پناہ تھی اور ذوق اور تڑپ میں یعنی طلبِ حق میں اس قدر شدید تھے کہ ہر شیخ برزخ میں اپنے سے اعلیٰ مناصب والے شیخ کے سپرد کرتا گیا۔''

حضرت اللہ دین مدنی نے دندہ شاہ بلاول کے سپرد کیا۔ انہوں نے پہلے عرش تک مراقبات کرائے۔ پھر غوث بہاؤ الحق نے ساتویں عرش تک، ان کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی نے عالمِ امر کے پانچ دوائر کرائے۔ اس کے بعد آپ کو براہِ راست بارگاہِ نبوی ﷺ سے حجاباتِ الوہیت طے کرائے گئے۔ اور پھر آخر میں براہِ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہنمائی میں آپ مقامِ صدیقیت تک پہنچے۔ پھر آپ کا وصال ہوگیا جب وصال ہوا اس وقت آپ دائرۂ محبت ومحبوبیت میں تھے۔ (اللہ ان کے درجات کو مزید بلند فرمائے۔ آمین)

iii- ایک ضمنی سوال :۔

شیخ المکرّم سے اتنی تفصیل سننے کے بعد جب عرض کی کہ آیا انہوں نے خود بھی اسی طرح منازلِ سلوک طے کی ہیں؟

تو فرمایا :

''میرا شیخ ایسا تھا کہ مجھے کبھی کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ ایک نظر میں انہوں نے ناچیز کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں انہیں پہنچنے میں زمانے لگے۔ اب میں وہاں سے آگے سفر کر رہا ہوں اور ایسے مقامات ہیں کہ جہاں اب سے پہلے کوئی ولی نہیں گیا۔ جواب دریافت ہو رہے ہیں لیکن ان کا بیان ضروری نہیں کہ بہت سے ناپختہ عقیدے والے گمراہی میں پڑ سکتے ہیں۔''

iv- ایک ضمنی سوال :۔

کیا آپ کے بعد شیخِ سلسلہ اسی پائے کا ہوگا؟

آپ جواباً خاموش رہے اور پھر انکار میں سر ہلا دیا۔

v- ایک اہم سوال :۔

سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ کا شجرہ اس قدر مختصر کیوں ہے نیز اس میں حضرت خواجہ نقشبندؒ اور حضرت اویس قرنی کے نامِ نامی کیوں شامل نہیں ہیں؟

شیخ المکرّم نے فرمایا :

''شجرہ اس لئے مختصر ہے کہ اس میں واسطے کم ہیں اس کی وجہ یہ ہے بعدِ زمانی کی قید نہیں۔ ایک شیخ سے دوسرے شیخ کے درمیان کہیں ایک صدی کا کہیں زیادہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ ایک شیخ کی روح نے دوسرے شیخ کی روح سے اخذِ فیض کیا۔ حالانکہ بظاہر ملاقات یا صحبت ثابت نہیں۔ یعنی برزخ میں تربیت پائی۔ اور دوسری بات کہ شجرہ میں حضرت بہاؤالدین نقشبند کا نام اس لئے شامل نہیں ہے کہ طریقۂ تربیت اُن کا ہے۔ نسبت نہیں۔ اس شجرہ میں صرف اُن لوگوں کے نام نامی آتے ہیں جن کو باہم نسبت، نسبتِ اویسی یا طریقِ اویسی کے تحت حاصل تھی اور جس نے جس سے نسبت حاصل کی اس کے بعد اس کا نام آتا ہے۔ حضرت اویس قرنی کا نام اس لئے نہیں شامل کیا کہ ان سے کسی نے نسبت حاصل نہیں کی بلکہ ان کے انداز کو اپنایا گیا۔ وہ طریقِ نسبت اپنایا گیا جو انہیں حضور ﷺ سے حاصل تھا۔ اس مماثلت کے تحت یہ نسبت نسبتِ اویسیہ کہلاتی ہے۔ ہم تک یہ نسبت ان موجود ناموں کے واسطے سے پہنچی ہے اس لئے ہمارے شجرہ میں صرف انہی کے نام شامل

ہیں۔ ورنہ نسبت اویسی کے طریق پر بڑے بڑے اولیاء فیض پاتے رہے ہیں۔''

☆ حضرت شاہ ولی اللہ ''ہمعصات'' میں فرماتے ہیں :

''مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے جس کے سردار حضرت اویس قرنیؒ ہیں ان کو حضور ﷺ سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا اور شیخ بدرالدین کو بھی حضور ﷺ سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے مشائخ کبار ہوئے۔''

☆ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے :

''اِس عبارت سے واضح ہو کہ نسبتِ اویسیہ کے معنی روحی فیض کے ہیں اور یہ نسبت قوی و صحیح ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو کہ نسبتِ اویسی کے لئے حضرت اویس قرنیؒ سے کوئی مرید ہوا ہو یہ ضروری نہیں ہے اور واضح ہو کہ نسبتِ اویسیہ کا انکار غلط ہے چونکہ حضرت اویسؒ کو بنا صحبت حضور ﷺ سے فیض حاصل ہوا..........اس لئے جس کو بھی روحی فیض کسی بزرگ سے حاصل ہو گا اس کو نسبت اویسیہ سے تعبیر کریں گے۔''

نسبتِ اویسی کے قوی ہونے کے فوائد :۔

جب نسبتِ اویسی یا سلسلہ اویسیہ کا قوی ہونا ثابت ہو گیا تو اب دیکھتے ہیں اس کے قوی ہونے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

1- زیادہ زود اثر ہونا :۔

سلسلہ اویسیہ میں کم وقت اور کم محنت میں زیادہ ترقی نصیب ہوتی ہے۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :

''امام الہند (شاہ ولی اللہؒ) کے فرمان کے مطابق سب سے زیادہ زود اثر سلسلہء اویسیہ ہے کیونکہ یہ روحانی سلسلہ ہے پھر اس کے بعد قادریہ ہے۔''

☆ نیز شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہء اویسیہ کے متوسلین کی عظمت و ہیبت سے متعلق یہ فرمان دلیل ہے کہ

بسا است کہ اویسی عالمِ ارواح است / یعنی سلسلہء اویسیہ عالمِ ارواح ہے

☆ حضرت شیخ المکرم اس ضمن میں فرماتے ہیں :

''نسبتِ اویسیہ، امتِ محمدیہ میں برکاتِ نبوت کا سمندر ہے کسی بھی سلسلے میں ایک (لطیفہء) قلب کروانے میں بھی خلیفہء مجاز تک سالوں لگوائے گا اور بے شمار پابندیاں لگائے گا۔ لیکن سلسلہء عالیہ میں جو آج یہاں سے لطائف سیکھ کر جاتا ہے گھر جا کر سارے گھر والوں کو بٹھا کر ذکر کروائے تو سب کے لطائف جاری ہو جائیں گے۔''

2- عرشی منازل نسبتِ اویسیہ کے بِنا ممکن نہیں :۔

حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں۔

''جس شخص کو بھی عرشی منازل نصیب ہوں تو وہ اس سے آگے بغیر نسبتِ اویسی کے جا سکتا ہی نہیں خواہ کسی بھی سلسلے سے تعلق رکھتا ہو۔ سلسلہ اس کا وہی رہتا ہے لیکن وہ حضرت اویس کی طرح حضور ﷺ کی بارگاہ سے برکات حاصل کرتا ہے تب آگے چل سکتا ہے۔ ہم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ ہم جس شخص کو آ، با، تا سے سبق شروع کراتے ہیں وہاں سے ہی اُسے نسبتِ اویسی نصیب ہو جاتی ہے باقی سلاسل میں کسی

کوعرش میں قدم رکھنے کا اللہ موقع دے تو اس نسبت سے فیضیاب ہوگا اور از خود یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ عرشی منازل والا جہاں بھی ہو بارگاہِ نبوی سے برکات حاصل کرتا ہے۔''

(طریق نسبتِ اویسیہ)

3- نسبتِ اویسیہ کا سلب ممکن نہیں :-

شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''بعض سلاسل میں درحقیقت یہ ہوتا ہے کہ بعض منازلِ بالا کے ولی اللہ اپنے سے کم تر درجے والے پر اپنی قوت القا کر کے اس کی کیفیات وانوارات کا سلب کر لیتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سلب ہی کریں اس کے لئے سچے ولی کا یہ وطیرہ نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ جو بہت طاقتور ہو (روحانی طور پر) جب کمزور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو از خود اس کا رنگ ڈھل جاتا ہے، سلب ہو جاتا ہے لیکن نسبتِ اویسیہ میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ باقی سب نسبتیں اس کے سامنے دریا جیسی ہیں اور یہ سمندر ہے اور دریا سمندر کو نہیں سموسکتا۔ سلب کے لئے بالا استعداد شرط ہے اور سارے اس سے نیچے اور کمزور ہیں اور سب کی قوتیں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کیونکہ سب کے پاس ایک ایک پہلو ہوتا ہے اور یہ جامع ہے اس کے شیخ اگر چاہیں تو سارے سلاسل کو سلب کر سکتے ہیں لیکن روئے زمین کا کوئی صوفی اس کے مبتدی کی کیفیات کو سلب نہیں کر سکتا کیونکہ اس نسبت سے حاصل ایک لطیفہ بھی ان کی گرفت، لپیٹ اور وسعت سے باہر ہے۔''

(کنز الطالبین)

تنبیھہ :۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''عام طور پر سلب نہیں کیا جاتا لیکن کوئی شخص اگر گمراہ ہو جائے اور دوسرے انسانوں کی گمراہی کا سبب بننے لگے تو پھر اس سلسلہ کے شیخ خود سلب کر لیتے ہیں اور جب یہ لوگ (اپنی نسبت) سلب کرتے ہیں تو یہ سلب اس قدر شدید ہوتا ہے کہ پھر صرف کیفیات نہیں جاتیں وجود کے ذرے ذرے سے ایمانیات بھی چلے جاتے ہیں اور دیکھا یہ گیا ہے کہ جس شخص سے مشائخِ اویسیہ نے اپنی نسبت سلب کی وہ مسلمان بھی نہ رہ سکا۔ گو ان کی مثال ایک آدھ ہی ہے لیکن پھر وہ جو کبھی جمالِ باری دیکھے بغیر سجدے سے سر نہ اُٹھاتا تھا وہ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہوئے پایا گیا۔''

4- اویسیت کی عالمگیریت :-

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''مشائخ سے سُنا گیا کہ بعض لوگوں کو فرمادیا کہ تمہارا حصہ میرے پاس نہیں ہے تم فلاں شخص کے پاس جاؤ۔ اس لئے کہ اویسیت کے علاوہ باقی تمام نسبتوں میں یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص مزاج اور استعداد کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں دوسری قسم کے لوگوں کو دوسری نسبت کے شیخ کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پہلے انبیاء کے زمانے میں تھا۔ کہ ہر قوم کا مزاج الگ تھا اور اس کا نبی اور ان کی تعلیمات اس قوم کے مطابق تھیں مثلاً جس طرح دریا کے اِس پار حضرت ابراہیمؑ کی نبوت واطاعت شرط تھی تو اُس پار حضرت لوطؑ کی۔ تا آنکہ حضور ﷺ نے آ کر دینِ اسلام کو عالمگیر مذہب بنا دیا گیا۔ اِسی طرح نسبتِ اویسیت وہ وسیع سمندر ہے جس میں پوری انسانیت کے ہر فرد کا حصہ

موجود ہے اس کے مشائخ کسی سے نہیں کہتے تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں ہے بلاتمیز رنگ ونسل، عمر، علم وعمل ہر آنے والے کا دل منور ہو جاتا ہے شرط صرف اتنی ہے کہ اپنا دل ان کے قدموں میں ڈال دو اور ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے پاس بھی دین کی غرض سے نہیں جاتے دنیا ہی کیلئے جاتے ہیں۔''

(طریق نسبتِ اویسیہ)

5- ایک خاص فضیلت :-

فرمایا :

''اس طریقہ کے باقی فضائل کے علاوہ ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ جو اسکی لپیٹ میں آتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔مہینوں، سالوں باہر رہے جب شیخ کے سامنے اس کی توجہ میں آتا ہے تو پھر ایسے ہو جاتا ہے جیسے کبھی ذکرِ الٰہی سے باہر تھا ہی نہیں۔''

(کنز الطالبین)

6- پابندیوں سے مبّرا :-

فرمایا :

''یہ وہ واحد سلسلہ ہے جو کسی قسم کی پابندی نہیں لگاتا۔ نہ ہی مخلوق کے ساتھ اختلاط سے منع کرتا ہے۔گھروں میں شہروں میں رہو، کاروبار کرو ہاں مقررہ اوقات میں مخصوص طریقے سے ذکر کرتے رہو تمہارا سینہ منور رہے گا یہ اس سلسلہ کی خاص برکت وقوت ہے۔''

7- فنا فی الرسول کا طرۂ امتیاز :-

فرمایا :

''نسبتِ اویسیہ سے وابستہ کر کے اللہ نے کتنا احسان فرمایا، کتنا کرم کیا کہ اس نے صدیوں کی وسعتوں کو سمیٹ کر رکھ دیا۔ زمانے کی بساط کو لپیٹ دیا اور ایک ''اللہ ھو'' کی ضرب سے ہم جیسے بدکاروں کی ارواح کو بھی یہ قوت بخشی کہ وہ بارگاہِ رسالت کے جمالِ جہاں تاب سے سیراب ہوں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔''

مولانا علی لاہوریؒ اپنے زمانے کے قطب ارشاد تھے (انہوں نے) فرمایا:-

''کوئی میرے پاس چار برس لے کر آئے گھر والوں کو چار برس کا خرچہ دے آئے اور یہ چار برس میرے پاس تنہائی میں لگائے تو میں اسے فنا فی الرسول کرادوں گا۔''

کہاں یہ شرائط اور کہاں اس نعمت کی یہ ارزانی کوئی اپنے گھر میں ہے کام کرتا ہے یا کاروبار کرتا ہے لوگوں سے ملتا جلتا ہے بس اپنے معمولاتِ ذکر میں باقاعدگی رکھتا ہو اور شیخ سے رابطہ رکھتا ہو تو اسے یہ دولت نصیب ہو جائے گی اور یہ معمولی بات نہیں۔ اور اس نعمت کا شکر، یہ ہے کہ اس کی عظمت کو پہچانا جائے اور اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

(طریق نسبتِ اویسیہ)

فرمایا :

''اس سلسلہ کا طرۂ امتیاز آقائے نامدار کے دستِ اقدس پہ بیعت ہے اور بحمداللہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس وقت دنیا میں ماسوائے سلسلہء عالیہ کے اس دولت کا امین اور بانٹنے والا اور کوئی نہیں ملتا۔ خلوص فی النیت اور خلوص فی العمل اور رضائے باری کی تڑپ لے کر جس کا

جی چاہے آئے اور خود دیکھ لے۔''

(کنز الطالبین)

ایک اہم خصوصیت :-

نسبتِ اویسیہ کے فوائد وخصوصیات تو بیان سے کبھی ختم نہ ہوں گے ہاں یہ بات ضرور جان لینی چاہئے کہ یہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتی یعنی جس طرح آج عام ہے ہمیشہ اسی طرح اس کا ظہور عام نہیں رہتا۔

نسبتِ اویسیہ کا ظہور :-

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :

''نسبتِ اویسیہ والے جب غائب ہو جائیں تو کئی صدیاں غائب رہتے ہیں او پھر کسی جگہ ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔''

(الانتباہ فی سلاسلِ تصوف)

حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں :

''جب نسبتِ اویسیہ کا ظہور ہوتا ہے تو پھر دنیائے تصوف میں یہی لوگ ہوتے ہیں جو تمام سلاسل کے لئے مرکز کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ زمین پر اسکے حامل افراد جب اللہ پیدا فرماتا ہے تو پھر ان کے ذریعے برکات تقسیم کرنا شروع کرتا ہے تو یہ اصول بن جاتا ہے کہ روئے زمین پر جتنے سلاسلِ تصوف چل رہے ہوں ان کے مشائخ نسبتِ اویسیہ کے مشائخ سے برکات وصول کرتے ہیں۔ اپنا حصہ براہِ راست پانے کی کسی کے پاس قوت نہیں رہ جاتی تو یوں یہ تمام سلاسل کا مرکز بن جاتا ہے۔''

ایک اہم سوال :-

''جب نسبتِ اویسیہ کا ظہور نہیں ہوتا تو سلسلہ اویسیہ کی صورت کیا ہوتی ہے؟''

حضرت شیخ المکرمؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :

''تب یہ دنیا میں موجود نہیں رہتا بلکہ زیرِ زمین چلا جاتا ہے اور اہلِ برزخ میں اس نسبت کے حاملین مشائخ کے سینوں میں محفوظ رہتا ہے۔ اور تب پھر دنیا میں مناصبِ طریقت باقی سلاسل میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ نسبتِ اویسیہ کا بظاہر ظہور نہیں رہتا۔ تا آنکہ اللہ کریم کسی کو توفیق دیتے ہیں وہ کسی زندہ شیخ سے تربیت پا کر برزخ میں پہنچتا ہے اور وہاں اگر کسی ایسے شیخ سے تربیت نصیب ہو جائے جو اس نسبت کا حامل ہو تو پھر اس شخص کے ذریعے اس نسبت کا دنیا میں پھر سے ظہور ہو جاتا ہے۔''

''حضرت شاہ ولی اللہؒ'' کا ''ہمعصات'' سے یہ ارشاد اعلیٰ حضرت نقل فرماتے ہیں کہ :

سلسلہء اویسیہ کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :

''جیسے پانی زیرِ زمین موجود رہتا ہے کسی وقت چشمہ کی صورت باہر اُبل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا فرماتا ہے اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ اُبل پڑتا ہے اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے سلسلہء اویسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا مگر حقیقت میں متصل ہوتا ہے جو لوگ روح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض (کے قائل نہیں ہوتے یا) اس سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟''

اعلیٰ حضرتؒ خود یہ فرماتے ہیں کہ :

''اِس سلسلے سے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں کو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ کیا روح سے اخذِ فیض یا اجرائے فیض ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جاننے والوں پہ اعتماد کرو یا اس بحر میں خود اُتر کر دیکھو اور دوسری صورت وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب و خلوص ہو البتہ پہلی صورت والوں کے لئے چند مثالیں پیش ہیں۔''

نوٹ:۔ یہاں ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔

فتاوہ عزیزیہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

سوال:۔ کوئی صاحبِ باطن یا صاحبِ کشف کسی ولی اللہ کی قبر پہ جا کر مراقبہ کرے تو اس سے روحانی فیض لے سکتا ہے؟

جواب:۔ ''ہاں لے سکتا ہے۔''

(دلائل السلوک)

موجودہ دور میں نسبتِ اویسیہ کے بانی شیخ :-

حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں :

اب یہ سعادت چودہ سو سال بعد ہمارے شیخ کے حصے میں آئی۔ اللہ کی مرضی وہ کس کو کیا دیتا ہے۔ پوری تاریخِ تصوف میں تبع تابعین کے بعد حضرت جی وہ واحد اور پہلی ہستی ہیں جنہوں نے فرمایا :

''جنہیں ظاہری تعلیم و تعلم کی ضرورت ہو اس کے لئے علماء موجود ہیں اس غرض سے میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں یہ کام ہر جگہ سے ہو سکتا ہے۔ میرے پاس جو بھی آئے گا میں اُسے روحانی تربیت سے سرفراز کروں گا۔ میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ اسے فنافی الرسول تک بارگاہِ نبوت میں پیش کر سکوں اور پھر ہم نے یہ ہوتے دیکھا۔''

فرمایا :

''سارے سلاسل میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی ایک شخص پوری دنیا میں سلسلہ کی قیادت کرے ورنہ متعدد لوگ متعدد جگہوں پہ کام کرتے ہیں اور تبع تابعین سے اعلیٰ حضرتؒ کی ذات تک ایسا ہی رہا۔ لیکن یہ ایسا پہلی دفعہ ہو رہا ہے کہ نسبتِ اویسیہ کا ظہور اس شدت سے ہوا کہ ہر کسی کو کُھلی دعوت ہے کہ آئے اور اس سے فیض پائے اور ہر سلسلہ اپنی انتہا پہ یعنی اس کا شیخ اس سلسلہ کے شیخ کے توسط سے فیض حاصل کرے گا اور آگے پہنچائے گا۔''

فرمایا :

''تبع تابعین کے بعد حضرت جی کی ذاتِ گرامی تک یہ بزرگانِ دین کا تعامل کیوں نہیں رہا؟ تو یہ ان کی مجبوری تھی۔ اللہ کریم نے جتنا جتنا کام اُن سے لینا تھا وہ لیا۔ اگر اللہ نے کسی کو یہ ہمت نہیں دی یا توفیق نہیں دی تو ان کا یہ احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے اس دولت کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ اور وہ چند آدمیوں کو بھی نصیحت دیتے تھے تو بات جب باہر نکلتی تو ان پہ بے شمار فتوے لگتے تھے۔''

چند دیگر خصوصیاتِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ :-

دیگر خصوصیات میں یہ نقشبندیہ مجددیہ کے مثل ہے مثلاً۔

1- اس سلسلہ کے تمام تر اصول و فروعات میں کامل اتباعِ سنت واجتناب بدعات مکمل طور پر رائج ہے۔

2- صحابہ کبار کی مکمل پیروی ہے مثلاً سادہ لباس و معاشرت ہے۔

3- ویسے ہی اذکار واشغال ہیں۔

4- وہی محاسبہء نفس اور ہر دم حضوری ہے۔

5- وہی آداب شیخ ہیں۔

6- کم ریاضتی ہے یعنی چلہ کشی نہیں ہے۔

7- نہ ہی قبور پرستی ہے۔

8- نہ ہجوم خواتین، نہ عورتوں کو شیخ سے بے پردگی کا حکم ہے۔

9- نہ سجدۂ تعظیمی ہے، سر جھکانا نہ بوسہ دینا اور نہ ہی شیخ کی قدم بوسی کی اجازت ہے۔

10- نہ توحید وجودی اور نہ دعویٰ انا الحق ہے۔

سیدھے سیدھے اتباعِ قرآن وسنت اور ذکرِ الٰہی کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک تو یہ بات واضح ہوئی کہ تصوف کیا ہے؟ کہاں سے ثابت ہے؟ اور دین میں اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ نیز تصوف سے متعلق چند بنیادی مسائل کو ہم نے ''تصوف سے متعلق چند اشتباہ'' کے تحت جانا۔ اب یہ دیکھتے ہیں کہ انسان راہِ طریقت میں جب قدم رکھتا ہے تو اُسے کس کس چیز سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے تو اسے مرشدِ کامل کی ضرورت ہے۔ وہ جو حقیقی ولی اللہ ہو۔ ولی اللہ کے لئے ولایت کا حامل ہونا شرط ہے تو پھر مرحلہ وار دیکھتے ہیں کہ ولایت کیا ہے؟ پھر ولی کون ہے؟ اور پھر مرشدِ کامل کی پہچان اور اس سے متعلق پائے جانے والے شبہات کا ازالہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ولا یت

1- تحقیق ولایت :۔

اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہ ذہن میں آ تا ہے کہ ولایت کیا ہے؟۔

تو ولی کہتے ہیں دوست کو۔ ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ۔گویا ولایت اس قرب کا نام ہے جو اللہ کا بندوں کے ساتھ ہے۔

اس ضمن میں درج ذیل آیاتِ قرآنی نقل کی جاتی ہیں۔

1- ونحن اقرب اليه من حبل الوريد	اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں۔
2- وهو معكم اين ما كنتم	اور وہ (اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔
3- واسجدو اقترب	اسکے حضور پیشانی رکھ دے اور اس کا قرب حاصل کر۔ (از۔عمدۃ السلوک وارشاد الطالبین)

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''ولایت کیا ہے؟ بندے کا وہ فیصلہ جو وہ ایک لمحے میں کرتا ہے کہ مجھے کیا چاہئے۔ اور اللہ کی وہ عطا جو عمر بھر اسے اپنا بنائے رکھنے کی صورت میں عطا ہوتی ہے۔''

قرب الٰهی کی نوعیت :۔

ولایت کے لئے قرب شرط ہے تو اللہ کے ساتھ قرب کی نوعیت کیا ہوگی جبکہ اللہ کی ذات پہ ہمارا ایمان اور عقیدہ اس طرح سے ہے کہ

ليس كمثله شئ في الذات ولافي الصفات ولافي شيء من الاعتبارات	یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل نہ کوئی چیز ذات میں ہے نہ صفات میں اور نہ اعتبارات میں سے ہے۔

☆ صاحب عمدۃ السلوک بہت خوبصورت انداز میں وضاحت فرماتے ہیں کہ:

''پس یہ قرب خالق اور مخلوق کے درمیان ایک نسبت ہے اس میں قرب زمانی اور قرب مکانی بھی ہے چوں (وچگوں) اور بے مثل ہے (یعنی اس میں وقت زمانے اور جگہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے) اور یہ قرب عقل و احساس سے حاصل نہیں ہوتا اگر ہو سکتا ہے تو صرف علم موہوب (وہبی علم یعنی عطائے الٰہی) ہی سے حاصل ہو سکتا ہے کہ جو علم حضوری کے مناسب ہے۔ نیز یہ قرب ہمارے لئے دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ ان پہ ایمان لانا واجب ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بے جہت و بے کیف قطعی دلیلوں سے ثابت ہے نہ کہ عقل

سے اور اس پہ ایمان لانا واجب ہے۔''

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ :

''وہ بے کیف نسبت جس کو ولایت کہتے ہیں کبھی کبھار نظر کشف میں جسمانی قرب کی صورت میں متمثل ہوتی ہے جتنی زیادہ اس قرب میں ترقی ہوتی ہے کشفی نگاہ میں یوں دکھائی دیتا ہے گویا ذات باری تعالیٰ کی سمت سیر کر رہا ہوں یا اس کی ایک صفت سے دوسری کی طرف جا رہا ہوں۔ اسی مثالی صورت کی بناء پر اس نسبت کو اللہ تعالیٰ کا قرب کہتے ہیں اور اس ترقی کو سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر) سیر فی اللہ (اللہ کے اندر سیر) اور سیر من اللہ (اللہ کی طرف سے سیر اور سیر باللہ (اللہ کے ساتھ سیر) کہا جاتا ہے''۔ واللہ اعلم

(ارشاد الطالبین)

بعثتِ انبیاء کا مقصد :۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ :

''اول تصحیح عقائد، دوم تصحیح اعمال، سوم تصحیحِ اخلاص''

(تفہیمات الٰہیہ)

العُلماء ورثہ الا نبیاء :۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :

''عالم جب تک تصوف و سلوک سے بے بہرہ ہے نہ وارث رسول ہے نہ نائبِ رسول''

☆ ''تفہمات الہیہ'' سے دلیل پیش فرماتے ہیں کہ :

''خلیفہء رسول صرف وہ شخص ہوگا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں۔ کتاب اللہ و سنتِ رسول کو یاد کیا ہو اور قوانینِ علم السلوک اور تربیت السالکین میں کوشش کی ہو۔''

(دلائل السلوک)

☆ شیخ المکرمؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ :

''یہ ضروری نہیں کہ عالم صوفی بھی ہو لیکن یہ لازم ہے کہ ہر صوفی عالم بھی ہوگا''

2- ثبوتِ ولایت

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں حدیث جبرئیل پیش فرماتے ہیں :

حدیثِ جبرئیل کا مفہوم :۔

''تمام عقائد اسلامی کی پرسش و تائید کے بعد حضرت جبرئیل نے کہا کہ مجھے احسان کے متعلق بتایئے رسول خدا نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس حدیث کی شرح میں اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :

''کتب حدیث میں حدیث جبرئیل کو اصولِ دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام' ایمان اور احسان سے مرکب فرمایا گیا ہے''

ان تینوں کی وضاحت میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بیان لاتے ہیں کہ :

''اسلام سے مُراد فقہ' ایمان سے عقائد اور احسان سے مراد اصل تصوف ہے''

(دلائل السلوک)

اثباتِ ولایت میں دلائل :۔

اثباتِ ولایت سے متعلق مندرجہ ذیل دلائل ''عمدۃ السلوک'' اور ارشاد الطالبین'' میں پیش کئے گئے ہیں۔

دلیل اول :۔

اس میں حدیثِ جبرئیل اور اس کی وضاحت بیان فرمائی گئی ہے کہ :

اس حدیث سے معلوم ہوا عقیدوں اور عملوں سے الگ ایک خوبی ہے جس کا نام احسان ہے اور اس کو ولایت پکارتے ہیں۔ کیونکہ احسان کی جو صورت بیان فرمائی گئی ہے وہ اولیاء اللہ کی ایک حالت ہوتی ہے جس میں صوفیا پہ اللہ کی محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے جس کو صوفیا ''فنائے قلب'' کہتے ہیں اس حالت میں دل مشاہدہ حق میں ڈوبا رہتا ہے اور غیر کی طرف خیال نہیں کرتا۔ اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے کہ گویا وہ خدا تعالٰی کو دیکھ رہا ہے صوفی اول اپنے آپ کو تکلف سے اس حالت پہ رکھتا ہے جو حضورؐ نے بیان فرمائی کہ :

''خدا تعالٰی تجھے دیکھ رہا ہے''۔

دلیل دوم :۔

یہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ :

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اگر وہ درست اور نیک ہو جائے تو تمام بدن نیک اور ٹھیک ہو جاتا ہے اور خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے''۔

اس کی شرح میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :

''بلاشبہ دل کی پاکی جو بدن کے صالح بن جانے کا سبب ہے اسی کو صوفیا ''فنائے قلب'' کہتے ہیں کیونکہ جب دل محبت الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے تو نفس دل کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے اس سے متاثر ہو کر اپنی سرکشی سے باز آ جاتا ہے اور اللہ کی خاطر محبت و بغض رکھنا سیکھ لیتا ہے۔ تو خود بخود ہی تمام بدن شریعت کا فرمانبردار بن جاتا ہے''۔

ایک اعتراض :۔

اگر کوئی کہے کہ قلب کی اصلاح ایمان و اعمال کے سوا اور کسی چیز سے نہیں ہوتی تو قاضی صاحبؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ :

''حدیث شریف میں قلب کی اصلاح کو اصلاحِ دین کا سبب بتایا گیا ہے اور بدن کی اصلاح اعمالِ صالح سے ہوتی ہے۔ لہٰذا قلبی اصلاح سے مراد اگر صرف ایمان لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مجرد ایمان تو بدنی اصلاح (یعنی اعمالِ صالح) کے بغیر بھی باقی رہتا ہے۔ اور اگر اعمال (صالح) اور ایمان کو ملا کر قلبی اصلاح کہا جائے تو اس صورت میں دل کو بدنی اصلاح کا سبب قرار دینا درست نہ ہوتا جو کہ حدیث شریف

کے خلاف ہے۔'' (گویا یہ حدیث شریف کی مخالفت ہو جائے گی)

دلیل سوم:۔

اس بات پہ امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ صحابہ غیر صحابہ سے افضل ہیں حالانکہ علم وعمل میں غیر صحابہ کے ساتھ شریک ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حدیث پاک ہے کہ:

''اگر کوئی اللہ کی راہ میں کوہ احد کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ اس نصف صاعؔ کے برابر نہیں ہو سکتا جو صحابہ نے راہ خدا میں خرچ کئے۔''

سبب:۔

''پس اس کا سبب بجز اس باطنی کمال کے اور کچھ نہیں کہ صحبتِ پیغمبر کی وجہ سے ان کا باطن (قلب) حضورؐ کے قلب سے نورانی بن چکا تھا (یعنی انہوں نے بغیر کسی وسیلے کے آپؐ سے فیض حاصل کیا تھا) اولیاء اللہ کو اگر یہ نعمت ملی تو اپنے مرشدوں کی صحبت سے ملی کیونکہ ان ہی کے واسطے سے وہ قلبِ نبوی کے انوارات سے منور ہوئے۔ پس معلوم ہوا کہ ظاہری کمالات کے علاوہ ایک کمال باطنی بھی ہے۔ اس کے بے انتہا درجات ہیں اور اسکی تائید احادیث سے ملتی ہے''۔ (ارشاد الطالبین)

دلیل چھارم:۔

قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اہل دین کی ایک بہت بڑی جماعت جس کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلاً محال ہے اور ایسی جماعت جس کے ایک ایک فرد کی تقویٰ وعلم کی وجہ سے ایسی شان ہے کہ جھٹلانا تہمت لگانے جیسا ہے وہ اہل جماعت قلم کی زبان سے (تحریراً) اور زبان کے قلم سے (یعنی قولاً) یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہم کو مشائخ کی صحبت سے جن کی صحبت کا سلسلہ حضورؐ تک پہنچتا ہے ہمارے باطن وقلب میں ایک ایسی حالت وکیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ جو ان عقائد وفقہ سے الگ ہے جن سے ہم صحبت سے پہلے واقف تھے بلکہ یہ حالت جواب حاصل ہوئی اس کی وجہ سے ہمیں خدا کی محبت' اس کے دوستوں کی محبت اور نیکی کی توفیق اور اعتقادات میں رسوخ زندہ ہو گیا ہے یہ حالت جو خود ایک کمال ہے دیگر تمام کمالات کی بنیاد ہے''۔

(ارشاد الطالبین)

چند دیگر دلائل:۔

''مقاماتِ تصوف'' میں مندرجہ بالا کے علاوہ دو عدد مزید دلائل بھی شامل ہیں جو مختصراً کچھ یوں ہیں کہ:

دلیل اوّل:۔

یاایھاالذین امنوا امنوا باللّٰہ و رسولہ	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لے آؤ۔

وضاحت:۔

''ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ ایمانِ اوّل کے لئے شریعت ہے اور ایمانِ ثانی کے لئے طریقت ہے اور ایمانِ ثانی میں کمال ہی ولایت ہے۔''

دلیل دوم:۔

یہاں وہ حضرت موسیٰؑ وخضرؑ والا واقعہ بیان کرتے ہیں جو سورہ کہف میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک اور علم بھی ہے جسے علم لدنی یا علم باطنی کہتے ہیں اس کی خبر اسی سورہ میں موجود ہے۔''

قرآن کہتا ہے۔

فوجدعبدا من عبادنا اتینہ رحمۃ	پس موسیٰ اور اس کے ساتھی نے ہمارا ایک بندہ پایا
من عندناو علما من لدنا علما	جس پر ہماری خاص رحمت نازل ہوئی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے خاص علم سکھایا تھا۔

نیز حضرت ابوہریرہؓ کا قول بیان فرماتے ہیں کہ:

''مجھ کو رسولِ خدا سے دو علم پہنچے ہیں ایک تو وہ جسے میں نے لوگوں تک پہنچایا ہے اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر ظاہر کروں تو خلقِ خدا میرا حلق کاٹ دے۔''

(مقاماتِ تصوف)

3- ولایت کی اقسام:۔

ولایت کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں جبکہ اس کے اندر مدارج بے شمار ہیں۔

1- ولایت عامہ:۔

کتب تصوف کے مطابق صرف ایمان ہونا بھی ولایت کا ایک درجہ ہے اس لحاظ سے ہر مسلمان ایک حد تک ولی اللہ ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔

i- واللہ ولی المومنین	اور اللہ مومنین کا دوست ہے
ii- اللہ ولی الذین امنوا	اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔

حضرت شیخ المکرم اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''دراصل ایمان کی بقاء کا سبب بھی یہی ولایت ہے۔ اللہ سے تعلق کی صورت نہ رہے تو ایمان بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے گناہ گار کو اگر توبہ نصیب نہ ہو تو گمراہ ہو کر عقیدے کے فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے''۔

(کنز الطالبین)

2- ولایتِ خاصہ:۔

کتبِ تصوف کے مطابق البتہ معتبر صرف وہی قرب ہے جسے ولایت خاصہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ ہی مرتبہ محبوبیت ہے۔ اسی کا ذکر حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ	اس جیسا اور کوئی قرب نہیں پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں:

''ولایتِ خاص یہ ہے کہ بلا کسی امید وبیم کے خدا کی یاد دل میں ایسی مستحکم ہو اور ذاتِ پاک سے دل کا تعلق اس قدر مضبوط ہو کہ راحت ہو یا تکلیف کسی حال میں اسے غفلت نہ ہو۔ اصطلاح صوفیا میں اسے نسبت ومشاہدہ کہتے ہیں جو مرتبہ فنا بقاء کے بعد حاصل ہوتا ہے''۔

(مقاماتِ تصوف)

حضرت شیخ المکرّم اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''ولایتِ خاصہ کے حامل یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں کا ذاتِ باری سے رابطہ ہوتا ہے اور اللہ کے روبرو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ نہ رواج' نہ دولت نہ سطوت' نہ ہی ظالم کا ظلم وستم' ساری کائنات بے اثر ہو جاتی ہے سوائے ایک نام کے ایک ذات کے' اللہ' اسی کی آرزو' جستجو اور طلب باقی رہ جاتی ہے''۔

(کنز الطالبین)

نیز حضرت شیخ المکرّمؒ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''ولایتِ خاصہ کی جو نشانی اللہ نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب مانا اور پھر اس پر ڈٹ گئے تو ان پہ حیات دنیا میں بھی اور عند الموت بھی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو انہیں بشارت دیتے ہیں اور ہر خوف وفکر سے آزادی کی خبر دیتے ہیں ۔ مگر کون اپنے اس فیصلے پہ کہاں تک قائم رہا اس کا فیصلہ اللہ کریم خود ہی فرمائیں گے اگر خود اس شخص کو (اپنی ولایت کا) ادراک ہو بھی تو دوسرے لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے؟ لہٰذا ہر نیک اور باعمل مسلمان سے حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ ولی اللہ ہے ۔ اصل فیصلہ اللہ کے پاس ہے ہاں یہ کہنا درست ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے یا اسے کوئی ذرہ معرفت کا حاصل ہے''۔

(کنز الطالبین)

4- ولایت کسبی ھے :۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:

''ولایت کسبی ہے اور صرف نبوت وہبی ہوتی ہے ۔ وہبی اور کسبی میں یہ فرق ہے کہ جو چیز وہبی ہے اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت درکار نہیں ہوتی اللہ کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے دوسری جو چیز کسبی ہے اس میں بھی بات سراسر محنت کی نہیں ہے بات طلب کی ہے بات انابت' جستجو اور آرزو کی ہے وہ آرزو جو طلب کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے کسبی چیز بھی دیتا وہی اللہ ہے ملتی وہبی طریقہ سے ہی ہے محنت کے معاوضے میں نہیں ملتی کیونکہ انسان اتنی محنت تو کر ہی نہیں سکتا انسان تو جتنی نعمتیں ہر روز استعمال کرتا ہے مثلاً طاقت' صحت' قوتِ بینائی' گویائی' شنوائی وغیرہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا ۔ (تو محنت سے ولایتِ خاصہ کیسے حاصل کر سکتا ہے) لیکن جب وہ دل سے طے کر لیتا ہے کہ مجھے اللہ کا قرب' اللہ کی رضا' اس کی ولایت اس کی دوستی اور پناہ چاہئے اور یہ اس کی ساری محنت ہے (اس لئے ولایت کو کسبی کہتے ہیں) اس سے آگے وہ (اللہ) خود بڑھ کر تھام لیتا ہے ۔ دل میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کی اطاعت آسان ہو جاتی ہے گویا اتباعِ شریعت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے ۔ پھر جس قدر دل میں خلوص بڑھتا چلا جاتا ہے اعمال کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے''۔

(استفادہ از کنز الطالبین)

5- حصول ولایت کا طریقہ :۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''درحقیقت ولایت بہ نیابتِ نبوت ہوتی ہے اور ولی اللہ کا فرضِ منصبی ہوتا ہے کہ جو برکات وہ نبی اکرمؐ سے حاصل کرتا ہے وہ اللہ کے

بندوں تک پہنچائے۔اب اگر کوئی اللہ کا قرب اس کی رضا چاہتا ہے تو خلوص دل کے ساتھ کسی ولی اللہ کے دروازے پر جم جائے۔ولایت وہ نعمت ہے جو صرف ولی کے پاس ہوتی ہے یعنی قربِ الٰہی اور یہ نصیب بھی وہیں سے ہوتی ہے(نہ کسی مکتب مدرسے سے نہ کتابوں سے)اور ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ فیصلہ کرنا ہمارا اپنا ذاتی کام ہے طلبِ الٰہی اور اس کی رضا کی تلاش میں سب کچھ ہار دینا چاہئے جس دل سے یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا اس کے لئے نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی ہادی کیونکہ کوئی ولی، کوئی نبی کسی سے زبردستی فیصلہ نہیں کروا سکتا۔اس لئے کہ یہ اللہ کا قانون ہے اس نے یہ اختیار ہر انسان کو بخشا ہے۔ہاں اگر وہ خود اصل مقصد اپنے دل میں طے کر لے(جو حصول کیفیات، رضائے باری وقربِ الٰہی ہے)تو پھر اہل اللہ اس کے اس طرح کام آتے ہیں کہ وہ درد جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے"۔

(اکتساب از، کنز الطالبین)

6- ایک تنبیھہ:۔

المائدہ کی تفسیر میں حضرت شیخ المکرم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"بنی اسرائیل سے اللہ کریم نے اطاعت کا وعدہ لیا اور اس کے پورا کرنے پہ فرمایا کہ **انی معکم**(یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں)یوں تو اللہ ذاتی طور پر ہر جگہ موجود ہے مگر معیت کے معنی ہیں اس کا اپنی رضا اور خوشنودی سے ساتھ ہونا۔ذاتی، خانگی یا قومی کوئی سے امور ہوں معیتِ باری اتنا بڑا انعام ہے کہ یہ ساری ولایت کا خاصہ ہیں نیز چونکہ معیت کا مدار انسان کی طرف سے اطاعت کا وعدہ پورا کرنے پر ہے اگر پورا نہیں کرے گا تو محروم ہو جائے گا اس لئے کہ جب شرط نہ رہے تو مشروط بھی نہیں رہتا(گویا)بڑے سے بڑا ولی بھی تب تک ولی ہے جب تک اطاعت شعار ہے اطاعت گئی تو ولایت بھی گئی"۔

(اسرار التنزیل)

نیز ایک جگہ فرمایا:

"آج کل مسلمانوں میں ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو جب بزرگ قرار دیا جاتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں معاف ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے برائی برائی اور خطا خطا ہے، چاہے وہ کسی بڑے آدمی سے سرزد ہو یا چھوٹے سے۔بلکہ اگر کوئی نیک صالح آدمی ہے یا اسے منازلِ قرب حاصل ہیں تو اس کی چھوٹی غلطی بھی بہت بڑی شمار ہوتی ہے۔گناہ ہر حال میں گناہ ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے ہاں(سچا ولی وہ ہے کہ)اگر اس سے بحیثیت انسان کوئی خطا ہو جائے تو وہ اسے عادت نہیں بناتا بلکہ توبہ کرتا ہے اور رجوع الی اللہ کرتا ہے"۔

(کنز الطالبین)

7- ولی کون ھے؟

ولی وہ شخص ہے جو ولایت خاصہ کا حامل ہو۔آپ اسے ولی اللہ کہیں، شیخ کہہ لیں، مرشد، پیر یا حضرت کہیں بہر صورت صرف وہ شخص منصب کا حق دار ہے جو خود ولایتِ خاصہ کے مدارج طے کر رہا ہو اور سالکین یا مریدین کو بھی مقاماتِ سلوک تک لے جانے کا اہل ہو۔

حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو ولی کی نشانی یہ ہے کہ شریعت کے ظاہر پر اس کو پوری استقامت حاصل ہو۔" کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اولیااللہ الا المتقون	صرف متقین ہی اللہ کے اولیاء ہیں

اس ضمن میں درج ذیل احادیثِ مبارکہ بھی پائی جاتی ہیں :

الحدیث:۔

رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ اولیاءاللہ کی نشانی کیا ہے؟

ارشادفرمایا: جن کو دیکھ کرخدایادآ جائے۔

الحدیث :۔

بغوی کی روایت ہے کہ :

''تحقیق میرے بندوں میں میرے اولیاءوہ ہیں جن کی یادمیری یادآ جانے سے آتی ہےاورجن کی یادآ جانے سے میں یادآ جاتا ہوں''

ایک غلط فھمی کا ازالہ:۔

حضرت شیخ المکرّم ایک غلط فہمی کاازالہ فرماتے ہیں کہ :

''آج کل کی اصطلاح میں ولی وہ ہے جس کا نہ کوئی گھر گھاٹ ہو' لباس سے آزاد ہو' جسے نہ حلال حرام کی تمیز ہو' نہ وہ احکامات شرعی کا پابند ہو۔حالانکہ درحقیقت ولی وہ ہے جواس حال میں بھی کہ وہ ایک عام آدمی کی زندگی بسر کرتا ہو'ضرویات رکھتا ہو' گھربار بیوی بچے بھی ہوں' کاروبار بھی ہواوراس سب کے باوجودوہ ثابت کرتا ہو کہ وہ اللہ کا اطاعت گزار بندہ ہے۔کیونکہ صرف تب ہی وہ اس قابل بھی ہے کہ دوسروں کوبھی اطاعت کی دعوت دے سکے''۔

(کنزالطالبین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرشد کامل

کسی ولی کامل کوبطور روحانی استاد کے اختیار کرنا مرشد اختیار کرنا کہلاتا ہے۔ گویا ایسا ولی اللہ جو دوسروں کی روحانی تربیت کرسکتا ہو مرشد کہلاتا ہے۔ حصول ولایت کے لئے مرشد کامل کی تلاش اور پھر صحبت شرط ہے لیکن اس سے قبل یہ جان لینا اشد ضروری ہے کہ مرشد کامل کون اور کیسا ہوتا ہے؟ تو پہلے دیکھتے ہیں کہ مرشد کامل کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ اور پھر یہ کہ اس میں کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے یعنی شرائط مرشدِ کامل۔

1- مرشد کامل کی ضرورت و اهمیت :۔

☆ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں

''مشائخ دو قسم کے ہیں ایک مشائخِ شریعت' ایک مشائخِ معرفت' شیخِ شریعت تجھ کو مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخ طریقت تجھ کو قرب خداوندی کا راستہ بتائے گا''۔

☆ نیز ''الفتح الربانی مجلس نمبر 50 ''میں آپ تفصیلاً فرماتے ہیں کہ :

''اے راہِ آخر کے مسافر تو ہروقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ اس کے ساتھ حسن ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو وہ تجھے واقف کار بنادے گا اور خدا کے قریب پہنچا دے گا اس کے بعد تیری شرافت وصداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا۔ یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہل قافلہ کا سلطان بنادے گا' پس تو قائم رہے گا یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی کے پاس لائے گا اور تجھے آپؐ کے سپرد کردے گا۔ پھر آپؐ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی اس کے بعد آنحضرتؐ تجھ کو نائب بنادیں گے قلوب' کیفیات اور معنی پر' پس تو حق تعالی اور اس کی مخلوق کے درمیان سفراور نبیؐ کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف' یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے''۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ ضرورتِ طریقت وشیخ یوں واضح فرماتے ہیں کہ :

''عزیزِ من ! طالبِ صادق کا فقدان ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا علماء بھی اس کی ضرورت کے احساس سے محروم ہیں اِلا ماشاءاللہ علماء کا کہنا ہے کہ ظاہری شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کماحقہٗ عمل ہو ہی نہیں سکتا **لا الہ الا اللہ** پڑھنے سے الٰہ ظاہری کی نفی تو ہو گئی مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہو گا الٰہ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی۔''

فرمایا:۔

’’علمائے ظاہر حلال وحرام بیان کر سکتے ہیں مگر حلال حرام میں تمیز نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا انحصار نورِ بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کے لئے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں' وہم' عقل اور نورِ بصیرت۔ عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نورِ بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں۔ عالم ظاہر بین نورِ بصیرت سے محروم ہے یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علماء ربانیین اور صوفیاء کرام کو ملتی ہے۔‘‘

فرمایا:۔

’’تو دوستو! یہ دولت تصوف کے ادارے قائم کرنے سے نہیں ملتی نہ ہی تصوف کے جرائد جاری کرنے سے ہاتھ آتی ہے' نہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبتِ شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔‘‘

(دلائل السلوک)

2- شرائط مرشدِ کامل :

☆ اعلیٰ حضرتؒ درج ذیل شرائط بیان فرماتے ہیں:

1- عالمِ ربانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

2- صحیح العقیدہ ہو۔ کیونکہ فسادِ عقیدہ اور تصوف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔

3- متبع سنتِ رسولؐ ہو۔ کیونکہ سارے کمالات حضورؐ کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

4- شرک وبدعت کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت وگمراہی ہے۔

5- دنیا دار نہ ہو۔ کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

6- علمِ تصوف میں کامل ہو۔ کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔

7- شاگردوں کی تربیتِ باطنی کے فن سے واقف ہو اور کسی ماہرِ فن سے تربیت پائی ہو۔

8- حضورؐ سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واسطہ ہیں۔

☆ عمدۃ السلوک میں مرقوم ہے کہ:

’’پیر کی چند شرطوں کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح طور پر کامل پیر کی تلاش ہو سکے‘‘

پھر شرائط قلمبند کی گئی ہیں جو مختصراً یہ ہیں:

شرطِ اول :۔

قرآن مجید اور حدیث کا علم ہونا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ کہ نہایت درجہ عالم ہو۔ بلکہ شرع کے احکام وخلافِ شرع باتوں سے واقف ہو۔

شرطِ دوم:۔

عدالت وتقویٰ ہونا۔ یعنی کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ پر اڑتا نہ ہو۔ نیز تقویٰ اس لئے شرط ہے کہ بیعت دل کی صفائی کے لئے شرط ٹھہری

شرطِ سوم:۔

دنیا سے نفرت کرنے والا ہو اور آخرت سے لَو لگانے والا ہو۔ ذکر اذکار کی پابندی کرتا ہو اور دل کا تعلق ہمیشہ اللہ سے قائم ہو۔

شرط چھارم:۔

شرع کی باتوں کا حکم کرتا ہو اور خلافِ شرع کاموں سے روکتا ہو۔ اپنی رائے پہ مضبوط ہو اور ہر دم خیالی نہ ہو۔ مروت اور عقلِ سلیم والا ہو تاکہ اس کے بتائے ہوئے اور روکے ہوئے کاموں پر بھروسہ کیا جا سکے۔

شرطِ پنجم:۔

''بیعت لینے والا خود ایسے کامل پیروں کی صحبت میں رہا ہو جن کا سلسلہ تعلق آنحضورؐ تک پہنچتا ہو۔ ان سے ادب اور دل کا نور واطمینان سیکھا ہو۔ کیونکہ جس طرح ظاہری علوم عالم واستاد کی صحبت کے بنا نہیں آتے اسی طرح باطنی علوم کے لئے بھی بزرگوں کی صحبت نہایت ضروری ہے''۔

☆ حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں:

پھلی شرط:۔

دین کا علم ضرور رکھتا ہو۔

دوسری شرط:۔

عملی زندگی میں کامل اتباعِ رسولؐ ہو۔

تیسری شرط:۔

نہ صرف خود ماہرِ طریقت ہو بلکہ دوسروں کو سکھانے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔

پھر آپ ان شرائط کی وضاحت بیان فرماتے ہیں کہ:

''پہلی دو شرائط تو صورتِ عمل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن تیسری شرط حقیقت عمل سے اور روحِ عمل سے متعلق ہے۔ یہی شق دراصل شیخ کے کمال کی نشانی ہے۔ عام استاد صورتِ عمل سکھائے گا یا اس کی اصلاح کرے گا مگر شیخِ کامل عمل کی روح اور اس کی حقیقت کی اصلاح کرتا ہے۔ واقعی تصوف تصفیہ قلب کا نام ہے''۔

(کنز الطالبین)

☆ حضرت سلطان باہوؒ 'مرشد کامل کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''مرشدِ کامل' عارف باللہ اور فنافی اللہ وہ شخص ہوتا ہے کہ اگر طالب اللہ کو ریاضت کرائے تو سالہا سال تک اور اگر مہربانی کرے تو ایک لحظہ میں وصال کرا دے۔ جس پر نوازش کرے اسے ایک ہی نظر میں اپنے مرتبے تک پہنچا دے''۔

نیز ایک جگہ فرمایا:۔

''پیر اسے کہتے ہیں جو پیغمبرِ خدا کی پیروی کرے اور ان کے حضور پہنچا دے۔ حضرت محمدؐ تک پہنچنے میں کوئی عیب نہیں بلکہ یہ سیدھی راہ اور بھاری طریقہ ہے اور جو شخص حیات نبوی میں شک کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' مرشدِ کامل یا پیر حضرت محمدؐ کی مانند ہے اور ناقص پیر یا مرشد شیطان کی طرح ہے اس کی خدمت میں عمر نہ ضائع کرو وہ راہزن ہے۔ بلکہ جو مرشد اس راہ کی توفیق نہیں رکھتا وہ ارشاد کے لائق ہی نہیں۔ اس سے تو راہزن بہتر ہے۔''(کیونکہ وہ مال لوٹتا ہے اور یہ ایمان)

(نور الھدیٰ)

☆ ابوعبداللہ سالمی سے دریافت کیا گیا کہ لوگ اولیاء اللہ کو کس طرح پہچانیں؟

تو آپ نے بہت ہی خوبصورت علامات ونشانیاں بیان فرمائیں۔

فرمایا:۔

''اولیاء اللہ کو پہچانو

1- زبان کی نرمی سے

2- تازہ روئی سے

3- حسنِ اخلاق سے

4- نفس کی سخاوت سے

5- اعتراض کی کمی سے (نہ خالق پہ اعتراض نہ مخلوق پر)

6- ہر معذرت چاہنے والے کا عذر قبول کرے جو اس سے معذرت چاہے۔

7- اور ساری مخلوق پر پوری طرح شفقت ومہربانی کرتا ہو خواہ وہ نیکوکار ہوں یا بدکار'' (حیات الصوفیہ)

☆ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں:

پیرومرشد وہ ہے کہ:

1- اس کی معرفت کا نور اس کے پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھاوے

2- یہ کہ اندرونی علم کے ساتھ اس طرح بات نہ کرے کہ اللہ کی کتاب کا ظاہر اس کو ناقص کر دے (یعنی اس کا باطنی علم قرآن کے خلاف نہ ہو)

3- یہ کہ جو چیزیں اللہ نے حرام کردی ہیں ان کی توہین کر کے بزرگی حاصل نہ کرے (یعنی حدود اللہ کو توڑ کر اپنی بزرگی کی بنیاد نہ رکھے)

☆ مقاماتِ تصوف میں ''شیخ کامل کی شناخت'' کے تحت درج ہے کہ:

1- وہ شریعت کا پورا پورا متبع ہو

2- بدعت وشرک سے محفوظ ہو

3- جہل کی بات نہ کرتا ہو

4- اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھے

5- توبہ الی اللہ حاصل ہو (اس کے پاس بیٹھنے سے)

6- جو بھی اپنا باطنی مرض بیان کیا جاوے وہ اسے پوری طرح سے سنے اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو۔

3- مرشدِ کامل سے متعلق چند اشتباہ:۔

شرائطِ مرشدِ کامل جان لینے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ تلاشِ مرشد کامل کا طریقہ معلوم کیا جائے لیکن اس سے پہلے مشائخ سے متعلق تمام شکوک وشبہات کا دور ہونا بہت ضروری ہے اس میں دو طرح کی باتیں شامل ہیں یعنی افراط اور تفریط دونوں پہلوؤں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ جو لوگ بزرگوں اور مشائخ کے قائلین ہیں ان کے مشائخ سے متعلق عقیدے اور ادب میں جو افراط اور غلو یعنی زیادتی پائی جاتی ہے اس کا ازالہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ نہ ماننے والوں کے بے جا اعتراضات کا بھی ازالہ ہو

سکے نیز یہ واضح ہو سکے کہ شیخ یا مرشدِ کامل کا صحیح منصب و مقام کیا ہے۔ایک صحیح' واضح اور جائز تصور یا صورت ہمارے سامنے آ سکے۔ایک کوشش یہ بھی کی گئی ہے کہ ایک عام انسان اور خصوصاً عام مسلمان کے ذہن میں اُٹھنے والے سوال بھی مدنظر رکھے جائیں جو مشائخ سے متعلق ہوں اور کسی بھی ذہن میں کبھی بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔اسی وجہ سے یہ Topic دیگر تمام کی نسبت ذرا مفصل ہے۔

1- ولی کا لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دینا:۔

یعنی کیا ولی لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے یا نہ دے تو اس ضمن میں امام قشیریؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ:

''ولی کو اس بات کا حکم نہیں دیا جاتا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے لیکن اگر وہ ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہوں دعوت دے تو یہ جائز ہے۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

گویا یہ ایک جائز فعل ہے جہاں تک حکم دیئے جانے کا تعلق ہے بعض مشائخ کے حالات میں اس کی بھی مثال ملتی ہے مثلاً:

شیخ عبدالقادر جیلانی سے متعلق ملتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں تم لوگوں سے بات کیوں نہیں کرتے میں نے عرض کی ''میں عجمی ہوں میں کیسے بات کروں تو آپؐ نے اپنا لعاب مبارک تین مرتبہ میرے دہن میں ڈالا'' اور پھر شیخ جیلانی کا درس تو آج تک مشہور ہے۔

اس طرح اعلیٰ حضرتؒ سے متعلق ملتا ہے کہ شروع میں سلسلہ عالیہ میں نہ ظاہری بیعت کا سلسلہ تھا اور نہ عام دعوت دی جاتی تھی۔پھر اعلیٰ حضرتؒ کو دربارِ نبوی سے حکم ہوا کہ لوگ غلط کاروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور بیعت کر لیتے ہیں اور تب سے بیعتِ عامہ کا آغاز ہوا اور روحانی تربیت و تزکیہ کی دعوت عام دی جانے لگی

نوٹ:۔اس کی مکمل تفصیل حضرت کے خطاب میں بھی ملتی ہے اور کتب سلسلہ میں بھی موجود ہے۔

2- ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا:۔

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''اہل حق کو اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ نہیں۔''

امام قشیریؒ اپنے شیخ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

☆ ابوعلی وقاق کا قول:۔

''ان کے نزدیک ولایت کا علم ہونا جائز ہے اور اکثر اسی قول کو ترجیح دی جاتی ہے نیز آپ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے مگر یہ تمام اولیاء کے لئے ضروری بھی نہیں کہ ہر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو چنانچہ بعض کو علم ہو سکتا ہے اور بعض کو نہیں اور بعض کو اس بات کا علم ہو جائے تو یہ اس کی مخصوص کرامت ہوگی''۔

(رسالہ قشیریہؒ)

☆ حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں کہ:

''مناصب کے اعتبار سے حالات عالم صوفیاء کے وجود سے وابستہ ہوتے ہیں لیکن اس میں عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ کرشمہ قدرت سے اہل اللہ کو اکثر ان کی زندگی میں اپنے منصب کا پتہ نہیں چلتا مگر ان سے کام لیا جا رہا ہوتا ہے''۔

(کنز الطالبین)

نیز آپ کے خطاب میں بھی اکثر اس بات کی تائید ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''جیسے سورج کو ضروری نہیں کہ علم ہو کہ کون کون اس سے کہاں کہاں فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اجناس اُسی کی حدت سے پکتی ہیں۔ آدمی بھی اسی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں وہاں ایک چیونٹی اپنے انڈے بھی اُسی کی حرارت میں سینکتی ہے۔ اب چاہے سورج کو علم ہو یا نہ ہو جس جس فیض کی ترسیل پہ اسے مولا کریم نے مقرر کیا ہے وہ عمل میں آتی ہی رہے گی۔ یاد رکھیں ولایت کا پالینا اور بات ہے اور منتقل کرنا اور بات۔ یہ اللہ کریم کی اپنی مرضی کہ بعض کو صرف حصول تک محدود رکھتا ہے اور بعض کو تقسیم پر لگا دیتا ہے۔ تو کہیں اگر کسی کو ایسی صحبت نصیب ہو جائے کہ صاحبِ مجلس یہ دولت دوسروں کو بھی دے سکے تو یہ اللہ کریم کا اتنا بڑا انعام ہوتا ہے کہ جس کا اندازہ ممکن نہیں''

3- ولی کو معصوم عن الگناہ سمجھنا کفر:۔

''ولی کو معصوم عن الگناہ سمجھنا کفر ہے''۔

(ارشاد الطالبین از قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

''ولی انبیاء کی طرح لازمی طور پر معصوم نہیں ہوتے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو گناہ سے محفوظ رکھے یہاں تک کہ اگر ان سے کوئی کمزوری، غلطی یا لغزش سرزد ہو جائے تو اس پر ڈٹے نہ رہیں۔ اس طرح ان کو محفوظ کہنے میں کوئی حرج نہیں''۔

(رسالہ قشیریہؒ)

شیخ المکرّم کے نزدیک بھی یہی قول رائج ہے بلکہ ان سے زیادہ ڈرنے والا محاسبہ نفس کرنے والا، ایمان پہ خاتمہ کا متمنی اور عاقبت میں فلاح کا امیدوار میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔

4- کوئی ایک وقت میں ولی ہو اور بعد میں نہ رہے:۔

☆ امام قشیریؒ لکھتے ہیں کہ:

''بعض حضرات جنہوں نے ولایت کے حسنِ مواخات (اچھی طرح سے پورا کرنا) کی شرط لگائی ہے وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے کہ ولی کی عافیت بدل جائے مگر جو یہ کہتے ہیں کہ ولی اس وقت تو حقیقی مومن ہے اگر چہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی حالت بدل جائے تو یہ کوئی بعید نہیں''۔ خود امام قشیریؒ دوسرے قول کی تائید کرتے ہیں۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

☆ اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''ولی کو خاص مقامات پر اور خاص حالات میں خاص حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے لیکن بعض ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ آبِ حیات ہی ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے۔ کشف و مشاہدات اللہ کو روبرو دیکھنے کے لئے ہیں احکاماتِ الٰہی سمجھنے کے لئے اور گناہ اور نیکی کا نور دیکھنے کے لئے ہیں جب کوئی ان سے گمراہ ہوتا ہے تو اسے کون بچا سکتا ہے۔ یاد رکھو! مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں انہوں نے اللہ سے کوئی ایسی بدعہدی کی ہوتی ہے کہ یہ نسخہء حیات ان کے لئے موت کا سبب بن جائے۔ تو وہ مشاہدات کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتا اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے''۔

(طریق نسبتِ اویسیہ).

5- کیا ولی کا خوف جاتا رہتا ھے؟:۔

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں

اکابرین اولیاء پر خوف غالب رہتا ہے شاذ و نادر خوف زائل ہونے کا بھی امکان ہے (خصوصاً) بعض اوقات حالت جذب و استغراق میں۔مگر کا خوف ہو یا نجات د آخرت کا اکثر اکابرین ہمہ وقت محاسبۂ نفس کی حالت میں رہتے ہیں' چاہے اسے اپنی اُخروی حالت دِکھا بھی دی جائے۔تب بھی وہ مائل بہ گناہ نہیں ہوتے۔

جیسا کہ اصحاب بدر کے متعلق حضورؐ نے تصدیق فرمادی کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں چاہے وہ کچھ بھی کرلیں۔مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اس ''کچھ بھی'' میں تو گناہ بھی آجاتے ہیں تو دراصل اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ انہیں غزوہ بدر میں شمولیت کا انعام یہ ملا کہ اب ان کے دل مائل بہ گناہ اور مائل بہ نافرمانی ہوں گے ہی نہیں اور نتیجۃً جنت لازم ہے۔یعنی ان سے لذتِ عبادت دور ہوگی نہ اُخروی فلاح کی امید۔اسی طرح منازلِ قربِ الٰہی میں بھی ممکن ہے خاص منازل طے کرنے کے بعد یا اپنی ولایت کامل ہوجانے کے بعد صوفی بےخوف نہ ہوگا۔

☆ چنانچہ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے جس میں ہر درخت پر پرندے بیٹھے ہوں اور واضح الفاظ میں کہہ رہے ہوں''**السلام علیک یا ولی اللہ**''تو اس وقت اگر وہ اس بات سے نہیں ڈرے گا کہ یہ مکر ہے تو یقیناً وہ دھوکا کھا جائے گا''۔

6- ولی اور عبادت:۔

☆ حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

''اہل جہاں کی عبادتیں ایک ولی کی عبادت کے آگے سایہ یا پرتو کی حیثیت رکھتی ہیں اسی تناسب سے برکات میں بھی فرق ہے۔مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر ایک شخص پچاس ہزار سال عبادت کرے تو ادنیٰ اولیاء کے درجے کو پہنچے گا اور ولایت کا ادنیٰ مرتبہ پالے گا۔''

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تعرج الملئکة والروح اليه في يوم كان مقداره خمسين الف سنة	یعنی جبرئیل اور فرشتے حق تعالیٰ کے پاس اوپر چڑھتے ہیں ایک دن میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

اس آیت سے قاضی صاحب اوپر بیان کی گئی بات پر استدلال فرماتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''کامل درجہ عبادتوں سے قربِ الٰہی میں نہایت معتبر طریقے سے ترقی پاتے ہیں اور ناقص عبادتوں سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ قابل لحاظ درجہ نہیں ہوتا۔اس لئے ناقصوں کی عبادتوں کا ثواب کاملوں کی عبادتوں سے کم ہوتا ہے''۔

(ارشاد الطالبین)

☆ مولانا جامیؒ اس سلسلے میں ایک عمدہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھم اور ان کے احباب صوفیا ''حجر'' کی زمین پر موجود تھے اور آپس میں باتیں کررہے تھے ایک نوجوان کافی دور بیٹھا تھا۔قریب آیا اور بڑی چاہت اور عاجزی سے کہنے لگا''اے جوانمردو! میں ایک آدمی ہوں اور اس کام (یعنی قرب و معرفتِ الٰہی) کے گرد پھر رہا ہوں رات کو سوتا نہیں دن کو کھاتا نہیں۔اور تمام عمر اس کام پہ قربان کرنے کا تہیہ کرچکا ہوں ایک سال حج کرتا ہوں اور ایک سال جہاد۔پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اس تک رسائی نہیں حاصل ہوئی۔نہ ہی میں اپنے دل میں کوئی خبر پاتا ہوں''۔

لیکن اس کو کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ بھی بدستور پوچھتا رہا۔ آخران صوفیا میں سے ایک دوست نے کہا۔

''اے جوانمرد! جولوگ اس کام کے گرد ہوتے ہیں وہ اس کے چاہنے والے اور طالب ہوتے ہیں وہ لوگ عبادت وطاقت میں زیادہ کوشش نہیں کرتے بلکہ دیکھنے اور جلدتر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

☆ پھر شیخ الاسلام اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ:

''اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اطاعت وعبادت نہ کی جائے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی ہیں۔'' (چاہت کی تڑپ اور طلب کی صداقت)

''صوفی بے بندگی نہیں ہوتا'' نہ ہی حضراتِ صوفیا بندگی چھوڑتے ہیں لیکن تصوف عبادت گزاری کا نام نہیں اس کے باوجود صوفی ساری مخلوق سے زیادہ بندگی کرتے ہیں البتہ جو کرتے ہیں اس پر شمار نہیں کرتے اس کی مزدوری' اس کا بدل ثواب طلب نہیں کرتے اور ان کا سرمایہ دوسری چیز ہے جو صرف باطن میں ہے اور ظاہر میں نہیں یہ حضرات ظاہر کو تلبیس (بزرگی چھپانا) کے پردے میں رکھتے ہیں اور باطن کے ساتھ دوسرے جہاں میں جیتے ہیں۔''

(حیات الصوفیہ)

☆ شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''صوفی محفل میں بھی تنہا ہے اور تنہائی میں خود ایک محفل ہے۔ اس کا سونا اور جاگنا بھی عبادت ہے کیونکہ ہر گھڑی اس کا قلب واصل باللہ رہتا ہے''۔

ایک جگہ آپ نے اطاعت وعبادت میں فرق واضح فرمایا ہے کہ:

''خداوند تعالیٰ نے دو اختیار انسان کو بخشے ہیں اول زندہ رہنے کا حق اور دوسرا مذہب وعقیدہ رکھنے کا اختیار۔ امور تکوینی میں باقی ارض وسما کی طرح انسان بھی مکمل اطاعت کرتا ہے۔ مثلاً صحت بیماری' پیدائش و وفات وغیرہ۔ عبادت واطاعت میں ایک لطیف فرق ہے کہ ہر اطاعت عبادت نہیں۔ لیکن ہر عبادت اطاعت ہے وجہ یہ ہے کہ عبادت کے لئے معرفت شرط ہے کسی کی عظمت سے آشنا ہو کر اپنے تمام تر امور اس سے متعلق کر دینا عبادت ہے اور یہ شعور صرف انسان کے پاس ہے جن کی زندگی اس اصول کے تحت ہو جاتی ہے ان کا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے ورنہ سجدے بھی محض ضابطے کی کارروائی رہ جاتے ہیں''۔

(کنز الطالبین)

ثواب میں زیادتی کا سبب:۔

صوفیا کو عام عوام کی نسبت عبادت کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

☆ قاضی ثناءاللہ پانی پتی اس کا سبب دلائل سے واضح فرماتے ہیں کہ:

''جس طرح شرفِ صحبت کے سبب صحابہ مقامِ ولایت میں سب پر سبقت رکھتے ہیں اور ان کی عبادت کا ثواب اوروں سے زیادہ ہوتا ہے۔''

جیسا کہ حدیث میں ہے۔

الحدیث:۔ ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔

''تم میں کوئی کوہ احد کے برابر سونا خرچ کرے راہ خدا میں تو وہ میرے صحابہؓ کے (راہ خدا میں دیئے ہوئے) ایک سیر یا آدھ سیر جَو کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

(صحیحین)

اسی ضمن میں ایک اور حدیثِ پاک میں بیان فرماتے ہیں کہ:

الحدیث :۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

''ایک رات جب آسمان کے تارے بہت روشن اور گنجان تھے میں نے رسول اللہ سے پوچھا آیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کی نیکیاں ان ستاروں کی مانند ہوں گی تو آپؐ نے فرمایا ہاں عمرؓ (ایسے ہی) ہیں۔ میں نے عرض کی حضرت ابوبکرؓ کی نیکیاں کیسی ہوں گی؟ فرمایا کہ عمرؓ کی ساری نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک نیکی کے برابر ہوں گی''۔

''پس ثابت ہوا کہ ثواب قربِ الٰہی سے متناسب ہے۔ اسی طرح جو ولی قربِ الٰہی میں جس قدر زیادہ ہوگا دوسروں سے ثواب میں زیادہ ہوگا''۔

گویا

ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم

(ارشاد الطالبین)

یہاں ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ آج یہ جو عام بداعتقادی پائی جاتی ہے کہ بعض نام نہاد بزرگ دعویدار ہوتے ہیں کہ وہ ہمہ وقت اللہ کی حضوری میں ہیں اس لئے انہیں الگ سے عبادت کی ضرورت نہیں یا اللہ نے ان کے لئے عبادت معاف کر دی ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ کس قدر غلط ہے اور خلافِ شرع ہے نیز طریقِ صوفیاء کے مخالف ہے۔ اس ضمن میں بے شمار اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ:

''ان لوگوں نے اعمال کو ساقط کر دینے کو کہا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے ایسے شخص کی نسبت میرے نزدیک چور اور زانی بہتر ہے۔ کیونکہ عارفوں نے اعمال کو اللہ سے حاصل کیا ہے اور ان اعمال میں وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اگر میں دنیا میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی اپنے نیک اعمال میں ذرہ بھر بھی کمی نہ کروں گا''۔

☆ ابو یزیدؒ فرماتے ہیں کہ:

''صوفیاء نے جو معرفت حاصل کی ہے تو صرف اس طرح کہ جو کچھ ان کے لئے ہے اسے ضائع کر دیں (یعنی خواہشات) اور جو چیزیں اللہ کے لئے ہیں ان پر پہرہ دیں (یعنی اوامر و نواہی)''

☆ ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ:

''ہر چیز کی سزا ہے اور عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر اللہ سے منقطع کر دیا جائے''۔

7- صوفی کی زیارت و صحبت کا اثر :۔

مشائخ کی نظر سے، آواز سے تحریر و تقریر سے اور صحبت سے کیفیات و برکات حاصل ہوتی ہیں حتیٰ کہ کسی کا نام ان کے سامنے لیا جائے تو ان کی توجہ اس شخص کی طرف جانے سے بھی برکات نصیب ہوتی ہیں۔

''ایک صوفی توکل و تجرید کے دم پر حج کی غرض سے گئے اور کئی دن جنگل میں بنا کھائے گزارے۔ نفس نے کہا کہ ''خدا کے ہاں تیری بڑی قدر و منزلت ہے'' قریب سے کسی شخص نے ٹوکا۔''اے ابراہیم! اللہ کو اپنے باطن میں دیکھ اور اس کا خیال نہ رکھ''۔ اور پھر اس واقفِ حال بزرگ نے بتایا کہ وہ اسی (80) دن سے یہاں پڑا ہے پھر بھی خدا تعالیٰ سے شرماتا ہے کہ جو بات تیرے دل میں آئی، کہیں میرے دل میں نہ آجائے۔ حالانکہ اگر میں خدا کی قسم دوں کہ وہ اس درخت کو سونے کا بنادے وہ ضرور ایسا ہی کرے گا''۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں:

''اس بزرگ کی زیارت کی برکت کے باعث مجھے (حق کی) آگاہی نصیب ہوئی اور مجھے ہوش آ گیا''۔

(حیات الصوفیہ)

☆ نیز اعلیٰ حضرتؒ کے مطابق بہت سے امور تکوینی بھی مشائخ کے وجود سے جڑے ہوتے ہیں اور صوفی کا وجود اس دور اور زمانے کے لئے رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ:

الحدیث:۔

ابنِ عساکر سے روایت ہے:۔

''ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے تمہیں دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے ان کے سبب سے اہلِ زمین سے تکالیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں''۔

(دلائل السلوک)

نوٹ:۔ ابدال مناصبِ اولیاء میں سے ایک منصب ہے نیز اعلیٰ حضرتؒ نے دلائل السلوک میں مناصبِ اولیاء کے نام سے الگ باب باندھا ہے اور صوفیاء کی اصطلاحات کو احادیث سے ثابت فرمایا ہے۔ استفادہ کیا جائے۔

☆ تحریر کے اثر کا جہاں تک سوال ہے تو خط و کتاب اور مشائخ کرام کی کتب کا مطالعہ کرنا یا ان کے ہاتھ کی تحریر وصول پانا اور اپنے پاس محفوظ رکھنا بھی باعث برکت ہوتا ہے۔

مثلاً:۔

''مکتوبات'' اعلیٰ حضرتؒ کے خطوط پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ اس میں ان کے ہاتھ کی لکھی تحریر کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔ شیخ المکرم نے کتاب میرے ہاتھ سے لی اور پڑھ کر فرمانے لگے۔

''دیکھو یہ حضرت کی تحریر نہیں اس کا عکس ہے پھر بھی انوارات و برکات کی حامل ہے۔ اس کو پڑھ کر آج بھی (اتنی مدت کے باوجود) کیفیاتِ قلبی حاصل ہوتی ہیں''۔

اسی طرح ''مجالستہ النبی'' حضرت سلطان باہو کی تصوف کے موضوع پر ایک کتاب ہے اس کے آغاز میں وہ فرماتے ہیں

''جو شخص اس رسالے کو پڑھے گا مشاہدہ انوارِ الٰہی اور معرفتِ اسرارِ لامتناہی اس کا رخ کرے گا''۔

اور فرمایا:۔

''اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ کلامِ الٰہی، حدیثِ نبوی اور علم لدنی والہام سے بیان کیا گیا ہے اس کتاب کو پڑھنے سے علم باطنی وفیض رحمانی حاصل ہوگا''۔ (مجالستہ النبی)

گویا یہ خاصیت تمام مشائخ واولیاء کی کتب کا خاصہ ہوتی ہے۔

پھر جو شخص اولیاء اللہ سے محبت رکھنے والا اوران کی صحبت کا قائل شخص ہوتو اس کے لئے یہ واقعہ عرض ہے کہ :

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

''کسی صوفی سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے گرد فقراء کی ایک جماعت ہے وہ اسی طرح (بیٹھے) تھے کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ایک کے ہاتھ میں طشت تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا۔ اس نے طشت حضورؐ کے آگے رکھ دی آپؐ نے ہاتھ دھوئے پھر آپؐ کے حکم سے فقراء نے بھی ہاتھ دھوئے اس کے بعد طشت میرے سامنے رکھی گئی تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ اس کے ہاتھ پہ پانی نہ ڈالو کیونکہ یہ ان (صوفیا کی جماعت) میں سے نہیں ہے اس پر میں نے عرض کی،،

''یارسول اللہ! کیا آپؐ سے مروی نہیں کہ المرء مع من احب (آدمی ان کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی) آپؐ نے فرمایا'' کیوں نہیں۔'' میں نے عرض کی۔ میں بھی آپؐ سے اوران فقراء سے محبت رکھتا ہوں''۔

اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈالو کیونکہ یہ انہیں میں سے ہے۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

الحدیث:۔

المرء علی الدین خلیله فینظر احد کم من یخالل	انسان اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے پس دیکھنا چاہئے کون کس سے محبت رکھتا ہے''۔

نوٹ:۔ اولیاء اللہ کی صحبت کے آداب اور فوائد انشاء اللہ آگے بیان ہوں گے''۔

8- دنیوی زندگی میں اولیاء کی حالت:۔

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''ولی حالت ہوش میں صدق دل سے حقوق حق سبحانہ ادا کرتا ہے' مخلوق کے ساتھ مہربانی وشفقت' برداشت واحسان کا سلوک رکھتا ہے۔ بنا کسی کے کہے لوگوں کے لئے بارگاہ ایزدی میں رحمت' احسان ونجات کا طلب گار رہتا ہے اور لوگوں سے انتقام نہیں لیتا کینہ نہیں رکھتا اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے۔ لالچ کو ترک کرتا ہے۔ اپنے نفس کو لوگوں کی برائیاں دیکھنے سے بچاتا ہے اور وہ دنیا وآخرت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتا۔''

(رسالہ قشیریؒ)

اولیاء کی حالت دنیا سے متعلق ایک حدیث پاک ہے کہ:

''جو شخص مخلوق سے منقطع ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تمام تکالیف کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

9- اولیاء کا دنیاوی زندگی پر انحصار:۔

اکثر صوفیاء کا طریق سادگی اور توکل اختیار کرنا رہا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ولایت کے لئے فقر لازمی شے ہے۔

مثلاً:

مشائخ سلسلہ میں حضرت عبید اللہ احرارؒ کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ ان کی زمینیں اور مال اسباب اس قدر تھا کہ ایک وقت میں سو ہل چلا کرتے تھے اور سینکڑوں

گھوڑے اور دیگر مویشی تھے بلکہ یہاں تک ملتا ہے کہ ان کے مویشیوں کے کھونٹے سونے چاندی کے تھے۔لیکن توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ اچانک حج کا ارادہ ہوا تو کسی شے کا انتظار تک کرنے کا خیال نہ گزرا اور ایک لحظے کا توقف بھی نہ فرمایا۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ :

''یہ دنیا اور اس کی ہر نعمت انسان کے برتنے کو بنائی گئی ہے اس میں ہر ذی روح کا حصہ مقرر ہے۔ ہاں! لیکن یہ خیال رہے کہ یہ مال و اسباب زندگی گزارنے کا ذریعہ ہی رہیں مقصدِ حیات نہ بن جائیں۔ نہ ہی اللہ کی راہ میں یہ آپ کے پیروں کی زنجیر بنیں''۔

تصوف اور رھبانیت :۔

ہمارے ہاں یہ تصور عام پایا جاتا ہے کہ صوفیاء کو دنیا سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

بلکہ ایک جگہ حضرت شیخ المکرّم تصوف اور رہبانیت کے فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

''یہ جو لوگ صوفی ہونے کے لئے تجرد اور دنیاوی زندگی کو ترک کرنا ضروری خیال کرتے ہیں صریح غلطی پہ ہیں یہ تو رہبانیت ہو گئی جو عیسائیت کا خاصا ہے جبکہ اسلام تو کہتا ہے۔''

لا رھبانیة فی الاسلام	اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

یہی ہمارے نبیؐ کی سنت ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ :

لا تنس نصیبک من الد نیا	اور دنیا سے اپنا حصہ لینا مت بھولو

صوفیاء اور وتوکل :۔

صوفیاء اور توکل علی اللہ تو لازم و ملزوم ہیں لیکن توکل کی نوعیت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ ہمیں درج ذیل واقعات سے ہوگا۔

مولانا جامیؒ لکھتے ہیں کہ :

''حضرت فتح بن علی موصلیؒ ایک دن بشر حافیؒ کے گھر گئے اور کہا اگر تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے تو لے آ۔ وہ کھانا لائے۔ آپ نے کچھ کھایا جو بچا وہ گدڑی میں رکھ کر چل دیئے۔ بشر حافیؒ کی لڑکی نے یہ سب دیکھا تو کہا ''لوگ تو کہتے ہیں فتح توکل کرنے والوں کے امام ہیں حالانکہ یہ بچا ہوا کھانا بھی ساتھ لے گئے'' تو بشر نے فرمایا۔'' وہ تمہیں یہ سکھاتا ہے کہ جب توکل کامل ہو جائے تو ان باتوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔''

شیخ الاسلامؒ مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ :

''جب تجرید درست اور صحیح ہو جاتی ہے تو سلیمانؑ کی بادشاہی بھی معلوم نہیں ہوتی اور جب تجرید ناقص ہو تو ہاتھ کے آستین کا بڑھا ہوا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے''۔

(حیات الصوفیہ)

اس طرح ایک جگہ حضرت رویمؒ کا واقعہ درج ہے، کہ :

''ایک آدمی نے ان کے سامنے ان کے ظاہری لباس اور دنیاداروں کی طرح رہنے سہنے کے متعلق نکتہ چینی کی تو آپ نے فرمایا: ''لیکن

مجھ میں یہ چیز بھی موجود ہے کہ اگر میں اپنے سر پر جرابیں لپیٹ کر بھی بازار جاؤں تو اپنے دل میں کسی چیز کا اندیشہ نہ کروں گا۔ اور مجھے خیال تک نہ آئے گا کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے"۔

(حیات الصوفیہ)

تصوف اور فقر:۔

☆ حضرت معروف کرخیؒ کا قول ہے کہ:

"جو شخص صاحبِ فقر نہیں وہ صاحبِ تصوف نہیں"۔

☆ اسی طرح حضرت شہاب الدین سہروردیؒ مختلف اقوال سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ:

"فقر تصوف کی اساس ہے"۔

لیکن یہاں یہ جان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ صوفیاء کے نزدیک فقر کیا ہے۔

☆ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:

"تصوف یہ ہے کہ وہ تجھ کو تجھ ہی سے مارے اور اسی سے آپ تجھے زندہ رکھے" (یعنی تیری زندگی اور موت میں تیرا کچھ اختیار نہ ہو)

☆ حضرت شہاب الدینؒ اس قول کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ:

"صوفی قائم فی الاشیاء اللہ کے حکم سے ہے (یعنی موجودات میں اللہ کے حکم سے قائم و موجود ہے) اپنے نفس (ارادہ و اختیار) کے ساتھ نہیں۔ اس کے مقابل فقیر و زاہد دونوں اپنے نفس کے ساتھ اشیاء میں موجود ہیں اپنے ارادے سے واقف ہیں اور بقدر اپنے علم جدو جہد میں مصروف ہیں جبکہ صوفی کا یہ حال ہے کہ وہ صرف اپنے رب کی مراد سے قائم ہے حالانکہ اس کا علم مستقل ہے لیکن وہ اپنے نفس کی طرف غیر مائل ہے"۔

(عوارف المعارف)

حضرت سہروردیؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"طریق صوفیا طریق فقراء سے بالکل جدا ہے"۔

فقیر کا اموال و تعلقات کو ترک کرنا لذتِ فقر حاصل کرنے کے لئے ہے اور فقر کی طرف لوٹنا اس کے ارادہ و اختیار سے ہے اور صوفی کے حال میں ارادہ و اختیار ایک علت ہے اس لئے اس کا قیام تمام اشیاء میں اپنے ارادہ اختیار سے نہیں بلکہ ارادہ الٰہی سے ہوا۔ پس اس کو نہ صورتِ فقر میں فضیلت نظر آتی ہے جو حق تعالٰی کی طرف سے اس کو ملی ہے۔ اگر وہ کبھی آسودگی (مالی طور پر) کی حالت میں آ جاتا ہے جو فقر کے خلاف ہے تو وہ اس آسودگی میں بھی خود کو فضیلت سے ہمکنار پاتا ہے کہ آسودگی میں اس کا دخول بھی اللہ کے حکم سے ہوا نہ کہ اس کے اپنے ارادہ و اختیار سے۔

(عوارف المعارف)

10- پیر کا مرید کو عاق کرنا:۔

پیر مرید کا رشتہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا والدین اور اولاد کا ہوتا ہے فرق اگر ہے تو اتنا کہ مرشد روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور جس طرح نافرمانی پہ بعض اوقات ماں باپ اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اسی طرح یہ رشتہ بھی منقطع ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اگر مرشد اور مرید کا رشتہ قائم رہے تو اس کی مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ والدین سے تو رشتہ اس دنیا تک قائم رہتا

ہےلیکن روحانی استاد سے تعلق آخرت میں بھی قائم رہے گا۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''روزِ محشر سب لوگ صرف اپنا اپنا حساب دیں گےلیکن ایک شیخ تب تک فارغ نہیں ہوگا جب تک اس کے ہاتھ پر بیعت ہونے والا ایک ایک فرد فارغ نہیں ہو جاتا۔کیونکہ دنیا میں وہ اس کی تربیت وہدایت کا ضامن تھا''۔

عاق کرنے کی صورتیں:۔

مرشد ومرید میں عاق کی دوصورتیں ہیں:

1- کوئی مرید اپنی بیعت واپس لے لے یا اس کا اعتقاد جاتا رہےاور شیخ عاق نہ کرے۔

2- کوئی شیخ اپنے مرید کو عاق کردے اور مرید کا اعتقاد سالم رہے۔

سوال: کیا ان دونوں صورتوں میں بیعت باقی رہتی ہے؟

جواب:

پہلی صورت:۔

اس ضمن میں ''عمدۃ السلوک'' میں یہ حدیثِ مبارکہ بیان ہوئی ہے۔

الحدیث:۔ حضرت عبداللہ بن جابرؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک اعرابی نے حضورؐ کے پاس رہنے کی بیعت کی پھر اسے مدینہ طیبہ میں شدت کا بخار آیا (اس نے وہاں سے نکلنا چاہا) وہ حضورؐ کی خدمت میں آیا۔اور کہا میری بیعت مجھے واپس کردیجئے حضورؐ نے انکار فرمایا۔اور ایسا تین مرتبہ ہوا پھر وہ بغیر اجازت ہی چلا گیا تو حضورؐ نے فرمایا بےشک مدینہ بھٹی کی مانند ہے اپنے میل کو دور کرتا اور اپنے اچھے کو خالص کردیتا ہے''۔

فائدہ:۔اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرےلیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہےتو بیعت ٹوٹ جاتی ہے۔

دوسری صورت:۔

حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ:۔

''کعب بن مالک سے غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کے سبب ان سے منقبض یعنی ناراض تھے مگر ان کا اعتقاد درست رہا اور بالآخر انہوں نے معافی حاصل کرلی۔''

فائدہ:۔اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہو جائےلیکن مرید کا اعتقاد باقی وقائم رہےتو بیعت باقی رہتی ہے یوں بھی بیعت کا مدار مرید کی ارادت پر ہے اور یہ صفت مرید کی ہے نہ کہ شیخ کی پس اس کے باقی رہنےاور جاتے رہنے کا دارومدار ارادت ہونے یا نہ ہونے پر ہے''۔

آگے یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ:

''لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شیخ کی مرضی یا نامرضی اس راستے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر مرید شریعت کے مطابق عمل کرےاور شیخ سے محبت رکھتا ہو نیز اس کے طریقہ پر دل سے کاربند رہےتو شیخ کی ناراضگی مضر نہیں ورنہ حصول مقصد کے لئے شیخ کی مرضی کو بہت دخل ہے''۔ (عمدۃ السلوک)

☆ حضرت مجددالف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول کر لینے میں جاننا چاہئے اور اپنی بدبختی کو پیر کے رد کردینے میں۔ خدا کی رضا کو پیر کی رضا میں رکھا گیا ہے جب تک مرید اپنے پیر کی مرضی میں گم نہ ہو جائے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں کرسکتا۔ مرید کی آفت پیر کے آزار میں ہے۔ ہر قصور کا جو محبت شیخ کے بعد ظاہر ہو تدارک ہوسکتا ہے لیکن پیر کے آزار کو کوئی چیز پورا نہیں کرسکتی۔ پیر کا آزار مرید کے لئے بدنصیبی کی جڑ ہے۔ اسلامی اعتقاد میں خلل اور شرعی احکام میں کمی اس کا نتیجہ ہیں۔ اگر پیر کے آزار کے بعد احوال وکشف وخوارق مرید سے سرزد ہوں تو یہ استدراج ہے کہ اس کا نتیجہ سراسر خرابی ونقصان ہے''۔

(عمدۃ السلوک)

سلسلہ ء اویسیہ میں سلب :۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:

''جو مشائخ اس سلسلہ کے ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ سلب نہیں کیا کرتے۔ وہ (برکات) دیتے ہیں سلب نہیں کرتے الا ماشاءاللہ۔ کبھی کوئی شخص ایسا ہوا کہ خود بھٹک گیا۔ اگر دوسروں کی گمراہی کا اندیشہ ہوتو اس شخص سے یہ لوگ اپنی نسبت سلب کر لیتے ہیں لیکن اگر اپنی ذات میں بھٹکتا ہے تو پھر یہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ جب وہ شخص (ایک حد سے زیادہ) گمراہ ہوگا تو یہ برکات ازخود اس سے چلی جائیں گی اللہ کریم اس سے واپس لے لیتے ہیں۔ مشائخ صرف تب ہی سلب فرماتے ہیں جب وہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بن رہا ہو''۔

سلب اویسیت کی شدت:۔

فرمایا:۔

''مشائخ اویسیہ کا سلب اتنا شدید ہوتا ہے کہ جب یہ سلب کرتے ہیں تو پھر صرف کیفیات نہیں جاتیں وجود کے ذرے ذرے سے ایمانیات بھی چلے جاتے ہیں۔ اور جس شخص سے بھی مشائخِ اویسیہ نے اپنی نسبت سلب کی ہے وہ مسلمان بھی نہیں رہ سکتا۔ (اس لئے کہ یہ نسبت انتہائی قوی ہے) کیفیات جو انگ انگ میں رچی بسی ہوئی ہوتی ہیں یہ اس شدت سے سمٹتے ہیں کہ جب یہ واپس جاتی ہیں تو سارے ایمانیات و عقائد بھی چلے جاتے ہیں آدمی بالکل خالی رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگ ایک آدھ ہی سہی لیکن ہم نے بھی دیکھے ہیں کہ وہ جو جمالِ باری کو دیکھے بغیر سجدہ نہیں کرتے تھے پھر ان کا یہ حال بھی دیکھا کہ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کیا کرتے تھے''۔

(طریق نسبتِ اویسیہ)

سلسلہ عالیہ کا قانون:۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں:

''یہی قانون سلسلہء عالیہ میں جاری ہے کہ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر گنہگار بھی ہو جاتا ہے یا ذکر اذکار چھوڑ بھی دیتا ہے تو مشائخ کچھ بھی سلب نہیں فرماتے (نہ برکات نہ نسبت) اس کی اپنی کوتاہیوں کے باعث برکات ازخود ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں لیکن کم ازکم ایمان بچ جاتا ہے۔ کفر پہ نہیں مرتا۔ لیکن اگر کوئی شخص ذاتی خطاؤں سے بڑھ کر دوسرے انسانوں کے عقائد سے کھیلنے لگے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب بنے تو پھر یہ لوگ سلب کر لیتے ہیں تو جس طرح نیام سے تلوار کھینچ لی جاتی ہے تو نرا کھوکھا رہ جاتا ہے۔ پھر اس طرح انسان کا وجود ایک

کھوکھا سارہ جاتا ہے''۔

اس قانون کی بنیاد :۔

فرمایا:۔

''اس قانون کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جیسے نبی کریمؐ کو کفار ایذا دیا کرتے لیکن آپؐ ان کے حق میں بھی دعا فرمایا کرتے تھے لیکن پوری حیات طیبہ میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص دوسروں کے عقائد پہ ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے اس تنہا فرد کو قتل کرنے کے لئے حضورؐ نے خدام کو مقرر فرمایا۔ گویا حضورؐ نے ذاتی ایذا تو برداشت کرلی لیکن لوگوں کو گمراہ کیا جانا برداشت نہیں فرمایا''۔

(طریق نسبتِ اویسیہ)

11- ولی کی مخالفت یا ولی سے دشمنی :۔

اولیاء اللہ سے اگر آپ کو رغبت نہ ہو یا آپ ان کی تائید نہ کرتے ہوں تب بھی یہ یاد رہے کہ ان کی تکذیب یا تردید بھی نہ کی جائے۔ اگر کوئی ان کے منصب کو قبول نہیں کرتا تو رد بھی نہ کرے بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے۔ اور یہ جیسا کہ ہمارے ہاں دستور ہے کہ اولیاء پر اعتقاد رکھنے والے اکثر غلو برت جاتے ہیں اور پیر پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دیگر مخالفت پہ اتر آتے ہیں ان کے وجود کا سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں تو یہ دونوں ہی غلط اسلوب ہیں۔

اس ضمن میں مشائخ کی تعلیمات یہ ہیں:

1- حضرت رویمؒ کا قول:۔

فرمایا:

''جو شخص صوفیوں میں بیٹھتا ہے اور پھر ان کے طریقہ کار میں سے کسی چیز کی مخالفت کرتا ہے جس (چیز) کو وہ لوگ (صوفیاء) اپنے لئے صحیح سمجھ چکے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کے دل کا نور چھین لیتا ہے''۔

(حیات الصوفیہ)

2- حضرت ابوتراب نخشیؒ کا قول:۔ (المتوفی 248ھ)

فرمایا:۔

''جب قلب اللہ تعالیٰ سے اعراض برتنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اولیاء اللہ کی برائی اور دشمنی میں مبتلا ہو جاتا ہے''۔

(روحِ تصوف)

3- حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا قول:۔ (المتوفی 258ھ)

فرمایا:۔

''ولی نہ ظاہر داری کرتا ہے نہ نفاق اور جس شخص کی یہ عادت ہوگی اس کے دوست بہت کم ہوں گے''۔

(روحِ تصوف)

4- فتح الباری میں ہے کہ:

''انسان کی طرف سے اللہ کی دوستی کا ثبوت اس کی ''اطاعت اور تقویٰ'' ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوستی کا اظہار ''حفاظت اور نصرت'' سے ہوتا ہے''۔

5- حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اولیاءاللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہی ہیں''۔

6- اولیاءاللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے:۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:

''اولیاءاللہ سے دشمنی سے اس قدر ڈرایا گیا ہے کہ اولیاءاللہ کی دشمنی حقیقت میں اللہ سے دشمنی ہے۔ حضورؐ نے امت کو یہی تعلیم فرمائی ہے کہ اولیاءاللہ سے محبت پیدا کریں اور ان سے دشمنی رکھنے کی جرات نہ کریں''۔

(دلائل السلوک)

بطور دلیل یہ احادیث پیش فرماتے ہیں:۔

حدیث قدسی:۔

حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

''جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں''۔

الحدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

''حضرت عمرؓ مسجد کی طرف گئے اور حضرت معاذ کو حضورؐ کی قبر کے پاس روتے ہوئے پایا تو کہا ''جس نے اولیاءاللہ سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے مقابلہ کیا''۔

7- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''مشائخ کو سب سے زیادہ تنگی ان کے اقارب کی طرف سے آتی ہے جو اس بات کو قبول کرنے پہ تیار نہیں ہوتے کہ یہ ہم میں سے اور ہمارے ہی جیسا ہم سے بزرگ تر اور قابل تعظیم کیونکر ہو گیا۔ حالانکہ ان کی مخالفت کا نتیجہ صرف یہ نکتہ ہے کہ وہ ولی کی ریاضت ومجاہدہ کا سبب بن رہے ہوتے ہیں جس سے اس کو مزید ترقی ملتی ہے دشمنی کرنے والے اپنی نیت کا پھل پاتے ہیں اور ولی کے مقامات بڑھتے ہیں''۔

پھر فرمایا:۔

''وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں بہتر لگتا ہے ہمیں وہ کرنا ہے جو ہمیں ٹھیک لگتا ہے اور بسا اوقات اس بات پہ ان سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ سب سے بڑی بدنصیبی ولی کے مجاہدے کا سبب بنتا ہے''۔

(العیاذ باللہ)

8- صوفی کا جواباً سلوک:۔

اگر کوئی ولی اللہ سے دشمنی مول لیتا ہے کہ جیسا کہ اوپر حضرت شیخ المکرّم کے تاثرات قلمبند ہیں صوفیاء کا جواب ایسا ہی ہوتا ہے اس ضمن میں ایک واقعہ پیش ہے کہ:

''ایک مرتبہ کسی ولی اللہ کو یہ بتایا گیا کہ فلاں محلّہ کا فلاں شخص آپ کی بہت مخالفت کرتا ہے برے القاب سے یاد کرتا ہے اور لوگوں کو آپ سے بدظن کرنے کے لئے ان کے سامنے آپ کی برائی پہ کمر بستہ رہتا ہے۔ یہ سن کر اس ولی اللہ نے اپنے خادم کے ہاتھ اس شخص کو زرو جواہر کا تھال بھیجا اور کہا تم نہیں جانتے وہ شخص میرے ساتھ کتنی بڑی نیکی کر رہا ہے کہ پیٹھ پیچھے میری برائی کر کے میرے سارے گناہ اپنے نام لکھوار ہا ہے اور اپنی نیکیاں میری جھولی میں ڈال رہا ہے اس سے بڑھ کر خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے''۔

9- بعض عارفین کا فرمان ہے کہ:

''جب دیکھو کوئی شخص ولی اللہ کو ایذا دیتا ہے اور برکاتِ صوفیا کا منکر ہے تو سمجھ لو وہ خدا سے جنگ کرنے والا ہے اور قربِ الٰہی سے دور اور مردود ہے''۔

(فتاویٰ الحدیثیہ)

10- علمائے امت کا اتفاق ہے کہ:۔

''محاربِ خدائے تعالیٰ (جن سے اللہ کا اعلانِ جنگ ہے) صرف دو ہیں ایک منکرِ اولیاء اللہ اور دوسرا سود خور اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق خطرہ ہے کہ ایمان ضائع کر کے مرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے جنگ تو کافر ہی کرتا ہے۔ (نیز) کم سے کم عذاب، منکرینِ اولیاء کے لئے یہ ہے کہ ان (کے وجود) کی برکت سے محروم ہیں اور سوء خاتمہ کا خوف ہے''۔

(فتاویٰ الحدیثیہ)

فائدہ:

اعلیٰ حضرتؒ نچوڑ پیش فرماتے ہیں کہ:۔

''اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے کے دو عظیم نقصان ہیں، اول ''دنیا میں ان کی برکت سے محرومی، دوم ''سوءِ خاتمہ کا خطرہ اور یہ دونوں امور حدیث قدسی سے ثابت شدہ ہیں''۔

(دلائل السلوک)

(12) ہدیہ و نذر لینا

طریق صوفیاء کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثر صوفیاء نے فقر کو غناء پہ ترجیح دی ہے بعض نے توکل کی راہ اپنائی لیکن کسب و تجارت کو بھی ناپسند نہیں فرمایا۔

1- کسب و تجارت سے متعلق حکم:۔

صوفیاء کا اجماع:۔

''کسب و تجارت اور صنعت و حرفت مباح ہے تاکہ نیکی اور تقویٰ پر اس سے مدد لی جائے لیکن اس کو محض روزی پیدا کرنے کا سبب نہ بنایا جائے''۔

(آداب المریدین)

یہی سنت انبیاء ہے۔ صوفیاء میں عام وطیرہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتے تھے اور ہاتھ سے پیدا کی گئی روزی کو افضل جانتے تھے۔ مثلاً

1- باب الکرامات میں ''حضرت خیر النساج'' کی کرامت درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بازار میں سوت بیچا کرتے تھے۔

2- حضرت جنید شیشہ گر تھے۔

3- حسین بن منصور حلاج کا پیشہ روئی دھننے کا تھا۔جیسا کہ ان کے نام ''حلاج'' سے ظاہر ہے

4- محمد بن علی قصاب' قصاب تھے۔

5- حضرت عبید اللہ احرار بہت بڑے زمیندار تھے۔

6- حضرت خیر النساج کا نام خیر اسی طرح پڑا کہ ایک آدمی نے انہیں پکڑ کر ریشمی کپڑا بننے پر لگا دیا اور وہ آپ کو خیر کہہ کر بلاتا تھا اور کئی سال بعد جب اس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو آپ اسے چھوڑ کر چلے آئے مگر نام تبدیل نہ کیا کہ ایک مسلمان آدمی نے مجھے یہ نام دیا ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

7- امام قشیری سے متعلق ملتا ہے کہ ''قشیری گوشہ نشین زاہد ہی نہ تھے بلکہ وہ زندگی کے تمام فنون و آلات سے آراستہ تھے۔یہاں تک کہ شہسواری اور فن سپہ گری میں ان کے کرتب معجزہ نما خیال کئے جاتے تھے۔آپ خوش نویس بھی تھے''۔ (رسالہ قشیریہ)

8- اعلیٰ حضرتؒ زمیندار تھے اور زمینیں ٹھیکے پہ دے دیتے جس سے گھر کا خرچ چلتا رہتا اور وہ دین کی خدمت کے لئے فارغ بھی رہتے۔

9- حضرت شیخ المکرّم زمیندار بھی ہیں اور کوئلے کی کانیں بھی چلاتے ہیں۔آپ اپنے شیخ سے ارادت کا واقعہ یوں بتاتے ہیں کہ

''میں نے اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اگر تو زہد و تصوف گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کا نام ہے تو مجھے کوئی دوسرا راستہ بتایئے کہ میں تو مزدور بندہ ہوں ہاتھ سے کما کر کھانے والا۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتا اور میں نے بڑی محنت کے بعد قدم جمائے ہیں زمینیں' کاروبار' بال بچے' گاڑیاں یہ سب چھوڑ دینا میرے بس کا کام نہیں تو اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں ترکِ دنیا کا نام تصوف نہیں ہے میں تمہیں وہ راستہ بتاؤں گا کہ یہ سب تمہارے پاس ہی رہے گا لیکن اللہ کی راہ میں رکاوٹ کی طرح نہیں بلکہ ذرائع کی طرح''۔اور پھر شیخ المکرّم فرماتے ہیں اس دن سے میرا نام ''فقیر'' پڑ گیا۔یہ میں نے خود اختیار نہیں کیا۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی ہر نعمت ہوتے ہوئے بھی خالی ہاتھ ہونا''۔یعنی ہر معاملے میں اللہ پہ بھروسہ رکھنا نہ کہ اسی طرح جیسے عام لوگوں کے بارے میں مولانا لاہوری فرماتے ہیں

''ہم میں سے اللہ کو رب ماننے والے کم ہیں کسی کا عہدہ اور ملازمت اس کا رب ہے' کسی کی دکان اور تجارت اس کا رب ہے' کسی کی زمین اور کھیت اس کا رب ہے اور اس نے ساری امیدیں ان سے وابستہ کر رکھی ہیں''۔

2- صوفیاء اور فقر:۔

شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ اپنی ایک کتاب میں گزشتہ آٹھ صدیوں سے مشائخِ صوفیہ میں رائج دستور العمل بیان فرماتے ہیں اس میں وہ رقم طراز ہیں کہ فقر کے معنی کیا ہیں''؟

''فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے اور اس طرح زُہد کی حالت ہے۔صوفیہ کے نزدیک فقر' فاقہ کرنے یا اپنے پاس کچھ نہ رکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ فقر محمود یہ ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھے اور جو کچھ خدا دے اس پر راضی رہے اور صوفیہ میں صرف ملامتیہ وہ فرقہ ہے جو بھلائی کو ظاہر نہیں کرتا اور برائی کو چھپاتا نہیں ہے''۔

(آداب المریدین)

3- ترکِ معاش کب افضل ہے؟:۔

فرمایا:۔

''صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ روزی پیدا کرنے اور صنعت وحرفت کو ترک کر کے طاعت وعبادت میں مشغول ہونا زیادہ بہتر وافضل ہے لیکن اس شخص کے لئے جس نے طلب رزق کے اہتمام کو ترک کر دیا ہو اور صرف اللہ کی ضمانت (وَمَامِن دابۃٍ فِی الْاَرضِ الاّ علی اللہ رزقھا (کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہیں ہے۔) پر بھروسہ رکھا ہو مگر یہ کہ اس کے پاس خلوت وجلوت اور میل جول اور عزلت مساوی ہو جائے اور وہ ہر حالت میں قدرت کا مشاہدہ کرنے والا ہو''

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ:

''رزق کا اسقدر اہتمام کرنے والے نہ بنو کہ رزاق پر تم کو شک ہونے لگے اور اس کی ضمانت پر تم کو بھروسہ نہ رہے''

بعض کو جب کہا گیا کہ:

''تم کہاں سے کھاتے ہو؟'' تو انہوں نے کہا

''اگر کہیں سے کھاتا تو فنا ہو جاتا''۔

اور ایک دوسرے صوفی نے کہا کہ:

''یہ اسے پوچھو جو مجھے کھلاتا ہے کہ وہ کہاں سے کھلاتا ہے۔''

(آداب المریدین)

4- ہدیہ و نذر کا لینا اور دینا:۔

صوفیا کے نزدیک یہ ایک مباح فعل ہے۔اس ضمن میں قرآن کی روح سے رزق کی ضمانت الٰہی پہ بھروسہ رکھتے ہیں۔

نیز اولیاء اللہ سے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ:

''وہ انہیں ایسی جگہ سے رزق مہیا کرے گا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہوگا''

(حدیث قدسی)

اور یہ بات نذر لینے اور دینے کو مباح قرار دیتی ہے۔لیکن نہ تو اس میں دینے والے کی ذات درمیان میں وجود رکھتی ہے اور نہ لینے والے کی۔اس لئے کہ ولی کی نظر تو ہمہ وقت منعم حقیقی پر رہتی ہے اور صوفی تو راضی بہ رضا ہوتا ہے۔

اس بات کی تائید بہت سے اقوال صوفیاء اور احوال صوفیاء سے ہوتی ہے مثلاً:

1- ایک دفعہ کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں سے کھاتا ہے؟ فرمایا: اس سے پوچھو جو مجھے کھلاتا ہے کہ وہ مجھے کہاں سے کھلاتا ہے۔

2- سہل نے فرمایا:۔

''متوکل کی تین علامتیں ہیں وہ نہ تو کسی سے مانگے' نہ کسی چیز کو رد کرے اور نہ اپنے پاس روک کر رکھے''۔

3- ایک صوفی سے متعلق یہ واقعہ ملتا ہے کہ:

''انہوں نے چاہا کہ جانیں آج ان کے حصے کا رزق مولا کریم ان تک کیسے پہنچائیں گے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے حصے کا روپیہ تو ایک رنڈی کے کوٹھے پر ہے جو کسی نے اس پر نچھاور کیا ہے تو وہ بہت متعجب ہوئے کہ وہ تو حرام مال ہے ان کا کیونکر ہو سکتا ہے؟ پھر اللہ نے ان کو مزید دکھایا کہ اس عورت نے حکومت کا ٹیکس بھرا اور اس مد میں وہ روپیہ حکومت کے خزانے میں چلا گیا اور چونکہ وہ دن تنخواہ بٹنے کا تھا اس لئے

وہاں سے وہ روپیہ ایک سپاہی کی تنخواہ میں چلا گیا اور اس سپاہی کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنی تنخواہ میں سے سب سے پہلے ایک روپیہ اس بزرگ کی نذر کرے گا پھر گھر جائے گا تو وہ سپاہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی روپیہ ان کو نذرانہ میں دیا۔ یوں جس کا مال تھا اس تک پہنچا اور حلال مال جائز طریقے سے پہنچا''۔

4- رسالہ قشیریہ میں نذر کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے کہ:

''ابوایوب قطع بصری فرماتے ہیں کہ ایک بار حرم میں دس روز تک بھوکا رہا جب ضعف محسوس کیا تو جنگل کی طرف کچھ کھانے کو نکل گیا۔ ایک شلجم گرا پڑا دیکھا کھانے لگا تو دل میں نفرت محسوس ہوئی جیسے کوئی مجھ سے کہہ رہا ہو کہ دس دن بھوکا رہنے کے بعد تمہاری قسمت میں شلجم ہی لکھا تھا۔ لہذا پھینک دیا اور واپس چلا گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک عجمی آیا اور عمدہ کھانے سے بھرا ہوا صندوق میرے حوالے کیا کہ یہ تمہارا ہے۔ پوچھا وہ کیسے؟ تو وہ بولا ہم دس دن سے سمندر میں سفر کر رہے تھے اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی۔ ہر ایک نے نجات کی صورت میں صدقہ کی نذر مانی اور میں نے اس بات کی نذر مانی تھی کہ حرم میں جس شخص پر سب سے پہلے نظر پڑی اس شخص کو یہ صندوق دوں گا۔ فرماتے ہیں میں نے کچھ کھانا رکھ لیا اور باقی اسے اپنی طرف سے اس کے بچوں کے لئے بطور تحفہ بھیج دیا۔ اور اپنے دل میں کہا ''تمہارا رزق دس دن سے تمہاری طرف آ رہا تھا اور تو اسے وادی میں ڈھونڈ رہا تھا''۔

5- حیات الصوفیہ میں ہے کہ:

''حضرت ابوعبداللہ سنجری سے ایک آدمی نے کہا میں سونے کی ایک اشرفی رکھتا ہوں جی چاہتا ہے آپ کو دوں۔ انہوں نے فرمایا: اگر تو دے دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر نہ دے تو یہ میرے لئے بہتر ہے۔'' (یعنی دل کے اس طرف مشغول ہونے اور خرچ کی فکر کی وجہ سے)

6- لوگوں نے شیخ بوعلی کاتب سے کہا: فلاں شخص پولیس یا سرکاری ملازمین سے کچھ نہیں لیتا اور فلاں لے لیتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''جو نہیں لیتا وہ علم کی وجہ سے نہیں لیتا اور جو لے لیتا ہے وہ عین ذات حق (اللہ) سے لیتا ہے''۔

(حیات الصوفیہ)

شیخ الاسلام مولانا جامیؒ اس کی وضاحت یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''بعض مشائخ جو ہر شخص کی نذر لیتے تھے وہ ان کے لئے عین حق کی طرف سے تھا۔ لیکن اگر کسی پر توحید کا غلبہ نہ ہو اور وہ ایسا کرتا ہو تو حق تعالیٰ اس کا پردہ فاش کر دے گا اور اس کا دین تباہ ہوگا۔ اور جو علم کے حال میں ہوتے ہیں وہ ان کا دیا قبول نہیں کرتے۔ (گویا ظاہری شریعت کے حلال وحرام کے اطلاق کے باعث) مگر ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ ہر کسی کا ہدیہ قبول کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حضرات (صوفیاء) تمام چیزیں بھلی یا بری، خوشی یا غمی، نعمت یا مصیبت کو ایک جگہ سے دیکھتے ہیں اور غیر کو نہیں دیکھتے''۔

(حیات الصوفیہ)

7- اسی سے ملتا جلتا قول شیخ المکرم کا ہے کہ فرمایا:۔

''اپنے شیخ کو جو کوئی کچھ دیتا ہے تو وہ اپنے لئے دیتا ہے (یعنی اس سے اس کا اپنا فائدہ ہوتا ہے) اور شیخ جو اس سے لیتا ہے وہ اپنے اللہ سے لیتا ہے اور وہ بہترین رزاق ہے''۔

8- جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے ابوحفص نیشاپوری کی خدمت میں ایک شخص کو دیکھا جو نہایت خاموشی سے ان کی اور ان کے رفقاء کی خدمت میں مصروف ہے میں نے اس سے متعلق رفقاء سے پوچھا تو ایک رفیق نے بتایا'' یہ شخص ابوحفص کی خدمت میں رہتا ہے اور ہم سب کی خدمت کرتا ہے اس نے اپنے شیخ کے لئے دو لاکھ درہم خرچ کر دیئے ہیں مگر اب تک شیخ کے سامنے ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا''۔

9- اعلیٰ حضرتؒ آداب شیخ میں اس بات کو شمار کرتے ہیں کہ:۔

''جب شیخ کی خدمت میں جائے تو خالی ہاتھ نہ جائے جیسا کہ تحادوا تحابو میں یہ سبق سکھایا گیا ہے اور شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرید کے مال پر نظر نہ رکھے اس کو ''اشرف الی المال المرید'' کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں''۔

(دلائل السلوک)

10- حضرت شیخ المکرم ہدیہ ونذر کے سلسلہ میں احباب کے لئے یہ دستور العمل بیان فرماتے ہیں کہ:۔

فرمایا:۔

''سب سے پہلے تو میں اپنی بات عرض کروں کہ کوئی ساتھی مجھے تحفہ دینے کی بجائے وہ رقم دارالعرفان (سلسلہ عالیہ کا مرکز اور مسجد) کے فنڈ میں دے تو میں بہت خوش ہوں گا۔ اللہ کریم بھی راضی ہوگا اور وہ رقم زیادہ مفید مقصد پر خرچ ہو سکے گی۔ میرے لئے اشیاء خرید کرلانے کی بجائے اسی رقم کو خواہ وہ تھوڑی ہو دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائیے کہ دین و دنیا میں اس کا فائدہ زیادہ ہے''۔

پھر فرمایا:۔

''اب دوسرا نمبر صاحب مجاز حضرات کا ہے تو بندہ کی طرف سے کسی صاحب مجاز کو تحفے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے احباب کو بھی چاہئے کہ جو لوگ دینی کام کر رہے ہوں ان کا اجر اور ان کی عادات دونوں کو خراب نہ کریں۔ اللہ کریم کی برکات ناجائز ذرائع سے حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ نیز جو ایسا کرے گا انشاء اللہ اسے مزید ترقی منازل نصیب نہ ہوگی خواہ وہ صاحبِ مجاز ساتھی ہو یا عام ساتھی لہٰذا آئندہ سے تحائف کی سب رقم دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائی جائے''۔

(کنز الطالبین)

5- ھدیہ کے دقیق آداب:۔

مولانا اشرف علی تھانوی ''حضرت علی خواص'' کا ''کتاب الجواہر'' سے یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''کسی کو ابتداً ہدیہ ہی پیش مت کرو بجز دو صورتوں کے۔ ایک تو یہ کہ وہ محتاج ہو اور دوسرے یہ کہ یا وہ ہدیہ کا بدلہ دینے میں تکلف نہ کرتا ہو۔ اگر وہ اپنی بساط بھر ہدیہ کا بدلہ دیتا ہے تو درست ورنہ تم نے اسے مکافات کی مشقت میں ڈالا اور اگر وہ شخص فقیر ہو (اس سے مراد بھکاری نہیں ہے بلکہ فقر سے فقیر ہے یعنی اللہ پہ بھروسہ کرنے والا) اور دعا سے ہدیہ کا بدلہ دے تو ایسے شخص کو ہدیہ دینا چاہئے کیونکہ اس کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ خود اس کی طرف سے مکافات فرماتا ہے یعنی ہدیہ کا بدلہ دیتا ہے''۔ (روح تصوف)

دیگر آداب:۔

1- کسی دنیوی غرض کے پیشِ نظر نذرانہ نہ دیا جائے۔ اس لئے کہ وہاں سے دنیا نہیں بٹتی

2- حصول منازل وترقی درجات پیش نظر نہ ہو۔ اس لئے کہ روحانی نظام ایک خدائی اور خودکار نظام ہے اس میں مداخلت الٹا نقصان دہ ہے۔

3- جو کچھ کسی ولی اللہ کی نذر کیا اگر زیادہ ہے تو اسے زیادہ نہ جانے۔ اس لئے کہ اس کا بدل جو اللہ کریم کی طرف سے ملتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر کم ہے تو اسے کم نہ جانے۔ اس لئے کہ مال کی قیمت یا مقدار اسے زیادہ یا کم نہیں کرتی۔ لیکن اس کے پیچھے متحرک خلوص اس شے کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔

4- اگر کسی کی نذر یا ہدیہ مشائخ قبول کر لیں تو اسے اپنے لئے باعثِ سعادت جانے۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ سے اللہ کریم کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہوگا۔ رزق کا ضامن اللہ ہے ولی جب بھی لیتا ہے اپنے اللہ سے لیتا ہے کہ اگر وہ غیر پہ نظر کرے گا تو ولی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ اپنے دوستوں کے معاملے میں بہت غیور ہے وہ تو اپنے الٰہ ہونے کا اقرار بھی ابطال سے کراتا ہے۔ تو پس ایسے میں اگر درمیان میں کسی کی ذات کو اللہ کریم واسطہ یا ذریعہ بناتے ہیں تو یہ اس کے لئے حد درجہ سعادت ہے۔

6- اسی مندرجہ بالا کلیے کے پیشِ نظر دینے والا اپنے دیئے ہوئے کو جتائے نہیں اس کی اپنی ذات درمیان میں ہے کہاں؟ یہ حرکت اس کے اجر کو زائل کر دینے والی ہے۔

7- اول تو ہدیہ نہ دیا جائے اس لئے یہ کسی بھی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن جی میں خیال آئے اور ہدیہ دیا جائے تو ان آداب کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ ورنہ فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ دینے والا صرف اپنے اللہ کی خوشنودی کے پیشِ نظر دے۔ اس لئے کہ جو اس کے دوستوں کو خوش رکھتا ہے وہ اس سے خوش رہتا ہے۔ اور اس کے مال و عیال میں خیر و برکت پیدا فرما دیتا ہے۔

6- ھدیہ لینے کے آداب:۔

1- لینے والا صرف منعمِ حقیقی پہ نظر رکھے۔ غیر کو درمیان میں نہ آنے دے جیسے کہ ایک صوفی کا قول ہے کہ ''اگر میں غیر سے کھاتا تو فنا ہو جاتا''۔

2- مرید کے مال پہ نظر نہ رکھے۔ اور نہ ہی کسی کی حیثیت اس کے مال و منصب کے پیشِ نظر متعین کی جائے۔ بلکہ خلوصِ دل اور خلوص فی النیت و عمل کے پیشِ نظر تعلق کم یا زیادہ ہونا چاہئے۔

3- صرف لیا ہی نہ جائے بلکہ اس کا بدل دیا بھی جائے۔

4- صوفیاء کی طرف سے بہترین بدل وہ ہے جو اللہ کریم دیتے ہیں اس لئے کہ آدمی دوسرے آدمی کو جو بھی دے گا اپنی حیثیت کے مطابق دے گا لیکن جب اللہ کسی شے کا بدل دیتا ہے تو وہ، وہ دیتا ہے جو اس کی ہستی کو سزاوار ہے اسی لئے حضرت علی خواصؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی اللہ کا فقیر دعا سے ہدیہ کا بدل دے تو اس کو ہدیہ دینا چاہئے کیونکہ اس کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اس کی طرف سے مکافات فرماتا ہے''۔

5- پیر و مرید کے تعلق میں پیشِ نظر ہدیہ لینا یا دینا نہیں ہونا چاہئے کہ پیر مال لے اور دعا دے دے اور مرید مال دے کر اپنے لئے اپنے مرشد کی خوشنودی کما لے۔ یہ کوئی دنیاوی لین دین کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اولیّت تعلق باللہ کو حاصل ہے۔ جس کا حصول مال دینے سے نہیں ہوتا بلکہ مرید شیخ کامل کو تلاش کرے اور پھر فنا فی الشیخ ہو جائے پھر جس راستہ کی طرف شیخ راہنمائی کرتا جائے مرید اس کو اپنائے اور جی جان سے محنت کرے۔ خلوصِ نیت شرط ہے۔ اور پھر اس کے بعد وہ خود دیکھے کہ اس کا تعلق اللہ سے کس درجہ قائم ہوا ہے اور یہی اصل غرض و غایت ہے پیر اور مرید کے تعلق کی۔ اگر اس تعلق میں یہ حقیقت موجود ہے تو پھر اسے شیخ کامل پہ چاہئے اپنا سب کچھ وار دے تو بھی کم ہے اس کی بہ نسبت جو کچھ اسے اپنے شیخ سے ملا۔

7- فتوح کورد نہیں کرنا چاہئے:۔

☆ حضرت شہاب الدین سہرودیؒ فرماتے ہیں کہ، حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ :

''اگر کسی کو بغیر طلب اور توقع کے خلاف رزق مل جائے تو چاہئے کہ قبول کر لے اور جو رزق اس کے پاس موجود ہے اس میں اس سے وسعت پیدا کرے اور اگر یہ رزق پانے والا غنی ہے (اس کو حاجت نہیں) تب بھی اس کو واپس نہ کرے بلکہ ایسے شخص کو دے دے جو اس سے زیادہ ضرورت مند ہے''۔

☆ شیخ سہرودیؒ اس حدیث پاک کی شرح فرماتے ہیں کہ:

''یہ حدیث شریف اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص اس نیت سے اپنی ضرورت سے زیادہ بھی قبول کر سکتا ہے کہ وہ اسے دوسروں پر خرچ کر دے گا جو اس کے ضرورت مند ہوں گے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ کیوں اس رزق کو قبول نہیں کرے گا جب وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ عطائے رزق اللہ کا فعل ہے''۔

فرمایا:۔

''پس صوفی یہ فتوح حاصل کر لے تو اس کو ضرورت مندوں پہ خرچ کر دے۔ اور ایسا بھی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی طرف سے خاص علم حاصل ہونے پر اس مال میں تصرف بھی کرتے ہیں اس کا خرچ بھی حق ہے۔ اور انہوں نے لیا وہ بھی حق (درست) ہے''۔

(عوارف المعارف)

8- مدرسوں کے لئے چندوں کی اپیل:۔

حضرت شیخ المکرّم کا اس ضمن میں یہ اصول ہے کہ آپ نے آج تک کسی فرد' ملکی و غیر ملکی تنظیم یا حکومت سے چندے کی اپیل نہیں کی۔ جہاں تک خود سے بن پڑا کیا اور جس نے اپنی مرضی سے شمولیت چاہی تو بصد شوق لیکن نہ تو اس کا حکم دیا جاتا ہے نہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت تو اس بات کو بھی سخت ناپسند فرماتے ہیں کہ مساجد کے لئے چندہ مانگا جائے۔ نماز کے لئے تو ساری زمین پاک ہے' مسجدوں کی بجائے نمازی بنانے پہ زور دیتے ہیں۔

☆ اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

''میں تو علماء کی زبان سے چندوں کی اپیل کو پسند نہیں کرتا۔ لوگ بڑی تہمت لگاتے ہیں بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ مولویوں نے کھانے کمانے کے لئے مدرسے کھول رکھے ہیں۔ امیروں کے دروازہ پہ چندہ کے لئے کبھی نہیں جانا چاہئے۔ اپنی ذات سے دین کی جو خدمت ہو وہ کرنا چاہئے۔ اگر چندہ نہ آئے تو نہ سہی۔ اگر ہمارے قلوب درست ہو جائیں تو سلف صالحین کی طرز پر دین کی خدمت کی جائے۔ انہیں بڑے بڑے مکانوں کی ہرگز حاجت نہ تھی بلکہ عالم اپنے گھر پہ درس دیتا تھا۔ لیکن اس صورت میں میں یہ رائے ہرگز نہ دوں گا کہ مدرسے بند کر دیئے جائیں مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے۔ یہ بند نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال پہ قائم رہنا چاہئے''۔

(کمالاتِ اشرفیہ)

نوٹ:۔ مشائخ کے آداب بتانے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انہیں ہدیہ دینے کے آداب تعلیم کئے جا رہے ہیں اس لئے کہ محبت خود آداب محبت سکھا دیتی ہے پھر یہ تو ان کی بات ہو رہی ہے جو اللہ کے محبّ ہیں یہ تو وہی بات ہوئی۔

بہ زبانِ شاعر

؎ سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

یہ نکات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سادہ لوح مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اصل کیا ہے اور نقل کیا؟

''جس ہستی میں یہ آداب اور ایسی فکر پائی جائے تو وہ برحق ہے ورنہ سب نقل ہے، ڈھونگ ہے۔''

(مؤلف)

9- دم کرنا اور تعویذ دینا:۔

بہت سے لوگ اللہ والوں کے پاس دنیا لینے جاتے ہیں لولاک کی سیر کرانے والوں سے سر درد کی دوا لیتے ہیں لیکن اللہ کریم قادر ہے بہت سے لوگ اسی بہانے سے ان کے در پہ جا پہنچتے ہیں اور پھر دین داری اور ذکر الٰہی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کی توقعات اور مشائخ کا رویہ :۔

حضرت شیخ المکرم اس ضمن میں بہت واضح تعلیمات ارشاد فرماتے ہیں:

فرمایا:۔

''لوگ جب اللہ والوں کے پاس دنیاوی مجبوریاں' پریشانیاں اور تکلیفیں لے کر آتے ہیں تو بعض دفعہ اپنی بات ان تک پہنچانے کے لئے پہلے ان کی بات سننا پڑتی ہے۔ جس گھبراہٹ میں وہ مبتلا ہیں وہ دور ہوگی' کسی درجہ ان کی تسلی و تشفی ہوگی' انہیں خود سے ذرا فرصت ملے گی تو وہ دھیان دیں گے کہ سامنے والے کے پاس کیا ہے دینے کو۔ اس نے کس چیز کا بازار سجا رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کے زخم لگے اور خون بہہ رہا ہو۔ آپ اسے لاکھ سمجھاتے ہیں کہ تمہارا حلیہ خراب ہے' تمہارے کپڑے گندے ہو رہے ہیں تم گندی جگہ پہ بیٹھے ہو اسے کسی دوسری چیز کی فکر نہیں لاحق ہوگی جب تک کہ پہلے بہتے ہوئے خون کو روکنے کی سبیل نہ کی گئی اور وہ رک نہ گیا۔ پس یہی حکمت ہے دم' دعا اور تعویذ دینے کے پیچھے۔ کہ اللہ کے نام کی برکت سے لوگوں کی فوری حاجت براری ہو تو وہ اللہ کا ذکر سیکھنے بیٹھیں''۔

کنز الطالبین میں ایک جگہ فرمایا:۔

''میں (روایتی) پیرخانوں اور پیروں کو مافوق الفطرت سمجھنے کے خلاف ہوں میں خود جو تعویز لکھ کر دیتا ہوں تو یہ بھی انتہائی مجبوری میں۔ بعض لوگوں کو اگر تعویذ نہ دیئے جائیں تو ان پر اللہ پر بھروسہ کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا۔ کسی نہ کسی بدکار کے پاس تعویذ لینے چلے جائیں گے۔ پھر یہ ایک مسنون طریقہ بھی ہے اور شرعاً اس کی اجازت بھی ہے (ورنہ) اگر یہ مجبوری نہ ہو تو میرے ہاں سیدھا سیدھا استادی شاگردی والا رشتہ ہوتا ہے۔ لوگ آئیں اللہ اللہ سیکھیں اور اپنا اپنا کام کریں''۔ (کنز الطالبین)

دم کرنے کا ثبوت :۔

اس ضمن میں قرآن کی رو سے حضرت شیخ المکرم اپنی تفسیر قرآن میں لکھتے ہیں کہ :

''قرآن میں جہاں دمِ عیسیٰ کا ذکر ہے کہ مٹی کے پرندوں کو پھونک مار کر زندہ کر دیتے تھے (اسی طرح کوڑھے اور مادر زاد اندھے کو ٹھیک کر دیتے تھے) یہاں دم کرنا ثابت ہوتا ہے جبکہ حدودِ شرعیہ کے اندر ہو جس کام کے لئے دم کیا جائے وہ جائز ہو۔ کہ معجزہ یا کرامت کا اظہار تائیدِ دین کے لئے ہوتا ہے (دم کرتے ہوئے) جو پڑھا جائے اس کا پڑھنا شرعاً جائز اور درست ہو پڑھنے والا کلام کو سمجھتا ہو محض اول فول نہ یاد کر رکھے''۔

(اسرار التنزیل)

دم اور تعویذ کی جو جائز صورتیں ہیں ان کی شرائط بیان فرمانے کے بعد ناجائز صورتوں کو اپنی تفسیر میں اس طرح رد فرماتے ہیں کہ :

''جھاڑ پھونک کی ایک قسم حرام ہے جس میں شیطانی الفاظ یا ناجائز الفاظ غلط کاری کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس میں جس حد تک کر سکے شیطان تعاون کرتا ہے''۔

(اسرار التنزیل)

یہی حال تعویذ دینے کا بھی ہے اور اس کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔

-1 دم اور تعویذ کی جائز اور ناجائز صورتیں:۔

سحر، جادو ٹونا، کہانت اور جھاڑ پھونک یہ تمام افعال ناجائز ہیں۔ کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ارواحِ خبثہ کی طرف سے۔ نیز یہ شرک پہ مشتمل ہوتے ہیں۔ قرآن ان کی مخالفت کرتا ہے کہیں بابل ونینوا کے ذکر میں اور کہیں فرعون کے ساحرین کی صورت میں۔

مندرجہ بالا کے علاوہ بعض قسم کے تعویذات بھی ناجائز ہوتے ہیں۔

مثلاً:

(1) خون سے لکھے ہوئے تعویذ۔ کیونکہ شرعی اعتبار سے بہتا ہوا خون مثل پیشاب کے ناپاک ہے اس لئے ایسا تعویذ لکھنا اور پہننا دونوں ناجائز ہیں۔ پہننے والے کی نماز درست نہ ہوگی۔

(2) ایسے تعویذ و عملیات جن میں تصویریں بنائی جاتی ہیں حرام ہیں۔

(3) بعض قرآنِ مجید کو الٹا پڑھتے ہیں یا آیتِ قرآنی میں غیر قرآنی عبارتیں داخل کر دیتے ہیں جو کہ حرام ہے۔

(4) ناجائز کام یا مقصد کے لئے دم یا تعویذ ہو نیز حدودِ شرعیہ سے باہر ہو۔

(5) تعویذوں کا استعمال اس طرح کیا جاتا ہے کہ راستہ میں یا آمد ورفت کی جگہ پہ تعویذ دفن کیا جاتا ہے تو چونکہ یہ بے حرمتی و بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے اس لئے ناجائز ہے۔

-2 جائز قسم کے دَم یا تعویذ کے لئے شرائط:۔

(1) کلام، کلام اللہ یا اس کی صفات سے ہو۔

(2) حدودِ شرعی کے اندر ہو، قرآن کا حصہ یا مسنون ہونا افضل ہے۔

(3) عربی زبان میں ہو یا ایسی زبان میں کہ معنی معلوم ہوں۔

(4) تعویذ کو پاک ہاتھوں سے لکھا اور لیا جائے۔

(5) اعتقاد یہ ہو کہ دم یا تعویذ بالذات مؤثر نہیں ہیں بلکہ اللہ کی منشاء اور رضا سے اثر کرتے ہیں اور وہی ان میں اثر پیدا فرماتا ہے۔

(6) سالک کے لئے خاص طور پہ یہ شرط ہے کہ تعویذ لینے یا دینے والا بلا اجازت شیخ مشغول نہ ہو۔ کیونکہ اس میں سراسر نقصان ہے۔

(7) بے وضو ہونے کی صورت میں یا نہانے کی حاجت ہو تب بھی قرآن کی آیت نہ پڑھیں اور نہ لکھیں اور نہ لینے والا ایسی حالت میں لے۔ سادہ کاغذ میں لپیٹ کر ایسے شخص کو دیا جائے۔

(8) جب تعویذ کی ضرورت نہ رہے تو پانی میں گھول کر کسی ندی، نہر یا کنویں میں بہا دیں۔

(9) ''غایۃ الاوطار'' میں ایک احتیاط یہ بھی درج ہے کہ ''جو تعویذ جداگانہ غلاف میں نہ ہو یعنی مڑھا ہوا نہ ہو تو اس کا پاخانہ میں لے جانا مکروہِ تحریمی نہیں لیکن باہر رکھ کر جانا

بہتر ہے''۔

(10) اس ضمن میں ''عمدۃ السلوک'' کی یہ احتیاط بھی قابل غور ہے کہ ''کسی کافر کو تعویذ دینا مقصود ہو تو بہتر ہے کہ آیاتِ قرآنی نہ لکھے یا پھر حروف جدا جدا کر کے لکھے اور یا حروف کے ہندسے لکھ دے نہیں تو کوئی اور جائز عبارت لکھ دے''۔

اور اب آخر میں حضرت شیخ المکرمؒ کی ایک نصیحت پہ بات ختم کرتی ہوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں تعویذ کے خلاف نہیں ہوں لیکن اس بات کے خلاف ہوں کہ اللہ کو بھول کر مخلوق پہ بھروسہ کر لیا جائے۔ تعویذ کو بھی آپ اس حد تک مانیں جتنا کہ میڈیکل سائنس سے مدد لیتے ہیں کسی کے دَم یا تعویذ سے ہوسکتا ہے تکلیف دور ہو جائے اور ہوسکتا ہے کہ نہ ہو۔ اس لئے کہ بندے کو پیدا کرنا یا مارنا' خوشی دینا یا غم' آسانی دینا یا تکلیف یہ سب صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کسی دم یا تعویذ کا محتاج نہیں ہے''۔

(کنز الطالبین)

10- اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم :۔

اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا بنانا، ان پہ گنبد بنانا' عرس کرنا اور چراغاں کرنا یا چادر چڑھانا وغیرہ تمام امور بدعت ہیں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ حرام ہیں اور کچھ دیگر مکروہ ہیں۔

اس ضمن میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ:

''قبروں کو بلند کرنا اور گنبد بنانا اور عرس اور چراغاں وغیرہ کرنا سب کچھ بدعت ہے بعض تو مکروہ افعال ہیں اور بعض حرام باتیں ہیں''۔

اس ضمن میں وہ تین احادیث بیان فرماتے ہیں:

1- حضورؐ نے قبروں پہ شمع جلانے والوں اور ان کو سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

2- آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

''میری قبر کو مسجد اور عید (میلہ کی جگہ) نہ بنانا'' عید کا دن سال بھر میں لوگوں کا جمع ہونے کا دن ہوتا ہے اس سے عرس وغیرہ کی ممانعت کا اشارہ ملتا ہے جو آج کل خلاف شرح طریق پر رائج ہے۔ اور دوسری بات جس کی ممانعت فرمائی کہ ''مسجد نہ بنانا'' کیونکہ مسجد سجدہ کی جگہ ہے اس سے قبروں کو سجدہ کونے اور ماتھا لگانا حرام قرار پاتا ہے۔'' (ارشاد الطالبین)

3- رسولِ کریمؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ بلند قبروں کو برابر کر دو اور جہاں کہیں تصویر پائیں اس کو مٹا دیں۔

(ارشاد اطالبین)

زیارتِ قبول کا مستحب طریقہ :۔

حضرت پانی پتیؒ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ:

''حضورؐ' صحابہ کرام، اولیاء عظام کی قبور کی زیارت کے لئے طہارت و پاکیزگی حاصل کرے اور پھر حضورؐ اور آپؐ کے اصحاب پہ درود و سلام بھیجے۔ قبر پہ آنے سے پہلے نفل نماز' روزہ یا خیرات جو خالص اللہ کی نیت سے کیا ہو اس کا ثواب صاحبِ قبر کو ایصال کرے۔ اللہ کے آگے دل کو حاضر رکھے اور خشوع اور رقت کے ساتھ اللہ سے ان پاک ارواح کی محبت اور ان جیسا اتباع مانگے۔ اگر صاحب نسبت ہو (یعنی اس

بزرگ سے قلبی تعلق ہو) تو تمام طرف سے علیحدہ ہوکر حصول فیض کی غرض سے مراقبہ میں بیٹھے۔ گوقرآن کی تلاوت میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ قبروں کے پاس تلاوت کرنا جائز ہے"۔

(ارشادالطالبین)

نوٹ: ''عمدۃ السلوک'' میں بھی مندرجہ بالا فتوی کی مکمل تائید ملتی ہے۔

مشائخ کی وفات پر صبر کی تلقین:۔

وفات چاہے کسی کی بھی ہو دل کو دھچکا ضرور لگتا ہے اور چوٹ اسی مناسبت سے زیادہ لگتی ہے جتنا وہ کسی کا پیارا ہو۔ چاہے وفات اپنے عائلی بزرگوں کی ہو یا روحانی بزرگوں کی۔ایک مسلمان کے لئے احسن وطیرہ کی مثال خود حضورؐ نے قائم کی۔ عام الحزن کو دیکھ لیجئے' حضرت قاسم کی وفات کی مثال لے لیں یا حضرت حمزہؓ کی شہادت کی۔ ہمارے لئے ان واقعات میں صبر کی تلقین ہے اور اسلام کا پیغام بہت ہی قرار دینے والا ہے کہ ''اللہ کا مال تھا اس نے واپس لے لیا اور ہم کو بھی ایک دن اسی کے پاس لوٹ جانا ہے''۔(ان للہ وانا الیہ راجعون)

قاضی ثناءاللہؒ کی وصیت کا ایک حصہ نقل کیا جارہا ہے جس میں ہمارے لئے بہت سی تعلیم ہے۔

> ''میری وفات کے بعد دنیوی رسوم جیسے چہلم' ششماہی اور برسی کوئی چیز نہ کریں کیونکہ حضورﷺ نے تین دن سے زائد غم کرنے کو جائز نہیں رکھا بلکہ حرام قرار دیا ہے اور عورتوں کے رونے اور چلانے کو تاکید سے منع فرمایا ہے۔فقیر ان باتوں سے اپنی زندگی میں بھی خوش نہ تھا اور کبھی اپنے اختیار سے ان میں سے کوئی بات نہیں کی۔ البتہ کلمہ' درود' ختم قرآن اور استغفار کے علاوہ پوشیدگی کے ساتھ فقراء میں حلال مال خیرات کرکے میری امداد فرمائیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ 'میت کی حالت قبر میں غوطہ کھانے والے کی ہے جو باپ' بھائی اور دوست کی مدد کا منتظر ہو''۔

(ارشادالطالبین)

مندرجہ بالا وصیت کی عملی تصویر ہم نے اعلیٰ حضرتؒ کی وفات پہ دیکھی مرشدآباد' چکڑالہ میں آپ کی کچی قبر آج بھی گواہ ہے۔جس پہ نہ کوئی گنبد ہے نہ چادر' نہ چراغاں کی جاتی ہے نہ عرس۔

وفات کے بعد پیر سے تعلق:۔

اگر سالک کی زندگی میں اس کا مرشد انتقال کرجائے تو مرید کے لئے کیا لائحہ عمل ہے۔اس کے لئے عرض ہے کہ:

☆ مرید کے لئے ایک زندہ شیخ کا ہونا ضروری ہے اس لئے اپنے شیخ کے جانشین کے ہاتھ پہ یا جہاں مناسب سمجھے بیعت ہوجائے۔

☆ اگر پیر رحلت فرما گیا تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہے(عمدۃ السلوک)

☆ گویا اپنے متوفی شیخ کے لئے دعا کرتا رہے اور اس کی خوشی پانے کے لئے پڑھ کر بخشے' صدقات دے یا اپنے نیک اعمال کا ثواب ان کی روح کو بخشے۔

☆ ایصال ثواب کے لئے قبر پہ لازماً حاضری ضروری نہیں' یہ کہیں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

☆ زیارت قبور ممنوع نہیں ہے لیکن کبھی کبھار۔

☆ پیر کے انتقال کے بعد اس کے عیال کی خدمت کرنا چاہئے کیونکہ صاحب معیار السلوک کے مطابق اس میں خوشنودی حق ہے اور یہ خوشنودی ارواح طیبات پیران کبار کا باعث ہے۔

11۔ سلسلہ ولایت اور گدی نشینی:-

1۔ سلسلہ ولایت: صوفیاء میں ایک قول رائج ہے کہ :-

''علم شریعت سفینہ در سفینہ اور علم طریقت سینہ در سینہ''

گویا دین کا پہلا شعبہ یعنی شریعت ''تعلیمات نبوی'' پہ مشتمل ہے جنہیں اگلی نسل کو منتقل کرنے کے لئے قول، فعل اور تحریر و تقریر کو استعمال میں لایا گیا جبکہ دوسرے شعبے کی اصل ''برکات نبوی'' ہیں۔ تو جیسے زخم نظر آ سکتا ہے مگر درد نہیں یا کوئی بھی کیفیت وہ خوشی ہو، غم ہو یا گرمی و سردی دوسروں کو دکھائی اور سمجھائی نہیں جا سکتیں۔ نہ کیفیت کی کوئی شکل و صورت ہوتی ہے اور نہ وہ لکھی جا سکتی ہے تا آنکہ دوسرا خود اسی صورت حال سے گزر کر خود جھیلے بقیہ برکات بھی ظاہری شکل و صورت سے مبرا ہوتی ہیں اور دل، دل سے وصول پاتے ہیں یوں یہ سینہ در سینہ منتقل ہوتی ہیں اور اسی طرح آج ہم تک پہنچی ہیں۔

ہر زمانے میں اللہ نے اپنے مقرب بندے مقرر فرمائے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں کے لئے ان برکات کے امین تھے وہ پیچھے سے وصول پاتے اور آگے لوگوں میں منتقل کرتے۔ یہ جو سلسلہ ہے پیچھے سے یعنی اپنے مشائخ اور دربار نبوی سے وصول پانا اور آگے ان برکات کو منتقل کرنا اسے ''سلسلہ ولایت'' کہتے ہیں''۔

(افادات از شیخ المکرّم)

''اس عمل کی صورت بالکل راویان حدیث کی طرح ہوتی ہے جس طرح سلسلہ روایت میں ہر حدیث کو صحت اور درستگی کے ساتھ راوی در راوی حضورﷺ تک پہنچایا جاتا ہے اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ مشائخ کا بھی ایک پورا شجرہ ہوتا ہے جو شیخ در شیخ حضورﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسی لئے تصوف میں یہ شرط ہے کہ ہر صوفی اپنا ایک شیخ رکھتا ہو اور ہر شیخ اپنا ایک شیخ رکھتا ہو''۔

(افادات شیخ المکرّمؒ)

''اسرار التنزیل'' میں سلسلہ ولایت کی وضاحت کا یوں خلاصہ کیا گیا ہے کہ :

''کمالاتِ روحانی کی انتہا نبوت ہے جس کے فیضان سے صحابیت اور جس کی تربیت سے ولایت خاصہ سینہ در سینہ چلتی ہے''۔

مشائخِ ظاہری و باطنی کی تفریق ہمیں شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس قول سے بھی ملتی ہے۔ فرمایا:-

''مشائخ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مشائخ شریعت اور ایک مشائخ معرفت شیخ شریعت تجھے مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخ طریقت تجھے قرب خداوندی کا راستہ بتائے گا''۔

(الفتح الربانی)

شیخ طریقت کی خصوصیات حضرت سلطان باہوؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ :-

''اور یاد رکھو! فقیر فنا فی اللہ صاحب حضور ہوتا ہے وحدانیت الٰہی میں غرق کرنا اور مجلس محمدیﷺ میں پہنچانا اس کے لئے مشکل نہیں بلکہ آسان ہے اور صرف ذکر و فکر اور تقویٰ و زہد سے یہ بات حاصل کرنا دشوار ہے کیونکہ مرشد کامل و مکمل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود کو پہنچا سکتا ہے جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو اسے کامل و مکمل کہنا غلط ہے بلکہ وہ راہزن ہے''۔

(عین الفقر)

اعلیٰ حضرتؒ طریقت کی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ :-

''دوستو! یہ دولت تصوف کے ادارے قائم کرنے سے نہیں ملتی نہ تصوف کے جرائد جاری کرنے سے ملتی ہے نہ ہی کتب تصوف

کے مطالعہ سے ہاتھ آتی ہے۔ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے''۔

(دلائل السلوک)

مندرجہ بالا قول سے سلسلہ ولایت کی بھی تائید ہوتی ہے۔

2۔ گدی نشینی :-

ولایت اور سلسلہ ولایت کی اصل صورت تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی' رہا سوال گدی نشینی کا تو اس ضمن میں مولانا اسمٰعیل کا ارشاد بہت جامع ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

''آج کل پیروں کا طریقہ یہی ہے کہ باپ مرا تو بیٹا گدی نشین بن جاتا ہے اور دستار اس کے سر پہ باندھ دی جاتی ہے یوں وہ فوراً پیرومرشد بن جاتا ہے۔ نہ اس نے طریقت وسلوک طے کیا نہ باضابطہ طریقت کی اجازت ملی اور نہ ہی وہ اتباع شریعت پہ مستحکم ہے مگر مریدوں یا اہل خاندان نے اسے پیر بنادیا۔''

تو یاد رہے! بنا سلوک و بنا اجازت کے پیر بن کر گدی پر بیٹھ رہنا اور لوگوں کو مرید کرنا سراسر غلط ہے اور عقل ونقل کے سراسر خلاف ہے (درست طریقہ یہ ہے کہ) کسی بزرگ کے انتقال کے بعد دیکھا جائے گا کہ اس کے کسی مرید نے چاہے وہ اولاد میں سے ہی کیوں نہ ہو (اس نے) راہ سلوک طے کرکے بیعت کی اجازت حاصل کی ہے۔ نیز علماء طریقت کی رو سے سب سے لائق وہی ہو تو سر پہ دستار باندھی جائے ورنہ ولایت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔ یہ ایک نعمت خداوندی ہے وہ چاہے تو غلام کو عطا کرے یا چاہے تو آقا کو۔ اور نہ ہی مریدی کسی کی غلامی کا نام ہے بلکہ یہ صراط مستقیم پہ چلنے اور خلوص حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ناقص کا ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے اور اس میں سراسر مکاری ہے۔

(مقامات تصوف)

جو چیز میں نے اپنے ہاں رائج دیکھی ہے وہ یہی ہے کہ سلسلہ ولایت بھی شیخ در شیخ قائم ہے چاہے برزخ ہی سے کیوں نہ اکتساب فیض کیا گیا ہو (اس کی وضاحت آگے آئے گی) اور گدی نشینی و دستار بندی کا آج کل والا سلسلہ بھی رائج نہیں۔ ہمارے موجودہ شیخ، اعلیٰ شیخ کے ایک شاگرد اور مرید تھے اور بس۔ بلکہ شیخ المکرّم تو اس ذمہ داری کے متعلق فرماتے ہیں کہ :

''ہم تو نماز بخشوانے گئے تھے الٹا روزے گلے پڑے''۔

12۔ ایک سے زائد مرشد اختیار کرنے کی حقیقت:-

☆ سوال :- ہمارے ہاں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ ایک شخص جب ایک مرشد کے ہاتھ پہ بیعت ہو جاتا ہے تو پھر بیعت کے اوپر بیعت کرنے کو حرام سمجھا جاتا ہے بلکہ لوگ نسل در نسل ایک ہی پیر کی مریدی میں چلے آتے ہیں آیا یہ درست ہے؟

☆ سوال :- دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ کتاب ''مقامات تصوف'' میں تلاش مرشد کے تحت رقم ہے کہ :

''شیخ عبدالقادر جیلانی' امام ربانی' شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جان جاناں وغیرہ رحمتہ اللہ علیہ اجمعین اور دیگر ہزاروں اولیاء شرف بیعت سے مشرف تھے (نیز) خود اکابر علماء ہونے کے باوجود کسی نے ایک' کسی نے دو اور کسی نے تین یا چار مرشد اختیار کیئے''۔

تو دو' تین یا چار شیخ اختیار کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

جب یہ سوال حضرت شیخ المکرّم کی خدمت میں پیش کیئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

جواب :- ''بیعت کے اوپر بیعت کی نوبت تین صورتوں میں آتی ہے''۔

1۔ ایک تو یہ کہ موجودہ شیخ سلوک کا ماہر نہ ہو بلکہ وہ صرف اس کا دعویدار ہو۔ایسی صورت میں حقیقت یہ ہے کہ مقصد اللہ تک پہنچنا ہے شیخ تک پہنچنا نہیں اس لئے نفع محسوس نہ ہوتو دوسرا شیخ تلاش کرلیا جائے۔اور پہلی بیعت توڑ دی جائے بلکہ اس ضمن میں اس نقطے کو خاص طور پر پیش نظر رکھا جائے کہ اس صورت میں بیعت سلوک منعقد ہی نہیں ہوئی کیونکہ اگر تو بیعت سے مقصد صرف ظاہری احکام کی تعلیم وتربیت ہے تو کسی بھی عالم کے ہاتھ پہ جائز ہے اسے استاد مقرر کرلیا جائے اس کے لئے صوفی ہونا شرط نہیں ہے۔لیکن اگر مقصد سلوک سیکھنا ہوتو تصوف میں یہ اصولی بات ہے اور شرط ہے کہ ''تصوف کی بیعت کم از کم فنافی الرسول کے حامل کے ہاتھ پہ منعقد ہوسکتی ہے جو کہ دوسروں کو بھی فنافی الرسول کرانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

2۔ بیعت پہ بیعت کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خاص سبق تک ایک شیخ سے استفادہ کیا جائے اور اس شیخ سے جب مزید ترقی ممکن نہ ہو یعنی وہ اگلے اسباق کرانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو جبکہ سالک میں آگے جانے کی اہلیت موجود ہو تو ایسی صورت میں دوسرا شیخ پکڑنا لازمی ہوجاتا ہے جو سالک کو اگلے مقامات کراسکتا ہو۔بلکہ ایسی صورت میں مشائخ خود ہی کسی دوسرے شیخ کے پاس بھیج دیتے ہیں اس صورت میں پہلی بیعت خود بخود منسوخ ہوجاتی ہے لیکن اس شیخ کا احترام بحیثیت استاد اور مربی کے ہمیشہ لازم رہے گا''۔

3۔ تیسری صورت شیخ کا فوت ہوجانا ہے۔بیعت پہ بیعت کی یہی تین صورتیں ہیں اور مندرجہ بالا تینوں صورتوں میں بیعت پر بیعت جائز ہے۔

الجواب:۔ ''دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے میں موجود ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا امام ربانیؒ ودیگر نے ایک سے زائد جگہ بیعت کیوں اختیار کی۔جتنا سبق ایک شیخ کراسکتا تھا اتنا اس سے حاصل کیا اور مزید کے لئے دوسرے اور پھر تیسرے یا چوتھے شیخ کے پاس پہنچتے چلے گئے''۔

(شیخ المکرّم)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا لوگ تھے وہ اور کتنا خلوص تھا ان میں اور کس درجہ قوت روحانی تھی ان کی کہ سدا خوب سے خوب تر کی طرف ان کا سفر جاری رہا۔

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر کوئی مدعی دربار نبوی تک رسائی نہیں رکھتا پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے۔ماخوذ ہوگا۔پس کامل وناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو''۔

(اسرارالتنزیل)

نوٹ:۔ گویا بیعت شریعت کے لئے اور شرائط ہیں اور بیعت طریقت کے لئے اور نیز جو ان شرائط پہ پورا نہیں اترتا وہ ناقص ہے اور بیعت لینے کا مجاز نہیں۔

ایک جگہ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:

''بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہوجائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟ خدا کے بندو! پہلے اتنا غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ذریعہ ہے مقصد اللہ کی رضا ہے اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کرکے یکسو ہوکر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا جائے۔اگر پیر کے فوت ہوجانے پر دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ وہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔''

مزید فرمایا!

''پھر یہ سوچو کہ حضورؐ کے بعد کیا صحابہ کرامؓ نے خلفائے راشدین کی بیعت نہیں کی تھی؟ پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوتا ہے کہ پیر کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری جگہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟''

(دلائل السلوک)

13۔ بیان توجہ شیخ:۔

توجہ سے مراد:۔ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں۔

''سلوک میں توجہ سے مراد''توجہ شیخ'' ہے تصوف وسلوک کی خصوصیت منازل سلوک طے کرنا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ''شیخ کامل کی توجہ'' ہے اور یہ ذریعہ محض ایجاد بندہ نہیں بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے''۔

(دلائل السلوک)

توجہ کی اصل:۔

''تحفۃ القاری'' میں توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے''پس جبرئیل نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا''۔(الحدیث)

''علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنا دل کو متوجہ کرنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہوا سے قبول کر لے۔اور علمائے طریقت کہتے ہیں یہ سینے سے لگانا وصول فیض کے لئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا دوسری مرتبہ وحی کے لئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کے لئے تھا۔اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے''۔

نوٹ:۔اس ضمن میں اعلیٰ حضرتؒ نے توجہ اور تصرف شیخ کے موضوع پر پورا ایک باب باندھا ہے۔دلائل السلوک سے استفادہ کیا جائے''۔

توجہ کا طریقہ:۔

''تعلیمات رحیمی''میں ہے کہ:

''مشائخ کا معمول ہے کہ ترقی کے واسطے توجہ دیا کرتے ہیں۔شیخ جس کی کیفیت میں کمی دیکھے اس کو اپنے پاس بلا کر ذکر کروائے اور اس کے قلب پہ خود ضرب مارے تاکہ بے خود ہو اور اگر مناسب سمجھے تو کوئی قصیدہ یا شعر خوش الحانی سے پڑھے۔غائبانہ مریدوں کو توجہ دینے کا مقصد ہو تو ان کی صورتوں کا خیال کر کے اپنے قلب کے روبرو باندھ کر توجہ دے تو انشاءاللہ (زیادہ) فیض پہنچے گا''۔

توجہ کا مقصد:۔

اس ضمن میں''مقامات تصوف''میں بھی کافی تفصیل ملتی ہے جس سے''توجہ کی غرض وغایت''بھی واضح ہو جاتی ہے اور توجہ کے طریقے پہ بھی روشنی پڑتی ہے۔توجہ کے دو طریقے ہیں۔

1۔ اول مرید کی اصلاح کی خاطر اور اس میں محبت حق تعالیٰ خوف وخشیۃ (الٰہی) اور اخلاق باطنہ کے حصول کے لئے اللہ کے حضور دعا کی جائے' وعظ ونصیحت اور تلقین کے ذریعہ مرید کی طرف توجہ رکھی جائے یہ طریقہ مسنون بھی ہے اور مستحسن بھی''۔

2۔ دوسرا طریقہ جو عام طور پر متصوفین میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو تمام تر خیالات سے خالی کر کے خاص طور پر مرید کی طرف متوجہ کرتا ہے مقصد القائے تصوف ہوتا ہے۔بعض مشائخ اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہیں لیکن یاد رہے اس کا نفع دیرپا نہیں ہوتا نیز طالب فوری کیفیت کو کافی سمجھ کر اسی پر اکتفا کر بیٹھتا ہے اور اپنے طور محنت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اس لئے بالقصد ایسا کرنا ممنوع ہے۔

انتباہ:۔

مندرجہ بالا تحریر کی ہی طرح کا انتباہ حضرت شیخ المکرم بھی فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ سے اخذ فیض اور توجہ شیخ سے تمام مقامات بیک وقت طے ہو سکتے ہیں۔ ہم نے الحمدللہ ایسے ہوتے دیکھا ہے۔ ہمارے سلسلہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ابتداء ہی سے شیخ براہ راست آقائے نامدارؐ کے سینہ اطہر سے انوارات اپنے دل میں جذب کرتا ہے اور طالب کے قلب پر انڈیل دیتا ہے۔ یہ کام تو شیخ کا ہے لیکن شیخ کی توجہ کے اثرات وانوارات قبول اور جذب کرنا طالب کا کام ہے آپ دیکھتے نہیں بارش کا برسنا تو عام ہے مگر سنگلاخ زمین پانی کو جذب نہیں کرتی اور نرم زمین پانی کو جذب کرتی ہے جس سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ پانی کے جذب پر ہی بس نہیں ہے روئیدگی سے ثمرات حاصل کرنے کے لئے ہل چلانا۔ بیج ڈالنا' گوڈی' نلائی اور پھر فصل کی رکھوالی کرنا سب ضروری مراحل ہیں یوں سمجھئے کہ یہ سب طلب کے مراحل ہیں جس نسبت سے طلب میں اضافہ ہوگا اسی مناسبت سے شیخ کی توجہ زیادہ ملے گی''۔

نیز ایک جگہ فرمایا:-

''طلب کے بعد استعداد پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو ان کیفیات کو جذب کر سکے۔ اگر روح میں قبولیت کی استعداد نہ ہو تو طالب کا قلب شیخ کی توجہ کے انوارات پیچ دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کفار مکہ حضورؐ کے ساتھ مادی قرب میسر آنے کے باوجود قرب حقیقی کی دولت سے محروم رہے۔ گویا توجہ یکساں تھی لیکن اخذ فیض کی استعداد یکساں نہ تھی۔ اور یہ پیدا کرنے کے لئے اکل حلال وطیب' صحبت بد سے پرہیز اور صحبت نیک اختیار کرنا اور اذکار میں پابندی ضروری ہے''۔

(طریق نسبت اویسیہ)

توجہ کے کمالات:-

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:-

''ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں اسی حدیث (سورہ اقراء کا نزول اور حضرت جبرئیل کا حضورؐ کو تین مرتبہ سینے سے لگا کر بھینچنا) کے مطابق مبتدی سالک کو تین مرتبہ توجہ دی جاتی ہے پہلی توجہ سے مقصود روحانی شکل کی درستگی ہوتی ہے دوسری دفعہ رفع نحوست کے لئے اور تیسری بات تنویر قلب کے لئے۔ اسی سے سالک میں سلوک طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے شیخ کامل کے بغیر یہ منازل طے نہیں ہو سکتے''۔

(دلائل السلوک)

حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ:-

''جسے بھی ایک بار داخل سلسلہ کر لیا جائے اسے از خود توجہ ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ نسبت اویسیہ اور باقی سلاسل میں فرق یہی ہے کہ باقی تمام سلاسل میں پہلے صحبت شیخ شرط ہے پھر غائبانہ توجہ نصیب ہوتی ہے۔''

''شیخ کے پیچھے جسے ایک ذکر نصیب ہو جائے اس کے ساتوں لطائف روشن ہو جاتے ہیں بلکہ اگر شیخ چاہے تو اس کی ایک توجہ سے سارے مقامات بیک وقت طے ہو سکتے ہیں اور اگر شیخ کی توجہ نہ ہو تو آپ ساری زندگی لگا کر بھی ایک لطیفہ قلب بھی روشن نہیں کر سکتے''۔

(استفادہ از کنز الطالبین)

توجہ کے کمالات کیونکر ممکن ھیں؟:-

اگر کوئی یہ سوچتا ہو کہ توجہ سے یہ سب کیسے ہو سکتا ہے تو اس کے لئے مولانا اسمٰعیل بڑی سادہ سی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ'' دراصل ہر انسان میں ایک موثر قوت برقیہ

قدرتاً ودیعت ہوتی ہے۔حتیٰ کہ یہ قوت برقیہ تو زمین میں بھی پائی جاتی ہے یہ جو بغیر تار کے خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائی جاتی ہیں ان کا ذریعہ یہی قوت برقیہ ہوتی ہے۔(نیز) نظر لگنا' مسمریزم (ہپناٹزم) وغیرہ کا ماخذ بھی یہی ہے فرق اگر ہے تو اتنا کہ ایک جگہ اس قوت کا استعمال اچھی جگہ (اچھے مقصد کے لئے) ہوتا ہے اور دوسری جگہ برے مقصد کے لئے''۔

(مقامات تصوف)

نوٹ:-

''مشائخ بالارادہ یا باقاعدہ کسی کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو کسی بات کی طرف توجہ دلانے' کسی شخص کی خوبی یا خامی بتانے سے یا رابطہ کرنے سے جو دھیان ادھر جاتا ہے اس سے بھی مریدین کو فائدہ ہو جاتا ہے''۔

14۔ صوفیوں کے غیر مشروع کلمات:-

''اسلام اور کفر کے درمیان تمیز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اسی طرح اہل طریقت کے نزدیک بھی کفر ہے۔اختلاف صرف غلبہ حال کی صورت میں ہے۔مثلاً منصور حلاج مغلوب الحال تھا (اس نے ''انا الحق'' یعنی ''میں خدا ہوں'' کا نعرہ لگایا تھا) تو اہل شریعت نے اس پہ کفر کا فتویٰ لگایا جبکہ اہل حقیقت نے کفر کا فتویٰ تو نہ دیا لیکن اس کو ناقص ضرور مانا۔اور کاملین میں اس کا شمار نہیں کیا''

(مقامات تصوف)

صوفیاء سے غیرمشروع کلمات صادر ہونے کی وجہ:-

غیر مشروع کلمات یعنی ایسے کلمات جو شریعت کی رو سے جائز نہ ہوں ایسے کلمات صوفیا کی اس جماعت سے صادر ہوتے ہیں جو حالت سکر میں چلے گئے۔ایسے صوفیاء خال خال رہے ہیں کہ جو تجلیات باری کی تاب نہ لا سکے اور صحو کی بجائے حالت سکر میں چلے گئے۔سکر کیا ہے؟ اور صحو کیا؟

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

''صحو تمکین اور اعتدال پر صفت آدمیت کی صورت پکڑ لیتا ہے اور یہ حجاب اعظم ہے اللہ تعالیٰ سے۔جبکہ سکر میں صاحب سکر کے تمام تصرفات اللہ کے حضور فنا ہو جاتے ہیں اور تدابیر دنیا اور اختیار ذاتی کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں''۔

(کشف المحجوب)

افضل کون ہے؟

اہل سکر یعنی فرط شوق ومحبت سے مغلوب الحال اور اہل صحو یعنی صحت حال کے ساتھ بیدار تر لوگوں میں صوفیا کس جماعت کو افضل مانتے ہیں تو اس ضمن میں یہی ایک مثال کافی ہے کہ۔

حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ:-

حضور نے دعا فرمائی کہ:۔

ا للھم ارنا الاشیا کما ھی	اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی وہ ہیں

کیونکہ جب تک کسی شے کی حقیقت نہ دیکھی جائے عبرت نہیں لی جاتی تو یہ تمام کیفیت صحو میں آئے بغیر درست نہیں ہوتی۔اہل سکر کو اس معانی سے کچھ آگاہی نہیں۔جیسا کہ حضرت موسیٰ بحالت سکر تھے تو ایک تجلی کے ظہور کی تاب نہ لا سکے اور ہمارے حضورؐ جب بحال صحو تھے مکہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں گئے اور ہر لحظہ ہوشیار

اور بیدارتر رہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

اسی طرح حضرت جنید اوران کے متبعین صحو کو سکر پہ فضیلت دیتے ہیں حضرت جنید نے شبلی کو فرمایا!

''شبلی مستی میں ہیں اگر ہوش ہوتا تو البتہ ایسا منذر رہوتا جس سے کوئی نفع پاتا۔''

صاحبان حال کی تقلید سے متعلق حکم:۔

''مغلوب الحال کی تقلید کرنا شریعت وطریقت دونوں کے نزدیک الحاد زندقہ اور کفر ہے اللہ ہم تمام مسلمانوں کو ایسی لغو تقلید سے بچائے ،قابل تقلید علوم شریعت ہیں۔''

(مقامات تصوف)

''احوال ظاہر ہونے سے پہلے کے اُن کے اقوال کو سننا ان کی طرف شوق پیدا کرتا ہے اس لئے انہی اقوال کو اپنے احوال کے مصداق بنایا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ ان اقوال کا سننا جاننا یا ان میں غور کرنا منع ہے۔ایسی صورت میں زبردست نقصان ہے۔''

(مقامات تصوف)

نیز صاحبان حال لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے بارے میں کوئی بھی رائے نہ دی جائے یہی درست رویہ ہے۔جیسا کہ امام قشیری نے منصور حلاج کے متعلق فرمایا ہے کہ:۔

''اگر وہ ارباب معنی وحقیقت میں سے تھے تو لوگوں کے مطعون کرنے سے ایک عارف مہجور نہیں ہوسکتا اور اگر وہ مہجور فی العرفان تھے تو مردود مخلوق کے مقبول بنانے سے مقبول نہیں ہوسکتا۔لہذا ہم اُن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور جس قدر ان میں معاملات عرفانی دیکھتے ہیں (صرف) اس حد تک ہم انہیں بنظر عظمت دیکھتے ہیں۔''

(رسالہ قشیریہ)

حتمی بات :۔

صوفیا کے وجد، حال اور کشف کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے وہ بے حقیقت ہیں کیونکہ طریقت کا مقصد صرف یہ ہے کہ شرعی عقائد میں جو اصل ایمان ہیں یقین زیادہ پختہ ہو نیز اتباع سنت لازم ہے۔

ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے قرآن میں اتباع نبوی کا صریح حکم موجود ہے(ان تطیعو ا تھتدو ا)

سہیل تستری فرماتے ہیں کہ:۔

''جس کے وجد کی شہادت اللہ وسنت رسول نہ دیں وہ باطل ہے "اور اس کے قریب قول ابوعثمان دوانی کا بھی ہے۔''

نوٹ: مندرجہ بالا 18 پوائنٹس ''اشتبہات'' سے متعلق تھے۔جو یہاں تمام ہوئے۔اس سے آگے دو موضوعات کرامات اولیاء اور کشف کو الگ فصل قائم کر کے بیان کیا جاتا ہے۔یوں تو ان کا شمار صوفیاء سے متعلق اشبہات میں ہی ہے لیکن طوالت کے باعث الگ باب باندھا جاتا ہے۔

(مئولفہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
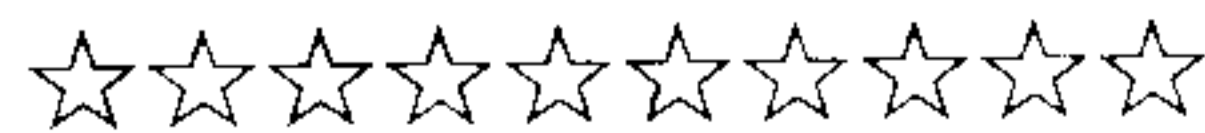
کراما ت اولیاء

کرامات اولیاء سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔فرداً فرداً سب کا جائزہ لیتے ہیں

1- کرامت جائز ھے۔

آداب المریدین میں ہے کہ :۔

''اس بات پر آئمہ کا اجماع ہے کہ اولیاء کی کرامات ثابت ہیں اور حضورؐ کے زمانے اور دوسرے زمانوں میں بھی جائز رہی ہیں۔،،

امام قشیری فرماتے ہیں کہ :۔

''اولیاء سے کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے اور اس کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک امر ہے جس کا واقع ہونا سمجھ میں آتا ہے اور اس سے کوئی شرعی اصول نہیں ٹوٹتا اور اللہ کی قدرت سے کرامت پیدا ہوتی ہے لہذا جب یہ واجب ہو گیا کہ کرامت اللہ کی قدرت سے پیدا ہوتی ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی چیز مانع نہ رہی''۔ (رسالہ قشیریہ)

2- کرامت کا ثبوت :۔

اعلیٰ حضرت اس ضمن میں بہت ثبوت فراہم کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :۔

امام ذہبی جو جماعت صوفیہ کے سخت مخالف ہیں کرامت کے انکار کے متعلق وہ بھی فرماتے ہیں کہ :۔

''خوب سمجھ لو اللہ نے ہمیں خبر دی اور اس سے زیادہ سچی خبر دینے والا اور کوئی نہیں کہ بلقیس کا تخت بڑا عظیم تھا۔اتنا بڑا کہ ہم اس کی تفصیل نہ سمجھ سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں نہ ہی اس کی مقدار و ماہیت سمجھ سکتے ہیں اور یہی عظیم تخت حضرت سلیمان کی رعیت کا ایک آدمی اٹھا لایا اور آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے اس لئے کرامات اولیاء کا انکار ایک جاہل آدمی کے بغیر اور کوئی نہیں کر سکتا بھلا اس عظیم تخت کے آنکھ جھپکنے کی دیر میں لے آنے سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہو سکتی ہے؟ یہ بات عقل کی دسترس سے باہر ہے اس لئے ہم اس کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ایمان لائے اور کرامت اولیا کی تصدیق کی۔''

(دلائل السلوک)

3- کرامت ولی کے لئے شرط نہیں :۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

''کرامت ولایت کا خاصہ نہیں ہے بعض ایسی ہستیاں ہیں کہ بہت مقرب ہیں لیکن صاحب کرامت نہیں حتی کہ بعض ہمارے صحابہ سے بھی کوئی کرامت مروی نہیں۔ پس اولیاء میں بعض کی بعض پر کوئی فضیلت وفوقیت کرامت کی بنیاد پر نہیں کثرتِ عبادت وقرب الٰہی پر ہے''۔

(ارشادالطالبین)

☆ صاحبِ عوارف حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں

''حق تعالیٰ کسی کو خوارق عطا کرتے ہیں اور دوسروں کو نہیں حالانکہ یہ لوگ صاحب خوارق سے بلند درجہ ہوتے ہیں۔ خرق عادت تو ذکر قلبی اور اس کے تجوہر سے کم تر شے ہے''۔

(عوارف والمعارف)

☆ حضرت عبیداللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''عارفوں کی فراست کا تعلق طالبوں کی استعداد اور اولیاء کے مقامات معلوم کرنے سے ہے اور اہل ریاست واہل فاقہ کی فراست کا تعلق خاص طور پر ان صورتوں اور احوال سے متعلق ہے جو نظر سے غائب ہیں''

کرامت شرط نہ ہونے کی وجہ:۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''خرق عادت فضیلت کی بنیاد نہیں یہ تو جوگیوں میں بھی پایا جا سکتا ہے''۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں۔

''دنیا میں اگر ولی سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہو تو اس کی ولایت میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا''۔

(رسالہ قشیریہ)

صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں:۔

''کرامت اور خلاف عادت باتوں کا ظاہر ہونا اس لئے شرط نہیں کہ ان کا دارومدار مجاہدوں اور ریاضتوں پر منحصر ہے اور یہ بات خلاف شرع چلنے والوں مثلاً کفار، جوگیوں وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے''

4- کرامت و معجزہ میں فرق:۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''نبی کے کامل متبع کو ولی کہتے ہیں اور اولیا کرام ہی کو انبیا کی روحانی میراث ملتی ہے۔ چنانچہ نبی کا معجزہ جب ولی کو بطور وراثت ملتا ہے تو اس کا اصطلاحی نام کرامت ہو جاتا ہے۔ جس طرح نبی کا معجزہ اس کی نبوت کی سند ہوتا ہے اسی طرح ولی کی کرامت بھی اس کی ولایت کی سند ہوتی ہے اور ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہے جس کا ولی متبع ہے''۔

(دلائل السلوک)

امام قشیریؒ اس ضمن میں بہت سے اقوال پیش فرماتے ہیں مثلاً حضرت امام ابوبکر بن فورک فرماتے ہیں کہ:۔

''معجزہ دکھانے والا نبوت کا دعویٰ کرے تو معجزہ اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ ولایت کا دعویٰ کرے تو معجزہ اس بات کی

دلیل ہے کہ اس شخص کی حالت سچی ہے مگر اس صورت میں اسے کرامت کہا جائے گا معجزہ نہیں خواہ یہ معجزات کو جنس سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ نبی اور ولی کے فعل میں فرق ہے''۔

نیز ابن فورکؒ ایک دوسرا فرق بھی بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''انبیاء کو معجزہ ظاہر کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے مگر ولی پر یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ کرامت کو چھپائے اور پوشیدہ رکھے اس لئے نہ وہ اس کا قطعی طور پر دعویٰ کرتا ہے نہ ذکر۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ صرف دھوکا ہو''

امام قشیریؒ فرماتے ہیں

''ولی مدعی نبوت نہیں ہوتا۔ لہذا اس سے جو بات ظاہر ہوگی وہ معجزہ نہیں ہوگی اس پر ہمارا اعتماد ہے اور یہی ہمارا دین ہے کہ معجزہ کی اکثر یا تمام شرائط کرامت میں پائی جاتی ہیں صرف دعویٰ نبوت کی شرط نہیں پائی جاتی''۔

حضرت شیخ المکرمؒ اپنی تفسیر میں ایک جگہ فرماتے ہیں

''ولی کی کرامت نبی ہی کا معجزہ ہوتی ہے اور نبی کی سچی غلامی سے ولی کو نصیب ہوتی ہے''

(اسرار التنزیل)

5- کرامت کی نشانیاں:۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر عجیب بات جو کسی سے ظاہر ہو کرامت نہیں ہوا کرتی بلکہ کرامت کا اطلاق صرف اس خرق عادت امر پر ہوتا ہے جو کسی کامل متبع شریعت سے ہو''۔

(دلائل السلوک)

1- کرامت کے ساتھ دعویٰ ولایت ہو
2- کرامت یقیناً ایک حادث فعل ہے اس لئے کہ جو فعل قدیم ہوتا ہے وہ کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا ہے۔
3- کرامت خوارق عادت میں سے ہوتی ہے۔
4- کرامت (عموماً) تکلیف کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔
5- کرامت اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب کرامت کی خصوصیت یا فضیلت ظاہر ہو جائے۔
6- کرامت کبھی اختیار و مطالبہ پر ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات بغیر اختیار کے ظاہر ہوتی ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

6- کرامت وھبی ھے کسبی نھیں:۔

یعنی کرامت اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اپنے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوتی اس ضمن میں اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''معجزہ کا اظہار نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اسی طرح کرامت کا صادر ہونا ولی کے اختیار کی چیز نہیں دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے انبیاء و اولیاء کی برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کر لیتا ہے''۔

ایک سوال :۔

''جب ولی کی کرامت اپنے اختیار میں نہیں تو کشف قبور بھی کیا اس کے اپنے بس کی بات نہیں کیونکہ کشف بھی تو ایک کرامت ہے''

اعلیٰ حضرتؒ اس سوال کا ازالہ فرماتے ہیں کہ :۔

''اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں تمام مخلوقات کا مالک اور مختارِ کل اللہ کی ذات ہے انسان خود کو دیکھے، اسے پیدا کرنا یا وجود بخشنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ دیکھنے کو آنکھیں دینا اور ان میں بینائی پیدا کرنا تو صرف اسی کے اختیار میں ہے انسان کو دیکھنے کے لئے استعمال کرنا انسان کا کام ہے جب آنکھیں کھلی ہیں اور بینائی بھی ہے تو جو بھی چیز سامنے آتی جائے گی نظر بھی آئے گی۔ اسی طرح جب دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے (تو یہ اللہ کی عطا ہے لیکن) جب صحاب اُٹھ جاتا ہے تو لطیف چیزیں ملائکہ، جن، عذاب و ثواب، قبر وغیرہ اجمالی طور پر نظر آنے لگتے ہیں۔''

(دلائل السلوک)

گویا کرامت عطا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے استعمال و اظہار میں کسی درجہ تصرف ولی کا بھی ہوتا ہے اور کبھی بلا ارادہ بھی اس سے اظہار کرامت ہو جاتا ہے

7- کرامت کی اقسام :۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :۔

''کرامت کی دو قسمیں ہیں۔''

اول کرامت معنوی

دوسرا کرامتِ حسّی

1- کرامتِ معنوی :۔

اِسے صرف اہل دانش و بنیش ہی سمجھ پاتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔

سب سے بڑی کرامت:۔

''یہ قسم ہی حقیقی کرامت کی ہے اور سب بڑی کرامت ہے'' خوب سمجھ لو اولیاء کی سب سے بڑی کرامت شریعت کا کامل اتباع اور اس پر استقامت ہے اور خلاف شرع اس سے بچ کر رہنا ہے''

(اعلیٰ حضرتؒ)

اثرات :۔

ان کی اس کرامت کے ماحول پر گہرے اثرات پڑتے ہیں جو مخلوقِ خدا اللہ سے دور ہو چکی ہوتی ہے اس کشش سے اللہ کی یاد اور عبادت کی طرف کھچی چلی آتی ہے (مسلمان جہاں جہاں بھی ہوں) ان کے دل میں یقین و ایمان کی شمعیں روشن ہونے لگتی ہے رذائل دور ہونے لگتے ہیں اور فضائل کے حصول میں لگ جاتے ہیں اور اس بات کا ثبوت اولیاء کے حالات پڑھنے سے مل جاتا ہے کہ نا مساعد حالات میں ایک ایک ہستی نے نہ صرف عوام بلکہ شاہانِ وقت تک کو متاثر کیا اور راہ ہدایت پر لگا دیا۔

2- کرامت حسّی :۔

یہ عوام کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہے چونکہ ان کی ذہنی سطح پست ہوتی ہے اس لئے معنوی کرامت کو نہیں سمجھ پاتے۔ ان کی نگاہیں حسیات و مادیات میں اٹک جاتی ہے'' (یعنی انہیں ظاہری و مادی وجود رکھنے والی کرامات ہی متاثر کرتی ہیں) (دلائل السلوک)

امام قشیریؒ اس کی خبر دیتے ہیں کہ

مثلاً:

''دعا کی قبولیت، فاقہ میں کھانے یا پیاس میں پانی کی حاجت نہ رہنا یا غیب سے مل جانا، دشمن یا خوف سے نجات، لمبی مسافت مختصر وقت میں طے کرلینا، غیب کی خبر دینا، یا ہاتف کے ذریعے خطاب کیا جانا وغیرہ وغیرہ خوارق عادت ہیں''۔

(رسالہ قشیریہ)

حضرت محمد اسماعیل سنبھلیؒ بہت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

''مشائخ فرماتے ہیں ہوا میں اُڑنا اور پانی پر چلنا زیادہ دشوار نہیں کہ پرندے اُڑتے اور مچھلیاں بھی تیرتی ہیں۔سونا چاندی پالینا بھی مشکل نہیں کہ ایک کیمیاگر بھی بنالیتا ہے غیب کی خبر دینا بھی کمال نہیں کہ بعض اوقات مالخولیا کا مریض بھی غیب کی خبر بتا دیتا ہے۔اگر مشکل اور سخت ہے تو حضورؐ کے نقش قدم پر زندگی گزارنا کہ بہت سے طوفانوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔''

(مقامات تصوف)

8- کرامت کے قرآنی دلائل:۔

مختصراً قرآن سے مثالیں پیش ہیں کہ

1- حضرت مریم کی صفت

کہ جب حضرت ذکریا بالا خانے میں ان کے پاس جاتے تو وہاں رزق دیکھتے

2- اصحاب کہف کا قصہ:۔

کہ نہ صرف وہ بلکہ ان کا کتا بھی ایک خاص عرصے تک وقت کی دست بُرد اور گرفت سے محفوظ رہے حالانکہ وہ غیر نبی تھے۔

3- حضرت خضر وموسیٰ کا واقعہ:۔

حضرت خضر نبی نہیں تھے ایک ولی اللہ تھے (بعض اولیا کے مرنے کے بعد فرشتوں کی طرح مختلف کاموں پر ان ڈیوٹی لگادی جاتی ہے)

4- ذوالقرنین کا قصہ:۔

جس نے دنیا کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیر کی۔پھر اللہ نے اس سے کہا یا تو اتباع کرو یا ظلم کرو تو وہ متبعین میں سے ہوا۔

5- حضرت سلیمان کا قصہ:۔

ان کے ایک درباری نے پلک جھپکنے میں ملکہ بلقیس کا تخت حاضر کردیا۔

9- کرامت کے متعلق احادیث:۔

1- الحدیث:۔

اتقو بفراسة المومن فا نه ینظر بنور اللّٰه	مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

قاضی ثناءاللہ پانی پتی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''علماءظاہر اگر فتویٰ دے بھی دیں تو صوفی اپنے دل سے فتویٰ لے کیونکہ صوفی کا دل طبعی طور پر حرام وناجائز سے نفرت کرنے لگتا ہے اور

قلب سلیم خود صحیح بات بوجھ لیتا ہے۔"

2- الحدیث :۔

"حدیث غار: جس میں حضورؐ نے بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کا قصہ بیان کیا جنھوں نے غار کے دہانے سے پتھر ہٹانے کے لئے اپنی اپنی نیکیاں بیان کیں اور اللہ کو ان کا واسطہ دیا کہ ان کے باعث غار کا منہ کھول دے جو کہ کھل گیا۔"

10 کرامت تواتر سے ثابت ھے:۔

1- حدیثِ غار

2- حضرت عمر کی کرامت (منبر سے حضرت ساریہ کو میدان جنگ میں چوکنا کرنا)

3- حضرت اویس قرنی کے حالات ان سے متعلق حدیث یا حضرت عمرؓ کا ان کے حالات کا مشاہدہ کرنا وغیرہ گویا کرامت کا وجود عہد نبوی وصحابہ میں رہا ہے

4- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات سے متعلق ملتا ہے کہ

ابن حجرؒ فرماتے ہیں

"حضرت عبدالقادر پر جو احسان اللہ نے فرمایا اس کا اظہار ان کے معارف وکرامات سے ہوتا ہے جو تواتر کے ساتھ منقول ہوئے اور ہم تک پہنچے ہیں"۔

امام یا فعی :۔

"شیخ جیلانی کی کرامات تواتر کے قریب ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں انکی کرامات کا قطعی طور پر علم ہو چکا ہے کہ ان کی خبر دینے والے راویوں کی کثرت ہے اور یہ کثرت حد تواتر تک پہنچتی ہے"۔ (دلائل السلوک)

11- استدراج :۔

استدراج سے مراد وہ امور عجیبہ وغریبہ ہیں جو کاہنوں، جوگیوں اور جادوگروں یا عاملوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ خرق عادت امور نہیں ہوتے بلکہ صرف عجیب و غریب ہوتے ہیں لیکن عام لوگ اس میں فرق نہیں کر سکتے۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ

"نبی کے معجزہ کے مقابلے میں کوئی انسان یا جن اس پر قادر نہ ہوگا کہ ایسی بات کر سکے۔"

نیز اعلیٰ شیخ بہت جامع انداز میں کاہن وساحر کی نشانیاں بتاتے ہیں اور پھر کہانت وجادو کی وضاحت مقابلۃً فرماتے ہیں کہ معجزہ وجادو میں کیا فرق ہیں۔ (دلائل السلوک سے استفادہ کیا جائے P-268)

مختصر خلاصہ پیش ہے کہ

کاہن وساحر خبیث النفس اور خبیث الصفات ہوتا ہے۔ اپنے فن سے مخلوق کو نقصان پہنچانے والا بداعمال، جھوٹا، لالچی شخص ہوتا ہے۔

نیز سحر وجادو کا دارومدار القائے شیطانی اور ارواح خبیثہ کی امداد پر ہوتا ہے اس لئے اعمال کی صورت بھی خبیث ہی ہوتی ہے۔

عیسائی راھبوں اور ھندو جوگیوں کا استداج:۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ

''گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ عیسائی راہبوں اور برہمنوں سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں کہ وہ ہدایت کے راستے پر نہیں چلتے بلکہ گمراہی و ضلالت کی راہ اختیار کرتے ہیں (لیکن) ان سے کشف و کرامات جیسے امور صادر ہوتے ہیں۔ان سے ایسے امور کا صدور استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔اپنی نادانی میں وہ اپنی اس حالت پہ نازاں ہوتے ہیں حالانکہ اس میں مشیت الٰہی یہ ہے کہ وہ مزید گمراہی اور بارگاہ خداوندی سے دوری میں مبتلا ہوں۔''

(عوارف المعارف)

12- باب الکرامات :۔

اس باب میں اولیاءاللہ کی چند کرامات نقل کی گئی ہیں جو ایک طرف کرامات کے وجود کا ثبوت ہیں اور دوسری طرف ان کے پڑھنے اور سننے سے بمطابق امام جامی قلب و دماغ میں وہ فیضان آتے ہیں اور ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

نیز وہ فرماتے ہیں کہ :۔

''اگر اولیاءکرام کی صحبت حاصل نہ ہو تو ان کے اقوال و احوال پڑھو کہ یہ ان حضرات کی معنوی صحبت ہے۔''

(حیات الصوفیہ)

نوٹ : اعلیٰ حضرت باب الکرامات کے تحت تمام ثبوت و براہین سے کرامت کا جائز جو دو مرتبہ ثابت کرنے کے بعد بارہ اولیاءکرام کی بارہ کرامات بحوالہ کتب بیان فرماتے ہیں استفادہ کیا جائے اور اگر کسی کو زیادہ کی جستجو ہو تو رسالہ قشیریہ و حیات الصوفیہ وغیرہ سے رجوع کرے جو ان معلومات سے پر ہیں۔

احادیث سے مروی کرامات :۔

1- امام قشیریؒ کرامات سے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ بیان فرماتے ہیں مثلاً ایک حدیث غار اور دوسری یہ حدیث ہے۔

الحدیث :۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

''تین شخصوں نے اس وقت بات کی جب کہ ابھی گود میں تھے۔عیسیٰ ابن مریم جریج کے عہد کے ایک بچے نے اور ایک اور بچے نے۔''

حضرت عیسیٰ کا گود سے حضرت مریم کی پاکدامنی کی گواہی دینے کا واقعہ آپؐ نے بیان فرمایا اور پھر دوسرے بچہ کا ذکر فرمایا کہ :

''جریج بنی اسرائیل کا عبادت گزار تھا اس پر ایک زانیہ جو اسے گمراہ کرنا چاہتی تھی مگر نہ کر سکی نے زنا کی تہمت لگائی جو اس نے چرواہے کے ساتھ کیا تھا تاکہ وہ جریج پر تہمت لگا سکے۔اس کے تہمت لگانے پر بنی اسرائیل نے جریج کا عبادت خانہ توڑ دیا اور اسے گالیاں دیں۔جریج نے نماز پڑھی اور دعا کی پھر بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے گود سے کہا ''چرواہا'' اس پر بنی اسرائیل کو ندامت ہوئی اور معافی مانگی چاہا کہ اس کا عبادت خانہ سونے کا بنا دیں مگر وہ نہ مانا اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی بنالیا۔''

تیسرے بچے کا واقعہ کچھ یوں ہے :۔

''ایک عورت ایک شیر خوار کو لئے کھڑی تھی کہ ایک اچھی وضع قطع کا جوان ادھر سے گزرا عورت نے کہا ''یا اللہ میرے بچے کو اس جیسا بنا دے'' بچہ بولا'' خدایا! مجھے اس جیسا نہ بنانا پھر ایک عورت کو چوری اور زناء کے الزام میں سزا دی جارہی تھی عورت نے کہا ''میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا'' بچہ جھٹ بولا'' خدایا! مجھے اس جیسا بنانا'' والدہ نے وجہ پوچھی تو وہ بولا کہ وہ خوبرو جوان ایک ظالم بادشاہ ہے اور اس عورت نے نہ تو

زنا کیا ہے نہ چوری بلکہ وہ تو کہتی ہے میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔''

صحابہ کی کرامت :۔

اس باب کوضمن میں امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ :

''صحابہ تابعین و تبع تابعین تک میں اس قدر کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ شہرت کی حد کو پہنچیں ۔پھر حضرت اویس قرنیؒ کرامات کا مختصر حوالہ دینے کے بعد مثلاً اویس قرنیؒ نے بن حیان کو جانے بغیر پہچان لیا اور سلام کیا''

امام قشیری صحابہ کی کرامات بیان فرماتے ہیں ۔مثلاً

2- حضرت ابن عمرؓ کی کرامت :۔

''ایک دفعہ ابن عمرؓ سفر میں جا رہے تھے تو راستہ میں انہیں کچھ لوگ ملے جو شیر سے ڈر کر ٹھہر گئے تھے۔ابن عمرؓ نے درندے کو راستے سے ہٹا دیا اور فرمایا ''ابن آدم پر ان چیزوں کو مسلط کیا جاتا ہے جن سے وہ خوف کھاتا ہے اگر اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اس پر کچھ مسلط نہ ہو۔''

3- علاء بن حضرمیؓ کی کرامت :۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے علاء بن حضرمیؓ کو ایک جنگ کے لئے روانہ کیا راستہ میں سمندر کا ایک حصہ آ گیا علاء نے دعا کی اور پانی پر چل کر پار ہو گئے

4- عتاب بن شبر اور اُشد بن حضیر کی کرامت :۔

مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات حضورؐ کی خدمت سے ہو کر واپس جا رہے تھے تو راستے میں ان کی لاٹھی کا سرا اس طرح چمکنے لگا کہ گویا چراغ کی لو ہو

اولیاء اللہ کی کرامت

5- بشر حافیؒ کی کرامت :۔

''حیات الصوفیہ میں حضرت بشر کی ابتدائی حالت اور کرامت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ ''بشر حافی سے متعلق خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ کوئی چوپایہ بغداد کے بازار میں پیشاب یا پاخانہ نہ کرتا تھا کہ بشر کا پاؤں اس پر نہ پڑ جائے (کیونکہ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے) ایک دن کسی مرد صالح نے گوبر دیکھا تو آہ وزاری کرنے لگا لوگوں نے وجہ پوچھی تو بولا بشر حافی رحلت فرما گئے ہیں ۔لوگوں نے کہا تو نے کیسے جانا؟ تو بولا کہ بازار میں گوبر پڑا ہے۔لوگوں نے جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا اُسی وقت بشر نے رحلت فرمائی ہے۔''

ابتدائی حالت یوں بیان ہوئی ہے کہ :۔

''حضرت بشر کو ''حافی'' اس لئے کہتے تھے کہ وہ جوتا نہیں پہنتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ شروع شروع آپ عیاشی کی زندگی بسر کرتے تھے ایک دن اپنے مصاحبوں کے ساتھ شراب پینے میں مشغول تھے ۔اللہ کا کوئی نیک بندہ محلّہ سے گزرا اس نے شور وغوغا سنا تو گھر کا دروازہ پیٹا ۔چھوٹی عمر کی ایک کنیز باہر آئی پوچھا اس گھر کا مالک کون ہے غلام کہ آزاد؟ اس نے کہا آزاد۔فرمایا اگر بندہ (غلام ہوتا تو بندگی کرتا فارغ نہ ہوتا) بشر نے گھر کے اندر سے آواز سنی تو ننگے سر اور ننگے پیر باہر دوڑے چلے آئے وہ آدمی جا چکا تھا اسی عالم میں دوڑ کر اُسے جا لیا اور کہا وہی بات مجھ سے پھر سے کہہ۔اس نے کہا کہ اگر غلام ہوتا بندگی کے آداب بجالانے میں مشغول رہتا۔بشر زمین پر گر پڑے مٹی پہ منہ رگڑتے اور کہتے ''بندہ است بندہ (غلام غلام) اور اس دن کے بعد کبھی جوتا نہیں پہنا حتی کہ حافی مشہور ہو گئے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا ''حق تعالیٰ نے میرے ساتھ اس حال میں صلح کی تھی کہ میں ننگے پاؤں تھا اب مرتے دم تک جوتا نہیں پہنوں گا۔''

6- ابوالحسن نوری کی کرامت :۔

''حکایت ہے کہ ایک دن نوری نکل کر دجلہ کے کنارے گئے تو دیکھا کہ دونوں کنارے آپس میں ملے ہوئے ہیں لہذا یہ کہہ کر واپس چلے آئے کہ تمہاری عزت وجلال کی قسم میں دریا کو بغیر کشتی کے عبور نہ کروں گا۔''

7- ایک اور کرامت نوری کے حوالے سے ملتی ہے جو غالباً ابتدائی دنوں کی ہو کہ :۔

''نوری فرماتے ہیں میرے دل میں کرامت سے متعلق شبہ تھا تو میں نے بچوں سے ایک بانسری (نلی) لی جو دو کشتیوں کے درمیان پڑی تھی اور کہا تمہارے عزوجلال کی قسم اگر میرے لئے ایک مچھلی جس کا وزن تین رطل ہو نہ نکلے گی تو اپنے آپ کو ڈبو دوں گا'' فرماتے ہیں کہ ایک مچھلی نکلی جس کا وزن تین رطل تھا۔ یہ خبر جب جنیدؒ کو پہنچی تو فرمایا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ سانپ نکلتا اور اسے ڈستا''

8- ذوالنون مصری کی کرامت :۔

احمد بن محمد سلمیؒ سے روایت ہے کہ ایک دن میں ذوالنون کے پاس نہ آیا تو دیکھا ان کے سامنے سونے کا طشت اور اس کے گرد عنبر کی دھونی دی جارہی ہے۔ ذوالنون نے مجھے فرمایا۔

''تو بادشاہوں کی خوشی کے وقت ان کے پاس جاتا ہے پھر انہوں نے مجھے ایک درہم دیا جسے میں بلخ پہنچنے تک خرچ کرتا رہا؟۔''

9- سہل بن عبد اللہ تستریؒ کی کرامت :۔

روایت ہے کہ سہل ستر دن تک بغیر کھانا کھائے رہ سکتے تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ جب کھانا کھا لیتے تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے تو طاقتور رہتے۔

10 خیر النساجؒ کی کرامت :۔

ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ خیر النساجؒ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا'' اے شیخ! میں نے کل آپ کو دیکھا آپ نے سوت بیچ کر دو درہم حاصل کئے اور میں آپ کے پیچھے ہولیا اور درہم آپ کے تہہ سے کھول کر لے گیا اب میرا یہ ہاتھ سکڑ گیا ہے۔

''اس پر خیر النساج ہنسے اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو وہ کھل گیا پھر فرمایا! جا جا کر اپنے عیال پر یہ درہم خرچ کر اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔''

11- ایک نوجوان کی کرامت :۔

منصور مغربی نے سنا کہ ایک شخص کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی اس نے اُن سے پوچھا آپ نے اپنے سے بڑھ کر کسی شخص کو پایا انہوں نے جواب دیا۔ ہاں! ایک بار عبدالرزاق بن ہمام مدینہ میں حدیث کی روایت بیان کر رہے تھے اور لوگ سُن رہے تھے کہ ایک نوجوان میں نے کچھ فاصلے پر دیکھا کہ اپنا سر گھٹنوں پر رکھے بیٹھا ہے۔ میں نے اس سے کہا تم روایت حدیث کیوں نہیں سنتے؟ اس نوجوان نے کہا یہ تو میّت سے روایت کر رہے ہیں اور میں اللہ عزوجل سے غائب نہیں ہوں۔ اس پر میں نے کہا اگر بات یوں ہے تو بتاؤ میں کون ہوں؟ اس نے کہا تو میرا بھائی ابوالعباس حضر ہے۔ پس مجھے معلوم ہو گیا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔

12- فضیلؒ کی کرامت :۔

کہا جاتا ہے کہ فضیل کسی پہاڑ پر تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ کا کوئی ولی پہاڑ کو کہے کہ حرکت میں آ جا تو وہ ضرور حرکت میں آ جائے گا۔ بس یہ کہنا تھا کہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ میری یہ مراد نہ تھی اور پہاڑ ساکن ہو گیا۔

13- معروف کرخیؒ کی کرامت :۔

محمد بن منصور الطوسی فرماتے ہیں کہ میں معروف کرخی کے پاس تھا انہوں نے میرے حق میں دعا کی اور جب دوسرے دن پھر ان کے پاس آیا تو ان کے چہرے پر

نشان تھا۔ایک شخص نے دریافت کیا ہم کل آپ کے پاس تھے اس وقت یہ نشان آپ کے چہرے پر نہ تھا۔اس کی کیا وجہ ہے؟انہوں نے فرمایا،تم اپنے مطلب کی بات کرو، اس نے کہا آپ کو اپنے معبود کی قسم ضرور بتائیں۔اس پر انہوں نے فرمایا۔

''کل میں نے یہاں نماز پڑھی اور مجھے خواہش ہوئی کہ خانہ کعبہ کا طواف کروں لہٰذا مکہ چلا گیا اور وہاں کعبہ کا طواف کیا اور پھر زمزم کی طرف گیا کہ پانی پیوں دروازہ پر پیر پھسل گیا اور چہرہ پر زخم آ گیا۔''

14 ابو یعقوب سوسی کے مرید کرامت :۔

وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک مرید فوت ہو گیا تو میں نے اسے غسل دیا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا حالانکہ وہ تختے پر پڑا تھا میں نے کہا ''بیٹا میرا ہاتھ چھوڑ دے میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں ہے۔یہ موت تو ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونے کا نام ہے اس پر اُس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا''

-15 سری سقطی کی کرامت :۔

جنید فرماتے ہیں کہ میرے پاس چار درہم تھے جنہیں میں لے کر سری کے پاس گیا اور کہا میں یہ چار درہم آپ کے لئے لایا ہوں آپ نے فرمایا

''بچے تجھے خوشخبری ہو کہ تو نجات پائے گا۔مجھے چار درہموں کہ ضرورت تھی،میں نے کہا الٰہی اس شخص کے ہاتھ پر درہم بھیجو جو تمہارے ہاں نجات پانے والا ہے''۔

-16 حضرت احمد حماد سرخسی کی کرامت :۔

حضرت علی ہجویری صاحب کشف المحجوب نے حضرت احمد حماد سے ان کے ابتدائی حالات دریافت کئے تو انہوں نے بتایا کہ ''میں سرخس سے روانہ ہوا تو اونٹوں کے گلہ لے کر بیابان میں آیا مدت تک وہاں اس بات پر قائم رہا کہ اپنا حصہ دوسروں کو دے دوں گا اور خود بھوکا رہوں گا اور ہمیشہ یہ فرمان الٰہی میرے پیش نظر رہتا ہے'' کہ

ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصتہ	اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں چاہے نور کتنے ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں

ایک دن شیر جنگل میں سے آیا اور میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ مار ڈالا اسے ٹیلے پر لے گیا اور دھاڑا۔جنگل کے مختلف درندے اکٹھے ہوئے شیر اونٹ کو پھاڑ کر خود دور چلا گیا اور کچھ نہ کھایا سب جانوروں نے سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے پھر شیر آیا اور کھانے لگا تو ایک لومڑی دور سے ظاہر ہوئی شیر نے دیکھا اور واپس چلا گیا جب لومڑی کھا چکی تو وہ آیا اور اس میں سے کچھ کھایا۔میں دور سے دیکھ رہا تھا۔جاتے ہوئے شیر نے فصیح اور صاف زبان میں مجھ سے کہا احمد لقمے کا ایثار کرنا کتوں کا کام ہے اور دین کے مردوں کا کام جان قربان کرنا ہوتا ہے۔پس جب میں نے یہ روشن دلیل دیکھی تو تمام مشغلوں اور کاروبار سے ہاتھ اٹھا لیا اور میری توبہ کی ابتداء ہوئی۔

-17 اعلیٰ حضرتؒ کی کرامات :۔

ایک دفعہ اعلیٰ حضرتؒ اپنی آبائی مسجد میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ تہجد کا ذکر کر رہے تھے۔آپ کے احباب بتاتے ہیں کہ ہم نے گاؤں والوں کا شور سنا تو باہر نکل کر خبر لی کہ کیا ماجرا ہے دیکھتے ہیں کہ سامنے لوگ پانی کی بالٹیاں لئے دوڑے چلے آ رہے ہیں پوچھا کہیں آگ لگی ہے تو انہوں نے کہا تمہیں خبر نہیں مسجد کو ہی تو آگ لگی ہے اور وہ اندر مسجد کے صحن کو لپکے لیکن پھر سب نے دیکھا کہ وہاں تو کہیں آگ کا نام و نشان نہ تھا۔وہ لوگ اصرار کرنے لگے کہ ہم نے خود آگ کے شعلے آسمان تک لپکتے دیکھے ہیں اعلیٰ حضرتؒ خود باہر تشریف لائے اور فرمایا وہ آگ نہیں تھی جو تم نے دیکھی وہ انوارات کی روشنی تھی جو ہم ذکر رہے تھے اور ہم پر برس رہے تھے۔

-18 کرامات شیخ المکرم :۔

ایک مرتبہ دورانِ اجتماع کسی صاحب کی گاڑی کی سیٹ تلے سانپ گھستے دیکھا گیا۔تمام احباب جمع ہو گئے کہ سانپ کیسے نکالا جائے۔اتنے میں ادھر شیخ المکرمؒ کا گزر

ہوا۔انہوں نے گاڑی کے پاس کھڑے ہوکرفرمایا''باہرآ جاؤ بھئی''اورتمام احباب نے دیکھا کہ شیخ المکرّم کے یہ جملہ فرماتے ہی سانپ سیٹ تلے سے نکل کر باہرآ گیا۔انہوں نے فرمایا''تم نے تو بات مان لی۔اب یوں کروقریبی دوکان والے ریڈیو بہت اونچی آواز میں لگاتے ہیں ذرا اُن کی دوکان پر جا بیٹھو''۔سانپ رینگتا ہوا چلا اوراس دوکان پر جا بیٹھا۔شام کو دوکاندار نے منت سماجت کی تو شیخ المکرّم نے سانپ کو یہ فرماتے ہوئے پہاڑوں پہ چھوڑ دیا کہ''تم نے ہماری بات مانی ہے لہذا تمہیں ہم نہیں ماریں گے''۔

2- کشف و الہام :۔

کرامات کے بعد اولیا سے متعلق جس چیز میں سب سے زیادہ الہام پایا جاتا ہے وہ کشف والہام ہے اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو شکوک وشبہات گھیرے رہتے ہیں اور متعدد سوال پائے جاتے ہیں اس لئے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کشف کیا ہے؟

کشف :۔ لغوی معنی کھولنا۔ظاہر کرنا۔پردہ اٹھانا

1- مختلف اقوال کے حوالے سے تعریف

1- حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ

''اسرارالٰہی میں سے کسی حقیقت کے انکشاف کے بارے میں یقینی علم حاصل ہونے کا نام کشف ہے۔''

(کشف المحجوب)

2- اعلیٰ حضرتؒ بہت جامع تعریف بیان فرماتے ہیں کہ

انسان کے حصول علم کے تین ذرائع ہیں۔

i- حواس ظاہری (یعنی حواس خمسہ)=ان کی بنیاد احساس ومشاہدہ پر ہے۔

ii عقل ووہم= اس کی بنیاد انتقال علوم پر ہے۔

iii نوربصیرت= اس کا ذریعہ القاء روحانی عن الغیب ہے۔وحی،تحدیث وتفہیم،ذوق،معرفت،علم لدنی،مشاہدہ،کشف،الہام اور وجدان وغیرہ سب القائے روحانی کی ہی قسمیں ہیں۔ (دلائل السلوک)

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ :۔

8- کسی صوفی کا قول ہے کہ یقین کسی امر کے کھل جانے (مکاشفہ) کا نام ہے اور مکاشفہ تین قسم کا ہوتا ہے۔پہلا مکاشفہ بالا خبار ہے،دوسرا مکاشفہ قدرت خداوندی کو ظاہر کرنا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ دل پر حقائق ایمان کا مکاشفہ ہو جائے۔

6- پھر امام قشیری مکاشفہ کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''صوفیا کے کلام میں جو مکاشفہ کا لفظ آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز' ذکر (یا حال) دل رپ اس قدر غالب آ جائے کہ وہ چیز دل پر واضح ہو جائے یہاں تک کہ اس چیز میں شک وشبہ نہ رہے۔بعض اوقات مکاشفہ سے مراد وہ کیفیت ہوتی ہے جو تقریبا ایسی ہوتی ہے جسے دیکھنے والا بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھتا ہے۔اس حالت کو''بالعموم سبات''کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔''

5- المختصر یہ کہ

شاہ اسماعیل شہیدؒ عبقات میں لکھتے ہیں:

''وحی جلی کے سوا تلقی عن الغیب (غیب سے القا ہونا) کی تمام اقسام کا نام کشف و الہام رکھا گیا ہے اور جب وحی جلی خاتم الانبیا کے ساتھ منقطع ہوگئی تو اب تلقی عن الغیب کی صرف ایک شکل کشف و الہام باقی رہ گئی ہے۔''

2- کشف کا مقصد :۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ

'' جس طرح شریعت ظاہری صحیح وسقیم (غلط) میں تمیز رکھنے والے علماء موجود ہیں اس طرح کشف و الہام میں مہارت رکھنے والے صوفیہ عارفین بھی موجود ہیں جو صحیح وسقم میں تمیز کر لیتے ہیں البتہ یہ درست ہے کہ علوم ظاہر کے پرکھنے والے بہت ماہرین ہیں مگر کشف و الہام کے ماہرین کم یاب ہیں''۔

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا:۔

''عالم ظاہر تمہیں بتا سکتا ہے حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے مگر وہ حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا انحصار نور بصیرت پر ہے اور نور بصیرت کے مقابل عقل ہیچ ہے۔ ظاہر بیں نور بصیرت سے محروم ہوتا ہے اور یہ دولت انبیا سے ان کے صحیح ورثا علمائے ربانین اور نے صوفیا کو ملی ہے۔'' (دلائل السلوک)

حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں:۔

''اگر مشاہدہ کسی کو نصیب ہو تو وہ احکام الٰہی کی مزید تشریح اور تفصیل پانے کا سبب ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہم عجائبات دیکھتے پھریں بلکہ مشاہدہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں لوگوں کو بہت سی کتب اور بہت مطالعہ کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آتیں مشاہدہ میں تھوڑے سے وقت میں سمجھ آ جاتی ہیں جیسے ایک آدمی کو آپ انجن کے بارے میں پانچ سال پڑھاتے رہیں اور ایک دن جا کر دکھا دیں تو اتنی مدت کے مطالعہ کے سامنے ایک دن کا مشاہدہ زیادہ علم دے گا۔''

اس بات کی تائید بہت سے اقوال صوفیاء سے ملتی ہے مثلاً عامر بن قیس فرماتے ہیں کہ :۔

''اگر وہ پردہ اٹھ بھی جائے تب بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا''

اسی سے ملتا جلتا قول حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے کہ

''اگر میرے سامنے حجابات اٹھا دیئے جائیں اور مجھے ملائکہ اور جنت و دوزخ سامنے نظر آنے لگیں تب بھی میرے ایمان میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا''

گویا ایمان و یقین پہلے ہی اس قدر پختہ ہے کہ اس میں مزید اضافہ کی گنجائش موجود نہیں اور ایسا تب ہی ممکن ہے جب نور بصیرت عطا ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے۔

فمن شرح اللہ صدرہٗ للا سلام فھو علی نور من ربہ فیل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ	پس جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے کیا وہ شخص اور اہل متاوت برابر ہو سکتے ہیں سو جن کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوئے ان کے بڑی خرابی ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ اس آیت کریمہ سے یہ دلائل پکڑتے ہیں کہ :۔

''اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی سے شرح صدر (علوم و فیوضیات کے لئے سینے کا کھل جانا) اور نور باطن عطا ہو جاتا ہے اور تصوف کی

ابتداء وانتہاء ذکر الٰہی ہے پس تصوف وسلوک سے کشف ہوسکتا ہے''

اوراس طرح شرح صدر اور نور باطن سے امور دینی کی حقیقت صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے المختصر یہ کہ

''کشف ہوتا ہے اللہ کو روبرو دیکھنے کے لئے ، احکام الٰہی کی حکمتیں سمجھنے کے لئے ، اسرار ورموز شریعت سمجھنے کے لئے گناہ کی ظلمت اور نیکی وعبادت کا نور دیکھنے کیلئے'' (شیخ المکرّم)

3- کشف کا طریق حصول + شرائط

1- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''راہ سلوک پر چلتے ہوئے خرافات سے بچنے اور ذکر دوام سے کشف ہو جاتا ہے۔''

(کنز الطالبین)

2- امام رازیؒ فرماتے ہیں :-

''مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پر کھلتا ہے جن کو شیخ کامل میسر آ جائے ، طلب صادق اور عزم واستعداد رکھتے ہوں تو اللہ انہیں اس مرتبے پر پہنچا دیتا ہے''۔

3- امام غزالیؒ فرماتے ہیں :-

''کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو تقویٰ کے وصف کے ساتھ ذکر الٰہی پر متمکن ہو جائے''

(احیاء العلوم)

4- اعلیٰ حضرتؒ کشف کے لئے شرائط بیان فرماتے ہیں کہ

شرائط 1- قلب سلیم

کشف والہام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے اللہ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہو کیونکہ قلب سلیم سے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں جن کے ذریعے قلب علوم باطنی کا ادراک کرتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح انسان ظاہری علوم کا اکتساب ظاہری حواس سے کرتا ہے۔

2- شریعت حقہ کا کامل اتباع :-

کشف والہام کے لئے شریعت کی مکمل پیروی بھی لازم ہے۔

''گویا کشف والہام کے لئے ایک شرط وہبی ہے یعنی قلب سلیم اور دوسری کسبی یعنی اتباع شریعت ۔جس شخص میں یہ دونوں شرائط پائی جائیں اُسے الہام خیر اور القائے رحمانی سے نوازا جائے گا جس کا عقیدہ خراب عمل ناقص اور اخلاص نایاب ہو اسے یہ نعمت نہیں ملتی۔''

(دلائل السلوک)

حضرت سہروردی وقوع مشاہدہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ :-

''اگر خدا کا کوئی مخلص بندہ چالیس روز تک خلوت میں بیٹھا رہا تو بسا اوقات مختلف لوگوں پر مختلف کیفیات وارد ہونے لگتی ہے۔اس وقت ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ بعض حضرات کا باطن یقین کامل کی بدولت بالکل صاف ہو جاتا ہے۔مشاہدات ہونے لگتے ہیں۔بعض کو خلوت نشینی کے بغیر ہی مکمل اتباع شریعت اور کثرت سے عبادات کے باعث یہ فیضان ہونے لگتا ہے اور بعض کو مسلسل اذکار ، عبادات ، سنن کی مکمل

پیروی اور ہمہ وقت ذکرالٰہی کے باوجود مشاہدہ حق نہیں ہوتا حالانکہ ان سے کوئی تساہل سرزد نہیں ہوتا اور یہ اللہ کی دین ہے جسے پروردگار دے''

(عوارف المعارف)

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ :۔

''اس میں نہ میری مرضی چلتی ہے نہ آپ کی پسند۔ وہ اپنی مرضی سے دیتا ہے کسی کو وجدان کسی کو مشاہدہ۔ خالی کوئی بھی نہیں رہتا اگر دیر لگتی ہے تو یہ بھی وہ جانتا ہے۔ اگر کسی کو جلدی عطا کرتا ہے تو بھی اس کی مرضی کہ کس کو کس وقت دیتا ہے آپ کا کام محنت کرنا ہے اور میرا کام توجہ کرنا۔ اس پر ثمرات مرتب کرنا اللہ کا اپنا کام ہے'' (کنز الطالبین)

(4) کیا کشف سلوک کے لئے ضروری ہے

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''کشف و مراقبات لازم و ملزوم نہیں ہیں ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے بھی کئی بزرگ گزرے ہیں جنہیں شریعت مطہرہ کی مکمل پابندی کے سبب یا ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہنے کے باعث یا قرآن وسنت کی تعلیم میں لگے رہنے سے انہیں کشف ہو جاتا ہے مراقبات نہیں ہوتے (اس لئے کہ مراقبات سلوک کا خاصہ ہیں) لیکن وہ بھی ملائکہ کو دیکھنے لگتے ہیں یا برزخ نظر آنے لگتا ہے۔ خود ان پر یہ راز برزخ میں جا کر کھلتا ہے کہ کشف کا ہونا اور بات ہے اور مراقبات کا حصول دوسری شے ہے۔ کیونکہ مراقبات کا ہونا درجات کا بلند ہونا ہے اور کشف نیکی و صفائی قلب کا نتیجہ ہے۔ اس میں روح میں قوت پرواز اور مختلف منازل کا حصول نہیں ہوتا کیونکہ کشف از قسم ثمرات ہے اس کے لئے مجاہدہ شرط نہیں ہے یہ مجاہدے کی بنیاد پہ حاصل ہوتا ہے۔'' (کنز الطالبین)

شیخ سہروردیؒ فرماتے ہیں :۔

''بعض لوگوں کو بجائے خلوت نشینی کے اعمال حسنہ، منکرات سے بچ کر عبادات اور اذکار و اوراد کے فیضان سے اس مقام کو پہنچتے ہیں کہ وقوع مشاہدہ ہو جاتا ہے اور بعض کو صرف ایک ذکر الٰہی کی بدولت مشاہدہ حق حاصل ہو جاتا ہے''۔

(عوارف المعارف)

گویا تصوف و سلوک کے علاوہ بھی کشف یا الہام ہو سکتا ہے لیکن اس میں روحانی ترقی نہیں ہوگی۔ روحانی ترقی و حصول منازل کے لئے شیخ کامل اور طریق سلوک شرط ہے ورنہ انسان صرف کشف ہو جانے کو ہی سلوک سمجھ بیٹھتا ہے اور خود اس پر یہ راز مرنے کے بعد کھلتا ہے کہ کشف اور شے ہے اور مراقبات و منازل کا حاصل ہونا دوسری شے ہے۔

نیز کشفِ کونی تو بعض امور دنیا میں کفار کو بھی ہو سکتا ہے۔ عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کی بھی یہ خاصیت ہے کہ مجاہدوں اور ریاضتوں کے باعث، تنہائی میں مراقب رہ کر کم کلام و خوراک وغیرہ کے باعث ایک مدت کے بعد ان میں بھی یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کے اندر وہ جس چیز پر توجہ کریں حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور وہ دور جگہ کی خبر دے دیتے ہیں، دلوں کا حال معلوم کر لیتے ہیں یا جنوں اور شیاطین سے مدد لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ٹیلی پیتھی۔ یوگا وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

مثال :۔

حضرت شیخ المکرّم اعلیٰ حضرت کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ :۔

''تقسیم ملک سے پہلے ایک ہندو جوگی حضرت کی خدمت میں آیا اس نے کہا مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ جب میں مراقب ہوتا ہوں تو ایک صورت آ جاتی ہے اور جہاں کہوں مجھے لے جاتی ہے آپ نے فرمایا ایک بات بتاؤ کہ وہ شکل جب آتی ہے یا تمہیں اُٹھاتی ہے تو تمہیں ڈر لگتا

ہے یا خوشی ہوتی ہے؟ کہنے لگا، ڈر لگتا ہے فرمایا ڈر کیوں لگتا ہے؟ اگر وہ تمہارا خادم یا نوکر ہے سینکڑوں میل دور تمہیں اُٹھا کر لے جاتا ہے تو پھر ڈرتے کیوں ہو کہنے لگا یہ سمجھ نہیں آتی لیکن دل میں دہشت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا یہی دلیل ہے کہ وہ شیطان ہے۔ انسان کافر بھی ہو تو بھی جب شیطان قریب آئے تو اس کے دل میں لرزہ سا پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کا دشمن ہے۔ ازلی دشمن وہ انسان کا صریح دشمن ہے۔''

حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ

''اس میں کوئی کلام نہیں (شک و شبہ نہیں) کہ تنہائی و خیالات کے یکسو ہونے سے انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔ اب اگر یہ صفائے باطن بہ اتباع پیغمبرؐ حاصل ہوئی تو اس سے روشن ضمیری۔ ذکر الٰہی کی حلاوت اور پرخلوص عبادات کا ظہور ہوگا۔ اگر یہ صفائے باطن اتباع شریعت کا نتیجہ نہیں تو محض صفائے نفس حاصل ہوگی جس کے ذریعے صرف علوم ریاضیہ (یعنی دم کشی وغیرہ) جو دہریوں، فلسفیوں (جوگیوں اور یوگیوں وغیرہ) کا منتہائے مقصود ہیں پس ایسے شخص کو جس قدر مکاشفہ حاصل ہوگا اسی قدر اللہ سے دوری بڑھتی جائے گی۔ ایسے لوگوں کو خواہ وہ خانقاہوں میں ہوں شیطان اپنے فریب میں مبتلا کرتا ہے اور یہ اس فریب میں اس حد تک بڑھ جائیں گے ان باطل تصورات کو سچ سمجھنے لگیں گے اور سمجھیں گے کہ منزل مقصود پالی حالانکہ خلوت کا اصل مقصد یہ نہیں''

(عوارف المعارف)

5- کشف مومن کا ورثہ ہے :-

حضرت شیخ المکرمؒ ایک بہت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

''کشف مومن کا ورثہ ہے حق ہے۔ جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس وقت تو کافر بھی فرشتے کو دیکھتا ہے، اس سے بات کرتا ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ فرشتے کافر کو کہتے ہیں تم دنیا میں کیا کرتے رہے ''فیما کنتم'' حالانکہ وہ ابھی زندہ ہوتا ہے اور فرشتے سے بات ہو جاتی ہے لیکن توبہ کی قبولیت کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ پھر وہ مرتا ہے تو فرشتے سوال و جواب کرتے ہیں، دوزخ کو صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ کافر دوزخ کو محسوس کرتے ہے، اس کی قبر دوزخ کا ایک گڑھا بن جاتی ہے۔''

''اگر مومن نے بھی مر کر ہی جنت دیکھنی ہے تو پھر یہ ایمان کس کام کا۔ اگر ساری زندگی سنی سنائی باتوں پر رہنا ہے تو پھر وہ ایسے ہی مومن ہوں گے جو کافروں کے غلام ہوں گے جو اسلام کی ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ اسلام کے خادم وہ مومن ہوتے ہیں جو اپنے رب کو روبرو دیکھتے ہیں جو محمدؐ کا نور دیکھیں گے، قرآن کے ہر لفظ پر اترتے ہوئے نور کا مشاہدہ کریں گے جن کے سجدے قلوب میں مزید جذب پیدا کریں گے جن کی تسبیحات برکات الٰہی کو متوجہ کریں گی اور یہ وہ مومن ہوں گے جو دنیا کی تقدیر بدل دیں گے''

(طریق نسبت اویسیہ)

مزید فرمایا:۔

''ایک صحابیؓ (حضرت حارث) اپنے مومن ہونے کی، مشاہدہ آخرت کو دلیل قرار دیتا ہے اگر تم اور میں محروم ہیں تو ہمارے پاس مومن ہونے کی دوسری دلیل کیا ہے اور یہی اندھا پن ہے کہ ہمیں اسلام پر عمل کی توفیق ارزاں نہیں ہوتی (کیونکہ یقین میں کمی ہے) اندھے کو کبھی راستہ سجھائی دیتا ہے کہ وہ راستے پر چلے۔''

گویا مومن کا دین پر ایمان اس قدر پختہ ہونا چاہئے کہ وہ غیر متزلزل ہو چاہے وہ عقلاً استدلال سے حاصل ہو یا کشفاً مشاہدے کی بنیاد پر۔ یہ جو ہمارا شرمندہ اسلام

ہےاور ایمان ہے اسی کے باعث ہم خود بھی ذلیل ورسوا ہیں اور ہم نے اللہ سچے اور صحیح دین کو بھی رسوا کر رکھا ہے۔

6- صاحب کشف کا درجہ :۔

''تصوف اور سلوک میں جب منازل ومراقبات حاصل ہوتے ہیں تو دو میں سے ایک چیز لازماً حاصل ہوتی ہے۔ کشف یا وجدان۔ یعنی یا تو اسے اپنے روح یا وہ مقام نظر آنے لگتا ہے یا صرف اس مراقبے کے جس پر روح موجود ہوا انوارات نظر آنے لگتے ہیں اور یا پھر اُسے نظر کچھ نہیں آتا۔ مشاہدہ نہیں ہوتا، لیکن وجدان حاصل ہو جاتا ہے۔''

(استفادہ از شیخ المکرّم)

وجدان کیا ھے ؟

فرمایا:۔ ''وجدان یہ ہے نظر نہیں آ رہا لیکن دل مان رہا ہے کہ میں وہاں اس مقام پر موجود ہوں وجدان کی شناخت یہ ہے کہ وہ ایک یقین کی صورت میں اتنی شدت سے اللہ کی طرف سے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کوئی عقلی دلیل اسے رد نہیں کرسکتی۔ کوئی اسے نہیں منوا سکتا تم غلط ہو یا ایسا واقعتاً نہیں ہو رہا۔''

وجدان مشاھدے سے مضبوط ھے :۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:۔

1- وجدان مشاہدے پر فوقیت رکھتا ہے کہ یہ مضبوط تر چیز ہوتی ہے۔

2- مشاہدے میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ دراصل کشف میں خطرات اس طرح سے زیادہ ہیں کہ شیطان آسمان پر تو نہیں جا سکتا لیکن جو انوارا آ رہے ہیں (آسمان سے) ان میں کوئی تصویر پرنٹ کر دیتا ہے تو اپنا رنگ ڈال دیتا ہے جسے محسوس کر پانا یا نوٹ کرنا آسان نہیں۔ صاحب وجدان کو وہ دکھا کچھ نہیں سکتا۔

3- وجدان محفوظ راستہ ہے کیونکہ

صاحب وجدان کے دل میں جو انوارات آ رہے ہوتے ہیں ان پر اگر وہ مداخلت کر لے تو القاء میں (یعنی شیخ سے ملنے والے فیض میں) مداخلت کو دل فوراً بھانپ لیتا ہے، بال بال کھڑا ہو جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ راستہ میں گڑ بڑ ہے''۔

4- کشف از قسم ثمر ہے:۔

ایک طرح کا اجر ہے۔ اب ایک کو مقام احدیت نظر آتا ہے اور دوسرے کو نظر نہیں آتا۔ تو دیکھنے والے کے درجات نہ دیکھ سکنے والے کے درجات سے اس طرح کم ہوں گے کہ

i تو اس نے ایک درجہ ثواب لے لیا۔ بدلے یا اجر کا ایک حصہ مشاہدے کی صورت میں حاصل کر لیا۔

ii صاحب کشف کے پاس یقین کے لئے ایک دلیل آ گئی کہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرے کا یقین ایمان بالغیب شمار ہوگا۔

5- حدیث نفس=

یعنی خود اپنی نفسانی خواہشات کشف میں کوئی صورت اختیار کر لیتی ہوں مثلاً حضرت ایک خط کا ذکر فرماتے ہیں کہ کسی نے مجھے خط لکھا کہ میرے مراقبات تو آپ نے اقربیت تک کرائے تھے لیکن مجھے سالک المجذ وبی ہوگئی پھر میں ساتھ ہی عرش پہ چلا گیا وغیرہ وغیرہ تو میں نے اُسے لکھا کہ ہم نے بغیر باپ کے اولاد پیدا ہوتے نہیں دیکھی تمہارے ہاں کیسے ہوگئی؟ جب شیخ نے اگلے مراقبات کرائے نہیں تو تمہارے کیسے ہو گئے جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

7- اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :-

''اچھا صوفی وہ ہے جو اندھا ہے''

8- مشائخ میں یہ قول عام ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ :-

''کشف ومشاہدات تو کھلونے ہیں جو کچھ صوفیوں کے آگے ڈال دیئے جاتے ہیں بہلانے کے لئے تاکہ ان کے دھیان لگے رہیں اور رب رب کرتے رہیں۔''

7- کشف و الھام کی اقسام :-

صوفیاء نے اس کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں

1- کشفِ صغریٰ یا کشفِ کونی :-

2- کشفِ کبریٰ یا مشاہدہ حق۔

1- کشف صغریٰ یا کشف کونی :-

تعریف :-

اس کو مشاہدہ ناقص بھی کہتے ہیں اس کی کتب تصوف میں درج تعریفات پائی جاتی ہیں۔

1- اس سے مراد یہ ہے کہ :-

''سالک اپنی قلبی توجہ سے زمین وآسمان، ملائکہ، ارواح اہل قبور، لوح محفوظ الغرض دونوں جہانوں کا حال معلوم کرے اور مشاہدہ کرلے اس کشف میں غلطی کا احتمال رہتا ہے۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف + ارشاد الطالبین)

2- غوث اعظم حضرت عبدالقادرؒ جیلانی فرماتے ہیں :-

''جس شخص کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور یقین جم جاتا ہے وہ قیامت کے معاملات جن کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے قلب کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جنت اور دوزخ کو وہ دیکھتا ہے، صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے وہ دیکھتا ہے، تمام چیزوں کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں۔''

(الفتح الربانی)

3- امام غزالیؒ فرماتے ہیں :-

''طریق سلوک کی ابتداء ہی مشاہدات ومکاشفات شروع ہو جاتا ہے حتی کہ سالکین بیداری میں انبیاء کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں''۔

(مرتب، المنقذ من الضلال)

4- مولانا اسماعیل سنبھلی فرماتے ہیں۔

''مشاہدہ ناقص اس دنیا میں ہوتا ہے لیکن یہ کیفیت بندہ کو گاہ بہ گاہ ہوتی ہے ہمیشہ نہیں رہتی''۔

(مقامات تصوف)

2- کشف کبریٰ یا کشف الٰهی :۔

تعریف :۔

اسے مشاہدہ حق بھی کہتے ہیں اور مشاہدہ تام بھی کہتے ہیں

1- اس سے مراد یہ ہے کہ

''یعنی حق سبحان کا مشاہدہ اور معائنہ ہونا اور جملہ حجابات و اعتبارات غیریت کا اُٹھ جانا اور نورِ بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق اور عین حق میں دیکھنا اور سالک کا مقصد اصل بھی یہی کشف ہے''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

2- قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ

''کشف الٰہی عبادت ہے طریقت کے راستہ میں اپنے احوال اور دیگر سالکین کے احوال اور معلوم کرنے اور حق تعالیٰ کے ساتھ مرتبہ قرب معلوم کرنے اور ان علوم کو جاننے سے جو اللہ کی ذات وصفات سے متعلق ہوں ۔اس کے ساتھ ایک شرط ہے کہ وہ کشف کی نظر سے عالم مثال میں دیکھ رہا ہو نہ کہ محض عقل وفکر اور قیاس سے معلوم کر رہا ہو۔''

(ارشادالطالبین)

3- شیخ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ

سالکان طریقت میں سے بعض حضرات کا باطن یقین کامل کی بدولت بالکل صاف ہو جاتا ہے گویا ان کے دل سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اس وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ

''میرے قلب نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ کیا''۔

یعنی صفائے باطن سے وہ مشاہدہ حق کرتے ہیں۔

(عوارف المعارف)

4- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''دیدارِ باری سے مراد حجابات الوہیت کا اُٹھنا ہے۔اس میں ہر ایک کا حال الگ ہوتا ہے۔کسی پر تجلیات ذاتی اترتی ہیں تو کسی پر صفاتی اور ہر ایک پر برابر بھی نہیں اترتیں اور یہ ہی کبھی تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں''

کیا دنیا میں دیدار الٰهی بطور کرامت ہو سکتا ہے ؟

1- امام قشیریؒ فرماتے ہیں۔

''دنیا کے اندر ظاہری آنکھوں سے بطور کرامت دیدارِ باری نہیں ہو سکتا۔اس کے بارے میں قوی فیصلہ یہی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔''

(رسالہ قشیریہ)

مولانا اسماعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں۔

''مشاہدہ تام یعنی حق سبحانہ کی رویت'' سو یہ جنت میں حاصل ہوگی دنیا میں یہ رویت غیر ممکن ہے۔

(مقامات تصوف)

3- کیا حالت دنیا میں کشفاً دیدار باری ممکن ہے ؟

بہت سے اکابر مشائخ صوفیاء اس بات کے قائل ہیں کہ کشفاً ''یا'' ممکن ہے جیسا کہ اوپر تعریف کے ضمن میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ المکرّم کے اقوال بیان ہو چکے ہیں نیز اس ضمن میں مزید دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

حضرت علی ہجویری ''مشاہدہ حق'' کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

تعریف :۔

میرے نزدیک اور دیگر صوفیاء کے نزدیک مشاہدہ سے مراد دیدار ولی ہے یعنی اللہ کو ہر حال، خلا و ملا، بے چون وچگون دیکھے

دلائل : پھر داتا صاحب اس پر دلائل و براھین قائم فرماتے ھیں کہ:۔

(مختصر بیان ہیں)

1- حدیث جبرئیل:۔

جبرئیل نے پوچھا احسان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔

تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک	اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے

2- الحدیث :۔ایک حدیث پاک ہے کہ:۔

''اپنے پیٹ بھوکے رکھو اور حرص چھوڑ دو۔ ننگے بدن رکھو اور امیدیں کم کر دو۔اپنے جگر پیاسے رکھو اور دنیا چھوڑ دو تو قریب ہے کہ تم اللہ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ لو''

3- اللہ نے حضرت داؤد کی طرف وحی فرمائی:۔

تم جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ جواب دیا ''نہیں'' اللہ نے فرمایا

یھیی الحیوۃ القلبی فی المشاھدتی لی	یعنی دل کا زندہ ہونا میرے مشاہدے میں

4- حضرت ابو یزید کا قول:۔

کسی نے پوچھا: عمر کتنی ہے فرمایا -4 چار سال لوگوں نے کہا وہ کیسے؟ تو فرمایا

''ستر سال میں دنیا کے حجاب میں رہا اور چار سال سے مشاہدہ میں ہوں لہذا حجاب کے زمانہ کی عمر زندگی نہیں ہے''

5- حضرت محاسبی اور ادیب مکندی کے حالات میں درج ہے کہ

''ایک نے چالیس سال ٹیک نہ لگائی اور دوسرے بیس برس تک سوائے تشہید کے کبھی نہ بیٹھے اور وجہ یہ بتائے تھے کہ ہمارا یہ درجہ نہیں کہ حضور حق کا مشاہدہ ٹیک لگا کر بیٹھ کر کریں۔''

6- حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:۔

وانی الاحسد ناظری الیک و اغفی طرفی اذا نظرت الیھا	بے شک میں تیری طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوں تو آنکھ بند کر لیتا ہوں جب تیری طرف دیکھتا ہوں۔

''گویا ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے دریغ اس لئے ہے کہ جب میں دنیا میں بلاواسطہ چشم دوست کو دیکھتا ہوں تو میں کسی واسطہ کا سہارا کیوں لوں''

نیز آپ فرماتے ہیں کہ

''جب دنیا میں ارادت کامل ہوجائے تو مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے اور جب مشاہدہ ہوجائے تو دنیا عقبیٰ یکساں ہیں۔''
(کشف المحجوب)

4- دیدار باری کی نوعیت کیا ہے؟

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تو اس کی یہ صورت بتاتے ہیں کہ:۔

''راہ طریقت میں کشف الٰہی ان علوم کے جاننے سے عبارت ہے جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہوں۔ بشرطیکہ وہ کشف کی نظر سے عالم مثال میں دیکھ رہا ہو نہ کہ محض عقل، فکر اور قیاس سے معلوم کر رہا ہو''

(ارشادالطالبین)

2- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''دیدار باری سے مراد حجابات الوہیت کا اُٹھنا ہے اس میں ہر ایک کا حال الگ ہوتا ہے کسی پر تجلیات ذاتی اترتی ہیں تو کسی پہ صفاتی اور ہر ایک پہ برابر نہیں اترتیں اور نہ ہی تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں''۔

3- خواب یا مراقبہ میں:۔

حضرت سلطان باہوؒ ''نورالہدیٰ'' میں ''شرح نواب ومراقبہ'' نام کے باب کے تحت فرماتے ہیں کہ

''اگر کوئی شخص خواب یا مراقبہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے (تو ایسا ممکن ہے) چنانچہ امام ابوحنیفہ ستر مرتبہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے اور ان کا خوابِ غفلت نہیں تھا۔ گو اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت ہم مقرر نہیں کر سکتے کہ حدیث ہے۔''

الحدیث:۔

تفکرو فی الایۃ ولا تفکر و افی ذاتہ	یعنی اس کی نعمتوں کی بات سوچو اور اس کی ذات کی بابت کچھ سوچ بچار نہ کرو

مزید فرماتے ہیں کہ:۔

دیدار باری کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جسم وجود کی بابت خیال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ

لیس کمثلۃ شئ	اس کے جیسی کوئی چیز نہیں

''اور جو شخص اللہ کو دیکھ لیتا ہے اس کے باوجود میں خودی نہیں رہتی''

4- ''آداب المریدین'' میں ہے کہ

''رویت باری تعالیٰ سے متعلق صوفیا نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ خدا کا دیدار جنت میں آنکھوں سے ہوگا۔''

نیز خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا ارشاد نقل ہے کہ وہ اپنے ترجمہ میں فرماتے ہیں ''خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو ان آنکھوں سے دنیا میں خدا کا دیدار کرتے ہیں اور ان کے دل کی آنکھ ظاہری آنکھ میں مقبول و متمکن ہو جاتی ہے۔

-5 عمدۃ السلوک میں ہے کہ

''دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں کیونکہ خود قرآن واقعہ موسیٰ میں کہتا ہے''۔

لن ترانی	تو ہرگز نہ دیکھ سکے گا

اور ایک جگہ ہے

فلما تجلی ربه	پس جب اس کا رب ظاہر ہوا

تجلی کے معنی ہیں ''کھل جانا'' دیکھنے میں اور کھل جانے (ظاہر ہونے) میں بڑا فرق ہے تو امام احمد حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا دیکھنا مثال میں دیکھنا ہے نہ کہ عالم اجسام میں۔

حضرت سلطان باہوؒ واقعہ موسیٰ کی شرح یوں بیان فرماتے ہیں کہ

''حضرت موسیٰ تجلی باری سے بے ہوش ہو گئے اور کوہ طور جل گیا۔ بعد ازاں حضرت موسیٰ جس طرف نظر کرتے سب چیزیں جل جاتیں۔ آپ نے چہرہ مبارک پر برقعہ پہنا وہ بھی جل گیا پھر لوہے تانبے۔ سونے اور چاندی کا برقعہ بنایا وہ بھی جل گیا تو موسیٰ نے عرض گذاری تو حکم ہوا اے موسیٰ دل فقیروں کی گودڑی لے کر برقعہ بنا۔ آپ نے بنایا اور وہ نہ جلا۔ تو آپ نے حقیقت پوچھی تب اللہ نے فرمایا:-

''اس گڈری کو پہن کر انہوں نے مجھے یاد کیا ہے اور انہیں میرے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں''

پھر اللہ نے فرمایا:-

''اے موسیٰ سوئی کے سوراخ کے برابر تجلی جو کہ ستر پردوں میں لپٹی ہوئی تھی تیری طرف پھینکی تو تو بے خود ہو گیا۔ اور تاب نہ لا سکا۔ لیکن پیغمبر آخر الزماں محمد رسول اللہ کی امت میں ایسے بھی آدمی ہوں گے اگر نظر کرم سے ستر ہزار تجلیات ان کے دل پر ڈالی جاویں تو کبھی بے ہوش نہیں ہوں گے بلکہ اور زیادہ تجلی کی دعا کریں گے،،

ایک جگہ فرمایا:-

''فقیر باہو کہتا ہے کہ دل ہاتھ میں لانا ادھوروں کا کام ہے اور کشف و کرامات میں رہنا نامکملوں کا اور اپنے آپ سے خالی ہو جانا اور عین ہو جانا مردوں کا کام ہے۔''

-5 مشاہدہ کیونکر ممکن ہے؟

''اکمال الشیم'' میں ہے کہ

''وصول الی اللہ یہ ہے کہ اللہ تک تیرا پہنچنا محض ذوقی و وجدانی طریق سے نظر بصیرت سے مشاہدہ حق ہو اس کا ملنا دو جسموں کے ملنے جیسا نہیں ہوتا کہ وہ اس سے بالاتر و پاک ہے لیکن مشاہدہ ایسا ہو کہ اس پر دلیل قائم کر سکے اس یقین کے ساتھ جیسا آنکھ دیکھی شے کا ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ آنکھ بھی غلطی کر سکتی ہے نیز یہ مشاہدہ ہمہ وقت قلب کی دائمی صفت ہو جائے جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہے۔''

دلیل:-

داتا صاحب واقعہ معراج سے دلیل لیتے ہیں مختصر بیان ہے کہ:-

اللہ نے حضورؐ کے حالات معراج کی ہمیں خبر دی اور فرمایا۔

مازاغ البصر وما طغیٰ	کسی چیز کی طرف آنکھ نہ کھولی اور نہ حد سے متجاوز ہوئے

اس لئے کہ شوق الی اللہ کا جوش تھا موجودات سے آنکھ بند کر لی جب موجد کو دیکھ لیا۔ اللہ فرماتا ہے۔

لقدرای من آیات ربه کبریٰ	دیکھ لیا محمدؐ نے رب اعلیٰ کو

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ

قل للمومنین یغضوا من ابصارهم	مومنوں سے فرمادیجئے کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں''

یعنی آنکھوں کی بینائی شہوتوں سے اور دل کی آنکھیں مخلوقات سے بند رکھیں تو جو یہ مجاہدہ کرتا ہے وہ ضرور حق کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کیونکہ مشائخ کا قول ہے:۔

ضمن کان اخلص المجاهدة کااصدق المشاهده	جو مجاہدہ میں مخلص ہو وہ مشاہدہ میں سچا ہوتا ہے''

حضرت ذوالنون مصریؒ ایک واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ :-

''لوگ غلطی پر ہیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ دلوں کا دیکھنا اور مشاہدہ میں رہنا ایک ہی صورت ہے حالانکہ دل میں اس کا ذکر وفکر یا وہم وتشبیہ ہے اس لئے کہ وہ کوئی جنس نہیں ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ ۔ مشاہدہ وہی ہے کہ جب واقعی مشاہدہ ہو اور بالاتفاق مشائخ جب عاقبت میں دیدار باری روا ہے تو دنیا میں مشاہدہ بھی روا ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ مشاہد صفت سر ہے (راز ہے) جو اس کی خبر دیتا ہے وہ مشاہدہ نہیں دعویٰ ہے اور جس خبر کی حقیقت عقل میں نہ آئے زبان اس کا بیان کیسے کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ معنی مجاز میں کیا جائے اس لئے اس حالت میں خاموش رہنا بولنے سے زیادہ بہتر ہے''

المختصر: اس تمام بحث کا خلاصہ بمطابق حضرت شیخ المکرم یہ ہے کہ:۔

''اگر انسانی ذہن اس قدر ترقی کر سکتا ہے کہ دنیا کے دوسرے کونے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات آپ اسی لمحے اپنے گھر میں بیٹھے دیکھ سکتے ہیں یا ٹیپ کے ایک فیتے پہ لمحوں کو ہمیشہ کیلئے قید کیا جا سکتا ہے، یا صرف ایک انٹینا لگانے سے آپ میلوں دور سے چلائی جانے والی ٹرانسمیشن کو اگلے ہی لمحے دیکھ سکتے ہیں تو وہ قادر مطلق ہے اپنے مشتاق دلوں کو جب جو چاہے تجلی دِکھا دے اس میں بے یقینی کیوں اور حیرت کیسی؟ نیز کشف سے متعلق یہ یاد رہے یہ مجاہدے سے حاصل نہیں ہوتا یہ از قسم ثمرات ہے نیز جوگیوں یا راہبوں کو جو کمال شیطان کی مدد یا ریاضتوں کی بنیاد پہ حاصل ہوتا ہے وہ ماضی، مستقبل یا حالات وواقعاتِ دنیا سے متعلق ہوتا ہے کیونکہ اللہ کریم فرماتے ہیں ''**لا تفتح لهم ابواب السماء** (پارہ۔**8**) ترجمہ:۔ ''اور ان کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے جب کہ صوفی کے کشف کی بنیاد نورِ ایمان پر ہے اور اس کا کشف بالآئے آسمان و برزخ سے متعلق ہوتا ہے اور اس کو کشفِ الٰہیات بھی کہتے ہیں۔

8۔ کشف کی دیگر صورتیں:-

1۔ الہام:-

تعریف:-

''یہ القاء کے مترادف ہے اس سے مراد اللہ کا انسان کے دل میں ایسا داعیہ پیدا کرنا ہے جو کسی فعل کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ کر دے۔ وحی بھی الہام کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔'' (اسلامی اخلاق وتصوف)

شیخ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''الہام میں حق تعالیٰ کوئی علم صوفی کے قلب میں ڈال دیتے ہیں اور ہاتف (غیب) کا کلام بھی اسی قبیل سے ہے''۔

2۔ القاء:۔

تعریف:۔

یہ ''الہام'' کا مترادف ہے جس کے معنی ہیں غیب سے بات دل میں ڈالنا۔ گویا وہ بات جو اللہ تعالیٰ کسی انسان کے دل میں ڈالے''

صوفیاء کی اصطلاح میں:۔

''صوفیاء کے نزدیک عارف سالک کے دل پہ جو خدا سے علم غیب وارد ہوتا ہے اسے القاء کہتے ہیں۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

3۔ مکاشفہ:۔

تعریف:۔

''یہ کشف ہی کا دوسرا نام ہے۔ یعنی کھولنا' پردہ اٹھانا' انکشاف' غیب کی باتوں کا اظہار۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''مکاشفہ' اسرار الٰہی (کائنات ظاہری کے پیچھے کارفرما حقائق) میں کسی حقیقت کے انکشاف یا اس کے بارے میں یقینی علم حاصل ہونے کا نام ہے۔ مکاشفہ کے بعد حجت و دلیل ختم ہو جاتی ہے اور صرف بے چون و چرا اطاعت اور تسلیم باقی رہ جاتی ہے۔'' (یہ حکم صرف صاحب کشف کیلئے ہے)

(کشف المحجوب)

4۔ وحی:۔

لفظی معنی:۔

''اشارہ کرنا' چھپا کر بات کرنا' کسی کے خیال میں بات ڈالنا' لکھنا' کتاب' عبارت' پیغام دینا' حکم دینا' آواز یا دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے سے بات کرنا۔''

(اسلامی اخلاق وتصوف)

شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد:۔

''پیغام الٰہی' خدا تعالیٰ کے وہ احکام جو پیغمبروں پر نازل ہوتے ہیں۔ یعنی فرشتہ کے ذریعے نبیوں پر نازل ہونے والا پیغام الٰہی۔ وحی میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے کہ وحی میں نبی کے نفس و ارادہ کا کچھ تعلق نہیں ہوتا جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے نبی من وعن وہی کچھ لوگوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔''

جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (عم)	''وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے''

9۔ کشف اور الهام میں فرق:-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :-

''کشف یا الہام ۔ دونوں اعلام من اللہ کی دو صورتیں ہیں ان میں سے الہام اقرب الی الصواب ہے'' جیسا کہ

فیض الباری میں ہے کہ

''کشف والہام میں فرق ہے جیسا کہ شیخ مجدد سرہندی نے فرمایا کہ اہل منطق جسے حسیات کہتے ہیں کشف اس کے زیادہ قریب ہے اور جسے وجدانیات کہتے ہیں وہ الہام کے زیادہ قریب ہے۔ بمقابلہ کشف کے غالباً زیادہ اقرب الی اصلواب (درستگی کے قریب تر) ہے کیونکہ کشف نام ہے حجاب کے اٹھنے کا اور الہام دل میں کسی مضمون کا القاء ہونا ہے۔''

10۔ وحی اور صوفیاء کے کشف والهام میں فرق:-

1۔ وحی انبیاء کا خاصه:-

''وحی'' ایک شرعی اصطلاح ہے اور یہ صرف انبیاء کرام پر نازل ہوتی ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتمہ النبیین حضرت محمدؐ کے ساتھ بذریعہ وحی خطاب ہوتا رہا۔ جبکہ الہام والقاء یا کشف عام انسانوں کے قلوب پر بھی وارد ہوسکتے ہیں۔

2۔ وحی ختم نبوت کے ساتھ منقطع:-

ختم نبوت کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ اب اس کی صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے جسے کشف والہام کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ

''کشف والہام وحی باطنی ہے اور کمالات نبوت سے ہے جو نائب نبوت کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ باطنی دولت انبیاء کا حصہ ہے جو بطور وراثت انبیاء کے حقیقی متبعین کو ملتی ہے نہ کہ بدکاروں کو اور انقطاع نبوت اور انقطاع وحی شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے۔''

(دلائل السلوک)

3۔ وحی میں نبی کے نفس کو دخل نهیں:-

وحی کو نبی من وعن بیان کرتا ہے اور قرآن اس پر خود گواہ ہے۔ جبکہ کشف والہام میں حدیث نفس کا خطرہ رہتا ہے۔

4۔ وحی میں غلطی کا امکان نهیں:-

وحی کے سمجھنے میں یا آگے پہنچانے میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ جبکہ ولی کو کشف والہام میں بھی دھوکا ہوسکتا ہے اور بعض اوقات اس کا مطلب ومراد سمجھنے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔ گویا کشف مذموم بھی ہوسکتا ہے اور محمود بھی۔

5۔ وحی کا اتباع امت کے لئے واجب:-

وحی کا اتباع امت کے لئے واجب ہے اور اس کی حیثیت دین الٰہی کی ہے۔ نبی وحی کے اظہار کا مکلّف ہے اور امت اتباع کی جبکہ ولی کا کشف یا الہام اگر قرآن وسنت کے مطابق ہے تو صرف صاحب کشف ہی اس پر عمل کا مکلّف ہوتا ہے۔ نیز اس کے لئے اس کشف کا اظہار شرط نہیں ہے۔

11۔ کشف کا دین میں مقام یا درجه:-

''اولیاء کا کشف اور ان کا الہام ''علم ظنی'' کے درجہ کی چیز ہے اور اگر دو اشخاص کے کشف متفق ہوجائیں تو اس کشف کا درجہ غالب کا

ہوگا''۔نیز کشف پہ عمل کرنا جائز ہے اگر وہ قرآن وحدیث اوراجماع وقیاس صحیح سے متصادم نہ ہو''

(ارشادالطالبین)

مثالیں:-

اس ضمن میں قاضی صاحب وہ مثالیں جمع فرماتے ہیں جن میں کشف پر عمل کیا گیا۔مثلاً

1۔ ابوداؤد،دارمی،ترمذی اورابن ماجہ نے عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے کہ:-

''حضورؐ نے لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کو ناقوس طلب کیا تو میں نے اپنا خواب خدمت عالی میں عرض کیا۔میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ناقوس بیچ رہا ہے میں نے اس سے کہا خدا کے بندے ناقوس بیچے گا؟اس نے کہاتم کیا کروگے؟میں نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے جمع کروں گا،اس نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر چیز سکھاتا ہوں کہو''اللہ اکبر''اوراس نے اذان سکھائی۔حضورؐ نے جب یہ خواب سنا تو فرمایا یہ خواب بالکل سچا ہے اٹھو یہ کلمات بلالؓ کو سکھادو''پس میں نے سکھادیئے پھر حضرت عمرؓ آئے اور ایسا ہی خواب بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔''

2۔ بیہقی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:-

''حضورؐ کے وصال پر جب صحابہ آپؐ کو غسل دینے والے تھے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ لباس اتارا جائے یا لباس میں غسل دیا جائے۔اختلاف رائے ہوگیا۔کہ یکایک حق تعالیٰ نے اُن پر نیند طاری کردی سب غنودگی میں چلے گئے اورسب نے ہی آواز سنی کہ آپ کو پیرہن سمیت غسل دیا جائے۔پھر سب اٹھ گئے۔پس پھر آپ کو لباس میں ہی غسل دیا گیا اور قمیض کے اوپر سے ہی جسم اطہر کو ملا۔''پس ثابت ہوگیا کہ کشف والہام پہ عمل کرنا جائز ہے۔''

(ارشادالطالبین)

2۔ اعلیٰ حضرتؒ کشف کی صحت کے معیار کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

1۔ کشف کے لئے پہلے قلب سلیم ہونا شرط ہے اورکشف کی صحت کا معیار وہبی طور پر وجدان صحیح ہے۔کہ قلب سلیم القائے شیطانی پر بے چینی محسوس کرتا ہے اوراسے رد کر دیتا ہے۔

2۔ ہر کشف کو کتاب وسنت کے سامنے پیش کیا جائے اگر وحی قطعی سے متصادم ہے تو مردود ہے اوراگر مطابق ہے تو صاحب کشف یقین رکھے کہ من جانب اللہ ہے۔

3۔ شریعت میں ہر امر کی تفصیل بیان نہیں ہے اوامر ونواہی کے علاوہ جس امر میں شریعت نے سکوت کیا وہ نفی واثبات دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس کشف والہام سے ان دونوں امور میں سے جو چیز ثابت ہوگی وہ حق ہوگی۔'' (دلائل السلوک)

3۔ امام جامیؒ لکھتے ہیں کہ:-

ابوسلیمان نارانی (المتوفی 215ھ) جوصوفیا کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اورقدیم مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ

''بہت دفعہ ایک حقیقت میرے دل میں چالیس دن تک آنا چاہتی ہے لیکن میں اسے اپنے دل میں گھسنے نہیں دیتا جب تک کہ دو گواہوں سے اس کے متعلق گواہی نہ لے لوں یعنی میں اپنے کشف پر اعتماد نہیں کرتا جب تک کتاب وسنت میں نہ دیکھ لوں۔''

(حیات الصوفیہ)

4۔ حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ :-

''اگر کوئی کہے کہ کشف کا شرعاً ثبوت نہیں ہے تو شرعاً اس کا ثبوت موجود ہے کہ سارا دین کشفاً نبی علیہ السلام کو حاصل ہوا فرشتے سے اور اللہ سے کلام کر کے حاصل ہوا۔ اسلام کی تو بنیاد ہی اس بات پر ہے۔'' (طریق نسبت اویسیہ)

ابن سمعانی نے فرمایا:-

''الہام کا انکار مردود ہے یہ جائز ہے کہ اللہ کسی بندے کو بوجہ الہام مکرم بنا دے۔''

(فتح الباری)

12۔ دلائل کشف والهام قرآن کریم سے:-

1۔ واقعہ اصحاب کہف :- غیر نبی کا اللہ سے کلام

فوجد عبدا من عبادنا واتیناہ من لدنا علما (کھف)	سوانہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے علم سکھایا

2۔ واقعہ مریم :- غیر نبی کا فرشتے کو دیکھنا، بات کرنا۔

فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویاً (مریم)	پس ہم نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا

اس واقعہ میں تین مرتبہ اس کے علاوہ بھی حضرت مریم کو فرشتے کے ذریعے یا اللہ پاک کی طرف سے خطاب کیا گیا۔ جو آل عمران میں ہے۔ مثلاً

واذ اوحیت الی الحوارین ان امنوابی ورسولی (المائدہ)	اور جب ہم نے حواریوں کو حکم دیا تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

4۔ قصہ لقمان :-

سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کو تعلیمات ربانی سکھائی جانے کا ذکر ہے۔ جو غیر نبی تھے

5۔ ذوالقرنین کو خطاب :-

الکھف میں ذوالقرنین جو غیر نبیوں میں سے تھا، کو اللہ کا خطاب موجود ہے۔

6۔ طالوت کو خطاب :-

البقر میں طالوت کا قصہ موجود ہے جس کو اللہ نے لشکر سمیت ایک نہر سے آزمایا۔

7۔ ام موسیٰ کو الہام :- القصص میں ہے کہ

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ	ہم نے ام موسیٰ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ

اعلیٰ حضرتؒ مندرجہ بالا دلائل قرآنی بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

''نصوص قرآنیہ سے علوم کشفیہ والہامیہ ثابت ہو گئے یہ بعد کی بات ہے کہ یہ علوم قطعیہ ہوئے ہیں یا ظنیہ۔ لیکن علم الہام وکشف ثابت ہو گیا اس کا منکر نصوص قرآنیہ کا منکر ہوگا''

(دلائل السلوک)

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ :-

''بالاتفاق علماء کوئی عورت نبی نہیں ہوئی جب قرآن فرماتا ہے و اوحینا الی ام موسی تو یہاں اس سے مراد الہام یا القاء ہے اس لئے کہ وحی اصطلاحی صرف نبی پر آتی ہے ولی اللہ کیلئے اگر یہ اصطلاح استعمال ہو تو الہام یا القاء کہا جائے گا۔ اسی طرح حضرت مریم سے فرشتے نے کلام کیا اگر امت موسوی کی ولیہ کو اور حضرت عیسیٰ کی والدہ کو یہ کمال حاصل ہو سکتا ہے تو امت محمدیہ میں کیوں نہیں ہو سکتا۔ اعتراض کس بات کا؟''

(طریق نسبت اویسیہ)

13۔ کشف کی چند مثالیں:-

1۔ شیخ محمد بن حمزہؒ کا کشف :-

اعلیٰ حضرتؒ بحوالہ کتب شیخ محمدؒ کی کرامات کا مفصل تذکرہ فرماتے ہیں۔

''جامع کرامات اولیاء اللہ'' میں ہے کہ جب شیخ کی دعا اور برکت سے قسطنطنیہ فتح ہوا تو اس فتح کے بعد شیخ سے درخواست کی گئی کہ ''ابوایوب انصاریؓ '' کا مدفن تلاش کریں۔ آپ نے فرمایا فلاں جگہ انوار نظر آتے ہیں پھر مراقبہ کیا اور کہا فلاں جگہ مدفن ہے۔ اور حضرت کی روح سے کلام ہوئی تو آپؓ نے پہلے تو فتح کی مبارک باد دی پھر فرمایا کہ شکر ہے کفار کے قبضہ سے مجھے چھڑایا۔ یہ بات جب سلطان محمد فاتح تک پہنچی تو حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کی بات پر یقین ہے لیکن کوئی نشانی بتا دیں۔ آپ نے فرمایا یہ جگہ قبر کے سر کی جگہ ہے۔ دو ہاتھ زمین کھودو ایک سفید پتھر نکلے گا اس پر عبرانی یا سریانی زبان میں کچھ عبارت کندہ ہے۔ جب انہوں نے دو ہاتھ زمین کھودی تو ایک پتھر نکلا جو شخص زبان جانتا تھا اس نے پڑھ کر مطلب بتایا جو وہی تھا جو شیخ نے بتایا تھا بادشاہ ششدر رہ گیا اور اس پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ گرنے لگا لوگوں نے اسے سنبھال لیا بادشاہ نے اس جگہ مسجد بنوائی اور شیخ کے قیام کے لئے حجرے بھی بنوائے لیکن شیخ نے کہا کہ وہ اپنے شہر میں ہی قیام کریں گے''۔

2۔ ''کسی بزرگ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ انہیں ایک پیالہ میں شربت پیش کیا گیا تو بجائے پینے کے انہوں نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا دنیا میں ایک عظیم واقعہ رونما ہوا ہے اب جب تک مجھے اس کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے گا میں یہ شربت نہ پیئوں گا آخر کار انہیں کشف سے معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ میں ایک جماعت داخل ہوئی ہے اور اس کو وہاں قتل کر دیا گیا''۔

(عوارف المعارف)

3۔ شیخ احمد بن عطار ودباریؒ کہتے ہیں میں طہارت کے سلسلے میں بہت احتیاط کرتا تھا۔ ایک رات استنجا کر رہا تھا کہ ایک تہائی رات اسی طرح استنجا کرتے گزر گئی لیکن طبیعت کو اطمینان نہیں ہوا اور صورت حال سے پریشان ہو کر میں رونے لگا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی ''اے پروردگار مجھے معاف فرما'' اسی وقت غیب سے آواز آئی (میں نے کسی کو نہیں دیکھا)

''اے ابوعبداللہ! علم میں معافی ہے۔ (طہارت میں اتنا اہتمام نہ کیا کرو)

(عوارف المعارف)

4۔ ہمارے ایک شیخ جو ہمدان میں تھے کے متعلق کسی نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک بار خلوت نشینی کی حالت میں انہیں اپنے بیٹے کے سلسلے میں مکاشفہ ہوا کہ وہ اپنی کشتی میں دریائے جیرن میں گرنے والا ہے (بے خبری کے عالم میں قصداً نہیں) یہ معلوم ہونے پر انہوں نے بیٹے کو وہیں سے جھڑکا اور اس طرح وہ دریا میں گرنے سے بچ گیا۔ کچھ

عرصہ بعد جب لڑکا واپس آیا تو اس نے بتایا کہ میں پانی میں گر اہی چاہتا تھا کہ والد کی سرزنش کی آواز سن کر سنبھل گیا اور گرنے سے بچا۔

(عوارف المعارف)

5۔ حضرت عمرؓ کا کشف:-

اسی طرح حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں تھے جب ''یا ساریہ الجبل'' فرمایا اور اس وقت ساریہؓ کا لشکر نہاوند (فارس) میں تھا۔ یہ آواز سن کر لشکر نے پہاڑ کی آڑ پکڑی اور دشمن پر فتح یاب ہوئے۔ لوگوں نے جب ساریہؓ سے پہاڑ کی آڑ لینے کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی کہ ''یا ساریہ الجبل''۔

(عوارف المعارف)

6۔ حارث بن مالکؓ کا کشف:-

فرماتے ہیں میں رسول کریمؐ کے پاس سے گزرا آپؐ نے فرمایا۔ اے حارث کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی حقیقی مومن ہوں۔ فرمایا سوچو تو کیا کہہ رہے ہو؟ ہر شے کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حارث نے کہا میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے۔ مکاسبِ دنیا میں مخلوق پر نگاہ نہیں رات کو رب کو یاد کرتا ہوں۔ دن کو روزہ رکھتا ہوں۔ کشف کی حالت یہ ہے کہ گویا عرشِ الٰہی کو ظاہر و باہر دیکھتا ہوں اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور اہل دوزخ کو چیختا ہوا دیکھتا ہوں تو حضورؐ نے فرمایا! اے حارث تو نے ٹھیک پہچانا پس اسے لازم پکڑ (ایسا آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا)

(ابن کثیر) (دلائل سلوک)

7۔ اعلیٰ حضرتؒ کا کشف:-

اعلیٰ حضرتؒ کی ایک تقریر ریکارڈ پر موجود ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ روس کے خلاف جہاد میں افغانوں کو فتح نصیب ہوگی اور روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگا اور گدا کر کے کھائے گا۔ حالانکہ اس وقت اس بات کے بظاہر کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

8۔ حضرت شیخ المکرم کا کشف:-

بھٹو پر مقدمہ چل رہا تھا اور خود اس کو بھی اس بات کا گمان تک نہیں تھا کہ وہ اس انجام سے دوچار ہوگا تب حضرت نے فرمایا تھا کہ یہ رسوا ہوگا، اس کی موت پھانسی سے ہوگی اور ایک عام چوڑھا اسے پھانسی دے گا۔

14۔ مکاشفین کو انتباہ:-

حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں:-

> ''مشاہدات کا مطلب یا حاصل یہ نہیں کہ تو غوث ہو گیا یا تو قطب بن گیا۔ بلکہ مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ تجھے گناہ کا احساس ہونے لگے نیکی کا شعور آئے۔ اللہ کا خوف پیدا ہو اور غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے۔ کفر کے لئے تو تیغ برہنہ بن جائے اور احقاقِ حق کے لئے شمع صداقت بن جائے دنیا میں تیرے دم سے نور اور حق غالب آئے کفر کے اندھیرے سمٹنا شروع ہو جائیں۔ برائی مٹنا شروع ہو جائے یہ تیرے مشاہدات و مکاشفات کی دلیل ہے''۔

(طریق نسبت اویسیہ)

ایک جگہ فرمایا:-

''مشاہدہ حصولِ علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ ان کو رب کریم نے قوت مشاہدہ دی اور علوم ان کے لئے سہل

کر دیئے تو اگر مشاہدہ باتباع نبی ﷺ کسی کو نصیب ہو جائے (تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ) کسی کی چوری ہو گئی اسے تلاش کیا جائے' کسی کا بچہ گم ہو گیا دیکھا جائے کہاں ہے' کسی کی بیماری کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ مشاہدہ ان کاموں کے لئے نہیں ہے اگر ان کاموں پر بندہ اسے آزمانا چاہے تو واپس لے لیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کسی کو اسلحہ دیں اور وہ بندوق سے مکھیاں مارنے لگے تو پھر آپ کب تک اسے اسلحہ دیئے رکھیں گے بلکہ یقیناً واپس لے لیں گے کہ یہ اس مقصد کے لئے نہیں۔ پس اسی طرح مشاہدہ اللہ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا مقصد ومصرف یہ ہے کہ اس سے احکام الٰہی کو سمجھنے کی توفیق ملے۔''

(کنز الطالبین)

فرمایا:-

''یاد رکھو! مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں انہوں نے یقیناً ایسی کوئی بدعہدی اللہ سے کی ہوئی ہے کہ نسخہ حیات ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے۔ اور ہم نے یہ ہوتے دیکھا ہے۔ کئی ہم سے بعد میں آئے انہیں مشاہدات ہوئے اور پھر ہم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ اس لئے مجھے اس بات سے ڈر تھا اور میں نے دس سال مشاہدات کو روک کر رکھا لیکن دس سال بعد آج میں انہیں آزاد کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے یہ سمجھ آئی ہے کہ اس میں میرا کوئی اختیار نہیں جس کو گمراہ ہونا ہے وہ ہو گا ہی اور کشف کی وجہ سے نہیں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں تو پھر ان سے کشف کو کیوں روکیں جسے اللہ دیتا ہے اسے لینے دیں لیکن میری ایک بات سن لو کل عرصہ محشر میں یہ شکوہ نہ کرنا کہ ہمیں خبر نہ تھی (کہ کشف میں اندیشہ بھی تھا) اور ہاں! سنبھل کر رہنا تمہاری اپنی ذمہ داری ہے اور میں میدان حشر میں بھی یہی کہوں گا جو آج کہہ رہا ہوں کہ بار الٰہی! میں نے دس سال مشاہدات کو روکے رکھا۔ پھر بھی جنہیں گمراہ ہونا تھا ہوتے ہی رہے میں نے عام کر دیا کہ جنہیں ہدایت پانی ہے وہ تو ہدایت پائیں۔''

(طریق نسبت اویسیہ)

ایک تنبیهه:-

''تصوف کا مقصد حصول کمالات نہیں وصول الی اللہ ہے''۔

''تصوف میں غیر اسلامی فلسفوں کی آمیزش (یعنی زندقہ وغیرہ) اور ''علم الکلام'' میں فلسفہ ومنطق کی بھرمار (جو عہد اموی میں عروج پر تھی) کے باعث شریعت وطریقت کا تضاد پہلی مرتبہ سامنے آیا۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ شئے غیر مقصود کو مقصود قرار دے دیا گیا اور مقصود کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ اب کمالات کو جو محض توابع ہیں اور حصول مقصد کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اصل مقصود قرار دیا جانے لگا ہے۔ لذت ماحوال' کشف کوئی' تصرفات' کرامات' وجد وحال' رویائے صادقہ وغیرہ سالک کی غائیت قرار پائے اور ان کو بزرگی وتقویٰ کی علامت قرار دیا جانے لگا۔ اسی وجہ سے ان کمالات کے حصول کے لئے غیر مسنون مشقوں اور مشغلوں کی ابتداء ہوئی۔ اور جوگیوں اور سنیاسیوں سے سیکھنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ یوں ہندی مراسم اور یونانی تخیلات کے مرکب کو اسلامی تصوف سمجھا جانے لگا۔''

(قرآن وتصوف)

15۔ مقلدین کو انتباہ:-

صفات اولیاء کے متعلق غلط خیالات اور ان کی تردید:-

''**اکمال الشیم**'' جوکہ ''**اتمام النعم**'' کی شرح ہے تصریحاً بیان ہے کہ۔

'' جاننا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے اوصاف کئی قسم پر ہوتے ہیں۔ بعض اوصاف تو ان کی ذات کو لازم ہیں۔ مثلاً

1۔ اخلاق مذمومہ کبر، عجب، حسد وغیرہ سے خالی ہونا۔

2۔ تواضع، خشوع اور دوام ذکر وغیرہ سے ہمہ وقت اور ہر آن آراستہ ہونا ان کو لازم ہے۔

3۔ اور (اولیاء میں) اوصاف بشری جیسے عجز، ضعف، بھوک پیاس، صدمہ یا واقعہ سے متاثر ہونا وغیرہ۔

البتہ ان اوصاف بشریہ کا ظہور اس وقت مغلوب ہو جاتا ہے جب ان پر اوصاف الہیہ کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے تب ان سے ایسے عظیم امور کا ظہور ہوتا ہے کہ دوسروں سے نہیں ہوسکتا۔ مثلاً جب صفت علم کی تجلی ہوگی تو ان کی ذات سے ایسے علوم کا ظہور ہوگا کہ دوسرے علماء حیران رہ جائیں گے کہ ان کے پاس یہ علوم کہاں سے آئے؟ جب صفت قدرت کی تجلی ہوگی تو اس کی مناسبت سے آثار ظاہر ہوں گے لیکن جس وقت تجلی اوصاف الٰہی کا غلبہ نہ ہوگا وہ اپنے اوصاف بشریہ کے مطابق موجود ہوں گے جیسا کہ صوفیاء کے قصوں میں دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات تو بہت دور دراز کی خبر بیان کر دیتے ہیں اور کبھی پاس کی بات کا علم نہیں ہوتا۔

جیسے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ۔

گہہ بر طارم اعلیٰ نشینم   گہہ بر پشت پائے خود نہ بینم

ترجمہ:

'' کبھی تو (روحانیت کے) بلند مقام پر مسند نشیں ہوتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نظر نہیں آتی''۔

پس یہاں سے یہ معلوم ہوگیا کہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کا قرب اور وصول اس وقت میسر ہوتا ہے کہ جب اوصاف بشریہ بالکل زائل ہو جائیں اور ربوبیت کے اوصاف بندہ کے اندر ثابت ہو جائیں یہ بالکل غلط اور گمراہی ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال کے سبب شرک میں مبتلا ہیں اور اولیاء کو صفات باری میں شریک ٹھہراتے ہیں نعوذ باللہ منہ۔ (حالانکہ) دیکھو خود حضورؐ کو بعض واقعات کا علم نہیں ہوا جیسے قصہ افک میں۔ یا بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندھنا اور کسی وقت ہزاروں کو خود کھانا کھلاتے اور دور کے واقعات بیان فرما دیتے تھے۔ اور اولین و آخرین کے علوم بیان فرما دیتے۔

(اکمال الشیم)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاملوں اور مرشدوں کے اوصاف و آداب

ارشاد و ہدایت کا منصب بہت بڑا منصب ہے۔ جو کہ نبی کریمؐ کی نیابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

انا ارسلنک شاهدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه وسراجا منیرا	''اے نبی بلاشبہ ہم نے تجھ کو بھیجا تا کہ تو (امت کے اعمال پہ) گواہ رہے اور (نیک عمل والوں کو) خوشخبری دے (اور بدکاروں کو دوزخ سے) ڈرائے اور ان کو اللہ کی اجازت سے اس کی طرف بلائے اور تو ایک ایسا چراغ ہے جو روشن کرتا ہے نیز رشد و ہدایت کا ثواب تمام عبادتوں سے زیادہ ہے

حدیث پاک ہے کہ:۔

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے۔

''لوگوں نے آنحضرتؐ سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا جو کہ بنی اسرائیل سے تھے ان میں سے ایک عالم تھا جو کہ صرف نمازیں ادا کرتا اور اس کے بعد لوگوں کو تعلیم کرتا تھا جبکہ دوسرا شخص رات بھر عبادت کرتا اور دن بھر روزہ رکھتا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے شخص کو دوسرے شخص پر اس قدر فضیلت ہے جتنی کہ مجھے تم میں سے ایک ادنیٰ شخص پر''۔

(''دارمی'')

اتنے بڑے منصب کے لئے اس کے مناسب آداب واعتقادات کا اہتمام کیا جانا بھی ضروری ہے۔ اس فصل میں دو باتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

اوّل۔ اوصاف واعتقادات برائے کاملین:۔

دوم۔ آداب ورعایات برائے مرشدین:۔

پہلے عنوان کے تحت یہ دیکھتے ہیں کہ مشائخ کو اپنی ذات اور اعتقادات کے حوالے سے کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے اور اس کے بعد وہ آداب ورعایات کیا ہیں جن کے مریدین مستحق ہیں یعنی ان کے جو حقوق مشائخ کے ذمہ ہیں وہ بیان کئے جائیں گے۔

حصہ اوّل:۔

اوصاف واعتقادات برائے کاملین:۔

1۔ صاحب اجازت ہونا۔

طریق صوفیاء میں مسند رشد و ہدایت پر فائز ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط ''صاحب اجازت'' ہونا ہے۔ گویا وہ ایک شیخ رکھتا ہو۔ اس سے تربیت پائی ہو اور پھر

اس کی طرف سے اسے اجازت مرحمت ہو کہ وہ صاحب ارشاد ہے اور دوسرے لوگوں کی اصلاح اور تربیت کرنے کا اہل ہے اس لئے وہ اس راہ پر چلے۔

عمدۃ السلوک میں ہے۔

''اور (جسے) اپنے شیخ سے باقاعدہ اجازت حاصل ہے اور وہ منصب ارشاد و ہدایت پر فائز ہے تو اس کو اس (منصب) کے مطابق آداب کی رعایت کرنی چاہئے''

اعلیٰ حضرتؒ شیخ کامل کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی بتاتے ہیں:۔ کہ

''شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو اور (خود اس نے) کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو''۔

(دلائل السلوک)

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں ہاں اس فن کا جاننا اور اس میں مہارت ضروری ہے جیسے طبیب کا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں بلکہ ماہر فن ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اگر شیخ میں اعمال صالحہ تقویٰ ہوگا تو ولایت بھی حاصل ہو جائے گی ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی''۔

''روح تصوف'' میں ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ:۔

''اصلاح غیر کے لئے شرط ہے کہ خود کسی شیخ سے اصلاح و تربیت حاصل کی ہو''۔ نیز آپ حضرت عدی بن مسافرؒ (المتوفی 558ھ) کا قول اس ضمن میں بیان فرماتے ہیں فرمایا ''جس شخص نے کسی مصلح کی خدمت میں رہ کر ادب و اصلاح حاصل نہ کی وہ اپنے متبعین کو بھی تباہ کرے گا''۔

(ملفوضات)

2۔ حسن اخلاق میں ایک اہم اصول:۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ۔

''آداب شیوخ میں ایک اہم ادب اور اصول یہ ہے کہ ایک مخلص انسان لوگوں پر اپنی فضیلت اور بالادستی کے لئے کوشش نہ کرے اور محض اپنی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے خوش اخلاقی' لطف و مدارا سے پیش نہ آئے اور (محض) حسن کلام سے لوگوں کو اپنے اتباع پہ مائل نہ کرے (بلکہ یہ سب کچھ خیر کی نیت سے اور محض اللہ کے لئے ہونا چاہئے) جب شیخ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مریدین اور طالبان رشد و ہدایت کو اس کی طرف راغب کر رہا ہے تو وہ حسن ظن اور صدق دل سے ان کی طرف رجوع کرے نہ کہ خلق میں مقبولیت اور شہرت کے لئے''۔

(عوارف المعارف)

حسن اخلاق میں یہ احتیاط بیان کرنے کے بعد آپ آگے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

''یہ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے بلکہ اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو تعظیم و تکریم کا اس کو ملا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے آ کر تواضع اختیار کرے''۔

(عوارف المعارف)

3۔ کاملین اور مزید طلب:۔

صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں۔

''کاملوں کو اپنے حاصل کردہ مدارج پہ قناعت نہیں کر لینی چاہیئے بلکہ اللہ کی نزدیکی اور (مزید) درجات حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہیئے''۔

(عمدۃ السلوک)

حضرت ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں:۔

''کاملوں کے لئے بھی مزید طلب ضروری ہے حصول قرب الٰہی میں قناعت نہیں ہے۔ شیخ کو چاہیئے کہ مجاہدہ نفس میں کمی نہ کرے نہ (اعمال مجاہدہ میں) خلل آنے دے کیونکہ جب تک جان میں جان ہے مجاہدہ کی ضرورت باقی ہے جیسا کہ خود حضورؐ کو حکم ہو رہا ہے۔''

قل رب زدنی علماء	کہہ دیجئے اے رب میرے علم میں اضافہ کر

خود رسول پاکؐ راتوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا جب حضرت عائشہؓ نے اصرار کیا کہ یقیناً اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں تو فرمایا

افلا اکون عبدا شکورا	کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (کہ اس نے میرے ساتھ کرم کا یہ معاملہ فرمایا)

(ارشاد الطالبین)

اس ضمن میں حضرت پانی پتی ایک نقطہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''کامل بھی اپنے چھوٹے بڑے سے فیض حاصل کرے۔ یعنی اپنے سے کامل تر سے فیض حاصل کرے اور (اپنے سے) کمتر میں بھی اگر کوئی فضیلت دیکھے تو وہ بھی حاصل کر لے''۔

مثال کے طور پر آپ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

- ☆ جیسے حضرت موسیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام سے تکوینی علم سیکھا۔
- ☆ یا جیسے حضور اکرمؐ نے امت کو درود ابراہیمی سکھایا۔
- ☆ نیز حدیث پاک ہے کہ:۔

''حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں کہیں مل جائے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ حاصل کر لے''

(ترمذی، ابن ماجہ)

صاحب ''عوارف المعارف'' فرماتے ہیں کہ:۔

''یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی طبیعت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے کہ اصلاح و نگرانی سے بے نیازی ممکن نہیں زیادہ دیر کے لئے ہو یا کچھ دیر کے لئے''۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

''تصوف میں سب سے اہم چیز اصلاح نفس ہے یعنی مرید اور شیخ دونوں میں سے کسی کو بھی اپنے نفس کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیئے مرید کی

طرح شیخ کو بھی چاہئے کہ وہ نفس کا محاسبہ کرتا رہے مگر افسوس آج کل شیوخ اپنے آپ کو اصلاح سے مستغنی خیال کرتے ہیں''۔

(تعلیمات حکیم الامت)

صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں کہ :-

''کوئی ولی نہ تو نبی کے درجے کو پہنچ سکتا ہے نہ اس سے شرعی تکالیف ہٹ سکتی ہیں برخلاف مجذوب کے کہ اس سے عقل لے لی گئی اور کسی سالک سے یہ کیسے ہٹ سکتی ہے۔ جبکہ نبیوں تک سے نہیں ہٹیں۔ اس لئے وہ (شیخ) مراقبہ ومکاشفہ میں مرتے دم تک ہرگز سستی نہ کرے اور اسے ترک نہ کرے اور جو شرعی تکالیف بلا عذر شرعی ہٹا لئے جانے کا دعویٰ کرے وہ سراسر شیطان ہے''۔

4۔ کامل اور مربیانہ خدمت:-

حضرت ثناءاللہؒ پانی پتی مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ :-

''وہ کامل درجہ کے اولیاء جو دوسروں کی ہدایت وتکمیل کی قدرت رکھتے ہیں ان کو چاہئے وہ اپنے آپ کو بلاتکلف وتامل لوگوں کی اس خدمت کے لئے پیش کریں تاکہ لوگ ان سے فیض اٹھا سکیں اس سلسلہ میں (وہ) کسی کی طعن وتکبیر کی پرواہ نہ کریں (کیونکہ) ارشاد پاک رسولؐ ہے''۔

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہے گی جو اللہ کے کام یعنی دین کے ترویج اور لوگوں کی ہدایت (اصلاح) پہ کمربستہ رہے گی اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا چاہے کوئی ان کا ساتھ دے یا مخالفت کرے''۔

حضرت قاضی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ :-

''لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا انبیاء کرام کی سنت ہے اور اولیاء انبیاء کی نیابت میں یہ کام کرتے ہیں اور احمقوں کی فکر (واعتراض) کی وجہ سے اپنے اس بلند منصب وذمہ داری کو ترک نہیں کردیتے''۔

(ارشاد الطالبین)

بالکل اسی طرح کا کلام ''صاحب عمدۃ السلوک'' نے بھی اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور بڑے بڑے مشائخ اس فریضہ دینی کو بجالائے اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی۔ اور لوگوں میں ترویج اسلام اور اصلاح احوال پہ کاربند رہے۔

5۔ جھوٹا مدعی مشیخت شیطان کا خلیفہ:-

جہاں مشائخ کے لئے اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ براء ہونا ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی ذات سے فائدہ پہنچائیں اور ان کا تعلق ذاتی اللہ رب العزت سے قائم کریں۔ وہاں بہت سے جھوٹے مدعیان نے بھی اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت سر اٹھاتے رہے ہیں تو پھر جھوٹی ولایت کا دعویٰ ایسے لوگوں کے لئے کیا مشکل ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے دین اور آخرت میں کوئی جگہ نہیں اور ان کے متعلق سخت تنبیہہ اور وعید، دین کا حصہ ہے۔ اس ضمن میں مشائخ بھی بہت سختی سے رد کا اظہار فرماتے ہیں۔ مثلاً

قاضی ثناءاللہؒ پانی پتی فرماتے ہیں کہ :-

''وہ شخص جو ولایت وارشاد (ہدایت) کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصود عزت' حکومت اور مال حاصل کرنا ہوتا ہے تو وہ دراصل شیطان کا خلیفہ ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب تھا۔ ایسا شخص لوگوں کو شیطان کی طرح اللہ سے دور کرنے والا ہے۔ اللہ اس سے پناہ میں

رکھے۔آمین"

(ارشادالطالبین)

"صاحب عمدۃالسلوک"فرماتے ہیں کہ

"یہ جوبعض لوگ بزرگ صورت مگر شیطان سیرت شرع کے حکموں کے خلاف عمل کرتے ہیں اوران پڑھ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ شرع کی پابندیوں سے آزادکردیئے گئے ہیں تو وہ سراسر شیطان کے چیلے ہیں اورلوگوں کودھوکا دیتے اور ٹھگتے ہیں ان کے فریب سے بچنا اوراپنے اعمال وعقائد کوان کے گندے خیالات سے بچاناہر مسلمان کے لئےضروری ہے"۔

"مقامات تصوف"میں ہے کہ

"جہلا جو فاسق وفاجرلوگوں کو ولی جانتے ہیں اور وہ پیر،ان جاہلوں کی زبان سے اپنی ولایت کا تذکرہ سن کر خاموش رہتے ہیں تو بے شک اللہ فرماتا ہے۔"

ان اللہ لایھدی القوم الفاسقین	بے شک اللہ فاسق قوم کوہدایت نہیں دیتا

حق تعالیٰ ایسے گمراہ پیروں سے مسلمانوں کو بچائے اوران کے ماننے والوں کوصراط مستقیم کی ہدایت دے۔

ارشادباری ہے۔

لا تطع منھم اثما اوکفورا	پیروی مت کرگنہ گاراورکافرکی

نیزایک جگہ مزید لکھتے ہیں کہ:۔

"ناقص کا ہاتھ شیطان کاہاتھ ہے کیونکہ اس میں سراسر مکاری اور تکلیف ہے ایسےلوگوں کی صحبت میں (ہرگز) نہ بیٹھنا چاہئے اگر چہ ان سے عجیب عجیب باتیں ظاہرہوں۔شریعت میں ایسےلوگوں کی ان باتوں کو"استدراج" کہتے ہیں جیسے دلوں کا حال بیان کرنا' غائب چیزوں کا بتادینا' دلوں پراثر ڈالنا' شیر کی شکل کا بن جانا یا ہوا میں اڑنا۔یہ سب صفات تو شیطان' جوگیوں' برہمنوں اور یونانی فلاسفہ میں بھی پائی جاتی ہیں اگران ہی چیزوں کا نام ولایت ہے تو شیطان اور کفار کوبھی ولی کہنا پڑے گا"

(مقامات تصوف)

6۔ کامل کا خاتمہ کی طرف سے بے فکر نہ ہونا:۔

"روح تصوف" جو کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تالیف ہے اورجس کی شرح مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمائی ہے میں ایک جگہ حضرت علی خواصؒ کے اقوال رقم ہیں لکھا ہے کہ:۔

"شیخ علی خواصؒ سے دریافت کیا گیا کہ ولی پراگراس کا حسن خاتمہ منکشف کردیا جائے تو کیا وہ اپنے کشف کی طرف مائل ہوکراپنے خاتمہ سے بےفکر ہوسکتا ہے"۔

فرمایا!

"حق تعالیٰ کی قدرت وقہر کے سامنے بےفکری نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔اوراعلیٰ درجہ کا کشف یہ ہے کہ کسی شخص کولوح محفوظ کے لکھے پراطلاع ہوجائے جوعلم حق تعالیٰ کا خزانہ ہےمگرمرتبہ اطلاق میں اللہ کسی چیز کا مقید نہیں ہے۔وہ چاہے تو لوح محفوظ کے لکھے کو

بدل دے۔ بلکہ اگر عارف خود حق تعالیٰ کو دیکھ لے اور حق تعالیٰ اس سے یہ فرمادیں کہ میں تجھ سے ایسا راضی ہوں کہ اس کے بعد راضی نہ ہوں گا تب بھی عاقل کا یہ کام نہیں ہے کہ اس پہ مائل ہو کر بے فکر ہو جائے''۔

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ :-

''خصوصاً اس وجہ سے کہ کشف حجت نہیں''

(روح تصوف)

عمدۃ السلوک میں ہے کہ :-

''شیخ کو چاہئے کہ اپنے عیبوں کو ہمہ وقت دیکھتا رہے اور خدا تعالیٰ کے انتقام سے ڈرتا رہے اپنی نیکیوں کو بہت کم خیال کرے اور اپنی برائیوں کو بہت زیادہ سمجھے' شہرت اور مخلوق کی قبولیت سے ڈرتا اور کانپتا رہے۔ اپنے وجد اور حال کی کچھ پرواہ نہ کرے اگر وہ صحیح اور مطابق ہی ہوں صرف (ان سے) شریعت و مذہب کے رائج کرنے میں مدد لے'' اور اسی سے ملتا جلتا بیان ''مقامات تصوف'' میں درج ہے۔،،

حضرت سہروردی فرماتے ہیں کہ :-

''یاد رکھنا چاہئے انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ اصلاح و نگرانی سے بے نیازی ممکن نہیں خواہ زیادہ دیر کے لئے ہو یا کچھ دیر کے لئے۔ لیکن کچھ فریب خوردہ طبائع ایسی ہوتی ہیں جو معمولی سے انشراحِ قلب پر قانع ہو جاتی ہیں اور وہ اس کو اپنا تمام سرمایہ سمجھ بیٹھتی ہیں اور اس مغالطہ میں پڑ کر لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں''۔

(عوارف المعارف)

7۔ احیائے سنت:۔

امام طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب ''فیوض یزدانی'' میں فرماتے ہیں کہ :-

''جو شخص جناب رسول اللہ کا اتباع نہ کرے اور ایک ہاتھ میں سنت رسولؐ اور دوسرے ہاتھ سے کتاب اللہ نہ تھامے اور عبادت الٰہی میں اطاعت رسولؐ نہ کرے وہ ہلاک اور گمراہ ہوا۔ صرف کتاب و سنت اللہ کے راستے ہیں''

صاحب ''مقامات تصوف'' فرماتے ہیں کہ

''جو ظاہر و باطن میں متبع سنت ہے در حقیقت وہی متقی اور ولی ہے اور جو با ہوش و تمیز کے اتباع رسولؐ سے غافل ہے وہ ہرگز خدا کا ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ سعدی بھی فرماتے ہیں کہ ''جس نے نبی کریمؐ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا''۔

(مقامات تصوف)

عمدۃ السلوک میں ہے۔

''شیخ کو چاہئے کہ حدود شرعیہ کی حفاظت کرے اور سنت سید المرسلینؐ کی پیروی کرے اور نیکیوں کے حاصل کرنے میں اپنی نیتوں کو درست رکھے''۔

صاحب عوارف المعارف'' فرماتے ہیں کہ :-

''مشائخ کرام کے اخلاق حضور اکرمؐ کے حسن اتباع کی بدولت ہی سنورے اور آراستہ ہوئے ہیں اور یہی حضرات آپؐ کے احکام اور

اللہ کے امر و نواہی کے سلسلہ میں آپؐ کی سنت کو زندہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں''۔

(عوارف المعارف)

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ :-

''(شیخ) متبع سنت ہو کیونکہ سارے کمالات حضور اکرمؐ کی اتباع سے حاصل ہوتے ہیں''۔

نیز آپ فرماتے ہیں۔

''(شیخ) حضور اکرمؐ سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں''۔

(دلائل السلوک)

حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں :-

''شیخ وہ ہے جو اطاعت رسولؐ کا جذبہ پیدا کرے۔ اگر کسی مجلس میں شعبدہ بازی حاصل ہو جائے اور احکام دین ہاتھ سے چلے جائیں تو وہ رہزن ہوگا۔ رہبر نہیں ہوگا۔ رہبر وہی ہوگا جو مومن کو حضورؐ کے دامن شفقت سے وابستہ کر دے اور دل کا تعلق گنبد خضریٰ (والے سے) قائم ہو جائے اور اس نور سے جس کے امین محمدؐ رسول اللہ ہیں''۔ (کنز الطالبین)

8۔ خلوت نشینی :-

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں :-

''شیخ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خلوت نشینی کے لئے ایک ایسا وقت مقرر کرے جبکہ اس کے پاس مخلوق خدا کی آمد و رفت کی گنجائش نہ رہے تاکہ اس کی اس خلوت نشینی کا فیض اس کی بزم نشینی کے وقت جاری ہو سکے۔ خلوت نشینی سے متعلق اس کے ذہن سے یہ بات خارج ہو جانا چاہئے کہ اسے اب خلوت نشینی کی سرے سے ضرورت ہی نہیں رہی''

حضرت جنیدؒ کا قول :-

اس ضمن میں ''حضرت جنید بغدادیؒ'' اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ :-

''اگر مجھے علم ہوتا کہ میری دو رکعت نماز تمہارے پاس بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے پاس نہیں بیٹھتا''

اس ارشاد سے حضرت سہروردیؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ :-

''پس شیخ کو دیکھنا چاہئے کہ جب خلوت نشینی افضل ہو تب خلوت میں بیٹھے اور جب یہ خیال کرے کہ اس وقت مجلس میں بیٹھنا اچھا ہے تو اس وقت اپنے رفقاء میں اٹھے بیٹھے۔ اس طرح خلوت کو جلوت سے اور جلوت کو خلوت سے تائید حاصل ہوتی رہے گی''۔

نیز آپ فرماتے ہیں کہ

''وہ سالک جو طریقت میں مشیخت کے بلند مرتبہ کو پہنچ چکا ہے وہ اپنے وقفہ آرام کے وقت میں مخلوق کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور اس کے فرصت کے وقت سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں جبکہ مریدوں کا وقت فرصت ضائع ہوتا ہے۔ اور شیخ اپنے وقفہ راحت سے لوگوں کو فیض پہنچا کر کسب فضیلت کرتا ہے''۔

(عوارف المعارف)

حضرت شیخ المکرّم ایک بہت خوبصورت نکتہ بیان فرماتے ہیں جس سے مشائخ کی خلوت وجلوت پہ ایک نئے انداز سے روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''انبیاء علیہم السلام جو دین سکھاتے ہیں یا جو فن سکھاتے ہیں اس کا تعلق ہی دل سے ہے اور دل میں اللہ آجاتا ہے یا (یوں کہہ لیں کہ) دل ایک خاص کیفیت کو اپنا لیتا ہے تو دماغ لامحالہ اس کی اطاعت کرتا ہے گویا انبیاء کرام صرف تھیوری (عقیدے) پر بحث نہیں کرتے بلکہ دلی کیفیات بھی عطا فرماتے ہیں جو نبوت کے فرائض میں سے ہے اور یہ چیز صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے (یعنی دلی کیفیات) لیکن شائد اب وہ شیخ بھی نہیں رہے اور وہ مرید بھی نہیں رہے نہ شیخ میں وہ حوصلہ ہوتا ہے اور نہ مرید میں ہی ہمت (کہ وہ صحبت سے فیض پہنچا سکیں اور مرید صحبت سے فائدہ اٹھا سکیں)''

(کنز الطالبین)

حضرت حذیفہ مرعشیؒ کا قول ہے کہ

''کوئی نیک کام اس سے افضل نہیں سمجھتا کہ آدمی اپنے گھر میں رہے اگر میرے سامنے کوئی ایسی تدبیر ہوتی جو مجھے ادائے فرض کیلئے باہر نکلنے سے سبکدوش کر دیتی تو میں اس کو ضرور اختیار کر لیتا۔ کیونکہ سلامتی خلوت میں ہے''۔

9۔ اولیاء کا اظہار ولایت:-

قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ:-

''اولیاء کا اظہار ولایت وتحدیث نعمت کرنا جائز ہے۔ اولیاء کے لئے روا ہے کہ انعام الٰہی جو ان پر ہوا یا جو مرتبہ ولایت یا درجہ قرب خود اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا اس کا اظہار لوگوں پر کریں مثلاً جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی یا مجدد ربانیؒ نے اپنی تصانیف میں کیا''

نیز آپ قرآن سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ:-

فامابنعمت ربک فحدث	اور اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کر

اور نعمت کا اظہار کرنا بھی شکر کی ایک قسم ہے ہاں اگر ان کمالات کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے تو اللہ نے اپنے نفس کی برات وفخر سے منع فرمایا ہے۔

لاتزکوانفسکم	اپنے نفس کو پاک ظاہر نہ کر

اس لئے ان کمالات سے خود کو محض عاریتاً اور اللہ کے حول وقوت کے سبب متصف سمجھ کر شکر الٰہی بجالائے تو یہ اظہار نعمت ہوگا''۔

(ارشاد الطالبین)

صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں:

''شیخ کو اپنا طریقہ ظاہر کرنے اور پھیلانے پر زیادہ مائل ہونا چاہئے''

نیز آپ بھی یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ:-

''اللہ نے ان کو جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کا لوگوں پر اظہار کریں چنانچہ قصائد غوث الثقلین، مکتوبات ربانی اور شیخ اکبر وغیرہ کی تصانیف ان سے بھری پڑی ہیں''۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ:-

''جو اولیاء کامل اپنے اندر لوگوں کی ہدایت وتکمیل کی طاقت رکھتے ہیں ان کو چاہئے اپنی برکتوں اور فیض سے لوگوں کو مطلع کریں تاکہ

لوگ ان سے فائدہ اٹھاسکیں''۔

(عمدۃ السلوک)

10۔ تقویٰ میں کمال:-

صاحب ''عمدۃ السلوک'' ایک مسئلہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ

''(تقویٰ میں کمال مشائخ کیلئے ضروری ہے) اور تقویٰ میں کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ نفس کے تمام رذائل یعنی حسد' کینہ' غرور' ریا اور تہمت وغیبت وغیرہ کو اچھی طرح مٹا نہ دے اور یہ تمام باتیں نفس کو فنا کردینے ہی سے ہیں اور نفس اس وقت تک فنا حاصل نہیں کرتا جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت تمام چیزوں کی محبت پر غالب نہ ہوجائے بلکہ جب تک انسان کے دل میں غیر اللہ کی محبت کی ذرا سی بھی گنجائش ہوگی اس وقت تک تقویٰ اور ایمان میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا''۔

اکمال الشیم میں ہے کہ:-

''بعض اوصاف تو اولیاء کی ذات کو لازم ہیں مثلاً:-

اخلاق مذمومہ یعنی کبر' عجب' حسد وغیرہ سے خالی ہونا اور افتقاد الی اللہ' تواضع' خشوع وخضوع اور دوام ذکر الٰہی سے ہمہ وقت اور ہر آن آراستہ ہونا''۔

قرآن پاک میں ہے کہ:-

ان اکر مکم عند اللّٰہ اتقکم	اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہوگا۔

امام قشیری تقویٰ کی قسمیں بیان فرماتے ہیں کہ

''تقویٰ کئی طرح کا ہوتا ہے عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں' خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں' اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں اور انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے''۔

(رسالہ قشیریہ)

حصہ دوم۔ آداب ورعایات برائے مرشدین:-

یہاں ان آداب اور رعایات کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے جو مشائخ کو اپنے مریدوں سے روا رکھنے چاہئیں۔ گویا یہ تلامذہ اور مریدوں کے وہ حقوق ہیں جو شیخ کے ذمے ہوتے ہیں۔

1۔ مرید کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ

حضرت شہاب الدینؒ سہروردی فرماتے ہیں کہ:-

''جب ایسا وقت آجائے کہ وہ خلق خدا میں مقبول ومحبوب بن جائے اور مخلوق کا اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور وہ شیخ اپنی حالت پر قابو پالے اور اللہ کے ذریعے اسے یہ معلوم ہوجائے کہ اس کو مریدوں کی اصلاح اور تعلیم کے لئے مقرر کردیا گیا ہے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے دین ودنیا کی فلاح وبہبود

کے لئے ہوتی ہے''۔

(عوارف المعارف)

''عمدۃ السلوک''میں ہے کہ:-

''شیخ کو چاہئے کہ اپنے مریدوں پہ وہ مہربان اور شفیق رہے اور ترش رو نہ ہو۔ نہ مریدوں کو بلا وجہ ڈانٹے' ڈپٹے' ہاں جبکہ شریعت اسلامیہ کا تقاضا ہو تو اس وقت ڈانٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مرید کو شفقت اور مہربانی سے نصیحت کرے اور سخت کلامی اختیار نہ کرے''

''روح تصوف''میں مشائخ کی چشم پوشی اور شفقت کے سلسلے میں ایک واقعہ درج ہے کہ:-

''نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوعمرو بن نجید (المتوفی 336ھ) اپنے سلوک کے ابتدائی زمانہ میں حضرت ابوعثمان کی مجلس میں جایا کرتے تھے اور ان کی صحبت کے اثر سے غفلت سے تائب ہو کر ذکر و عبادت میں مشغول ہو گئے پھر اتفاقاً ایک مرتبہ ان کو فترت پیش آئی (یعنی حالت بدلی اور ذکر و اطاعت میں سست ہو گئے) تو بوجہ حیا کے ابوعثمان سے چھپتے پھرتے تھے۔ ایک روز راستہ میں سامنا ہو گیا تو ابوعمرو راستہ کاٹ کر دوسری طرف چل دیئے (شیخ وقت ابوعثمان کی شفقت دیکھیئے) کہ وہ بھی راستہ چھوڑ کر ابوعمرو کے پیچھے ہو لئے انہوں نے پھر دوسرا راستہ اختیار کیا ابوعثمان بھی پیچھے ہو لئے اسی طرح کرتے کرتے آخر ان کو جالیا اور فرمایا ''پیارے بیٹے تم اس شخص کی صحبت ہرگز اختیار مت کرنا جو تم سے صرف اس حالت میں محبت کرے جبکہ تم گناہ سے معصوم ہو۔ خوب سمجھ لو کہ ابوعثمان کی صحبت کا نفع تو اس ہی حالت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ ابوعمرو پر اس شفقت کا یہ اثر ہوا کہ دوبارہ توبہ کی تجدید کی اور سلوک و ذکر و طاعت کی طرف لوٹ آئے''

2۔ ترحم و نرمی:-

قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی فرماتے ہیں کہ:۔

''چاہئے کہ شیخ طریق سلوک کو ظاہر کرنے میں حریص ہو۔ اور وہ مہربان اور شفیق ہو کہ یہ رسول کریمؐ کی صفتیں ہیں''۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم	بلاشبہ رسول تمہاری ہی جنس سے آیا تمہاری رنجیدگی اس پر گراں گزرتی ہے اور تمہاری ہدایت کا بڑا ہی حریص ہے اور وہ مسلمانوں پہ بہت ہی مہربان ہے''

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:۔

اس لئے شیخ کو چاہئے کہ:

''مریدوں کو بجز دینی مفاد کے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے' نرمی و شفقت سے نصیحت کرے اور ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دے۔''

کیونکہ قرآن میں ہے کہ

ولیعفو اولب صفحوا	ان کو چاہئے کہ معاف کر دیں اور لوگوں کی کوتاہیوں سے درگزر کر دیں۔

(ارشاد الطالبین)

شاہ ہدایت علیؒ نقشبندی فرماتے ہیں کہ

''پیر اپنے مریدوں کے ساتھ نہایت محبت اور خلوص سے پیش آئے جیسا کہ حضورؐ کو قرآن میں حکم ہوا ہے اور اپنا کام طالب سے نہ

لے جب تک کہ اس میں محبت خدا غالب نہ آ جائے ۔ کیونکہ جب محبت ہوتی ہے تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔اور بلا محبت ہر آسان کام بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔اگر کوئی طالب اس کی سختی سے گھبرا کر بھاگ گیا تو حشر میں مواخذہ ہوگا۔جیسا کہ مولانا رومی چرواہے اور حضرت موسیٰ کی حکایت میں فرماتے ہیں کہ

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

ترجمہ: ''تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لئے''

(معیار السلوک)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ

''جب تک طالب میں جذب پیدا نہ ہو جائے اس کو مثل شیر کے سمجھے یعنی اس سے خدمت لینے سے دور بھاگتا رہے''

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں

''آداب شیخ میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں میں ان کے حقوق ادا کرے''

(عوارف المعارف)

3۔ بے طمعی۔ شیخ مال مرید سے تعلق نہ رکھے:۔

قاضی پانی پتی فرماتے ہیں کہ:۔

''مریدوں سے مالی منفعت کی توقع نہ رکھے۔اس لئے کہ لوگوں کی دینی عرفان راہنمائی ایک عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ حضور پاکؐ کو ارشاد ہو رہا ہے۔''

قال لا اسلکم علیه اجرا ان اجری الاعلی الله	یعنی اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا میری جزا تو بس اللہ کے ہاتھ میں ہے

عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''شیخ مریدوں سے کسی مالی یا جسمانی فائدے کی خواہش نہ رکھے کیونکہ ہدایت کرنا ایک عبادت ہے اور عبادت پہ اجرت لینا حرام ہے۔ اس خدمت کا معاوضہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ مانگے''

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

''اس بارے میں بہت (احتیاط) تاکید وکوشش کرے کہ مرید کے مال میں کوئی طمع اور اس سے دنیاوی منافع کی کوئی امید نہ پیدا ہونے پائے کیونکہ یہ مرید کی ہدایت میں رکاوٹ اور مرید کی بے رغبتی کا سبب ہوتا ہے۔بلکہ مرید سے قرض بھی نہ لے مگر جس کے متعلق یہ بھروسہ ہو کہ اس کی ضرورت سے فاضل اس کے پاس ہے اور اس کی محبت واخلاص کو بارہا آزما چکا ہو''۔

نیز مریدوں کے ہدیے وغیرہ قبول کرنے میں بھی نہایت احتیاط سے کام لے اور ہر معاملہ جانبین میں اخلاص ومحبت کی بناپر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خالص دین مطلوب ہے۔(اس لئے) دنیا کی محبت کسی صورت بھی دل میں داخل نہ ہو۔

الاللہ الدین الخالص o	خبردار اللہ کے لئے ہی خالص دین ہے۔

حضورؐ نے فرمایا ہے کہ

الدنیا راس کل خطیئه	دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

اس ضمن میں حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ :-

''مشائخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مریدوں کے مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ چونکہ شیخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے اس لئے وہ عوام کی ہدایت خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں پس جو کچھ شیخ مرید کی بہبود اور بھلائی کے لئے کرتا ہے اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہوتی ہے۔''

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ :-

''سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ علم کو لوگوں میں پھیلا دیا جائے''

پس شیخ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے صدقہ کا بدلہ طلب کرے۔ بجز اس صورت کے کہ منجانب اللہ اس کو حکم ہے کہ وہ مرید کا نذرانہ قبول کرلے یا پھر اس میں مرید کے لئے کوئی مصلحت دیکھے تو وہ اس کے مال سے فائدہ اٹھائے۔

حضرت جنیدؒ سے متعلق شیخ جعفر الخلدی فرماتے ہیں کہ :-

''ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کرکے تمام عمر آپ کے ساتھ فقر کی زندگی گزارے۔''

حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا کہ :-

''تم تمام صرف نہ کرو بلکہ اپنے گزارہ کے لئے اس میں سے روک لو باقی صرف کردو اور جو مال اپنے گزارہ کے لئے روکو اس میں اپنا گزارہ کرو۔ اور حلال معاش طلب کرو اور تمام مال جو تمہارے پاس ہے وہ سارا خرچ نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس (پھر) اس کی طلب کرے''۔

پس شیخ کو مرید کی حالت سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اپنا جو مال خرچ کر رہا ہے اس کے بعد وہ اس مال کی آرزو کبھی نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں وہ مرید کو اس کے مال کے خرچ کی اجازت دے سکتا ہے۔ جس طرح رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو راہ خدا میں تمام مال خرچ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اور حضورؐ نے ان کا تمام مال قبول کرلیا تھا۔

(عوارف المعارف)

4۔ صبروتحمل:-

عمدۃ السلوک میں ہے کہ

''اگر مرید سے کسی قسم کی روحانی یا جسمانی تکلیف پہنچے تو صبر و برداشت سے کام لے اور اس پر توجہات باطنی میں کمی نہ کرے اور معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دے اور اس کی ہدایت کی دعا کرتا رہے''۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :-

''پیر کو چاہئے کہ اس طرح صبر وتحمل سے کام لے جس طرح رسول کریم مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر فرماتے تھے۔'' مثلاً

عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کا نماز جنازہ پڑھانا اور جب حضرت عمرؓ نے اس کی ایذا رسانیاں گنوائیں اور اللہ کا ارشاد سنایا کہ منافقین کے لئے ستر مرتبہ بھی دعائے

مغفرت فرمائیں تو بھی اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا تو حضورؐ نے فرمایا میں ستر سے زائد بار استغفار پڑھ لوں گا تا آنکہ اللہ نے آپ کو حکماً منع فرما دیا۔
(ارشاد الطالبین)

اسی طرح مشائخ سے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے کہ :-

''حضرت مرزا مظہر جان جاناں اپنے مرشد سید نور محمد بدایونی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک مرید نے ایک روز ان کی خدمت میں سخت بدکلامی اور گستاخی کی۔ آپ خاموش رہے' دوسرے روز روحانی فیض کے لئے جماعت کے ساتھ آ گیا اور آپ نے اسے سب کے ساتھ بیٹھنے دیا اور اس پر بھی توجہ دی۔ حضرت جان جاناں کو اس بات سے سخت گھٹن محسوس ہوئی۔ عرض کی آپ نے اسے بھی اہل اخلاص کے برابر کیونکہ قرار دیا؟''

حضرت نے فرمایا:۔

''اگر میں اسے لعنت ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو حق تعالیٰ مجھ سے پوچھتا میں نے تیرے سینے میں ایک نور رکھا تھا میرا ایک بندہ اس نور کا طالب بن کر آیا تھا تو نے اسے محروم کیوں رکھا؟ تو کیا اس کا جواب میں یہ دوں گا کہ اس نے مجھے برا بھلا کہا تھا اور کیا یہ جواب قبول ہو جائے گا؟''۔

حضرت جان جاناں فرماتے ہیں کہ میری گھٹن برقرار رہی اور میں اسی گھٹن کے ساتھ کچھ دیر خاموش رہا تو حضرت نے مزید فرمایا۔

''اے بابا! اگرچہ میں نے اسے مخلصوں کے ساتھ توجہ دی لیکن حق تعالیٰ مخلص و منافق کو برابر کب کریں گے''۔

واللّٰہ یعلم المفسد من المصلح	اللہ جانتا ہے کون مفسد ہے اور کون مصلح

کام کا انجام تو بس اللہ کے ہاتھ میں ہے اور فیض تو بس مخلص و باادب کو ہی پہنچتا ہے۔

(ارشاد الطالبین + معیار السلوک)

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں :-

''اگر شیخ مرید کے کسی ایسے کام میں کوتاہی پائے جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا۔ تو اس کو برداشت کرے اور اس کوتاہی پر اس کا قصور معاف کرے اس کے بعد نرمی اور تحمل کے ساتھ اس کو اس خدمت کی انجام دہی کی طرف مائل کرے۔''

حضورؐ نے بھی ایک ایسے ہی موقع پر فرمایا تھا کہ :-

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ :-

''ایک شخص نے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میں اپنے خادم کو (دن میں) کتنی مرتبہ معاف کروں (اس کی غلطی پہ) حضورؐ نے فرمایا (70) ستر بار''۔

(عوارف المعارف)

5۔ باوقار رہے:-

حضرت پانی پتی یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ

''صاحب مسند و ارشاد کو چاہئے کہ وہ باوقار رہے نہ گھر گھر گھومے اور نہ خواہ مخواہ میل جول بڑھائے کیونکہ اگر اس کی عظمت مرید کی نگاہ میں کم ہو گئی تو مریدوں پر فیض کا دروازہ بند ہو جائے گا''۔

رسول اللہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ

''جوآنحضرتؐ کودور سے دیکھتااس پرآپ کی ہیبت طاری ہوتی اور جوقریب سے دیکھتااس کے دل میں آپ کی محبت جم جاتی تھی''۔

(ارشادالطالبین)

صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں کہ

''مریدوں میں باوقار رہے۔ عام اختلاط ومیل جول سے پرہیز کرے تاکہ ان کے دل میں عزت کم نہ ہو اور وہ فیض سے محروم نہ رہ جائیں۔ نیز ایسی حرکت نہ کرے کہ مخلوق کی بے اعتقادی کا سبب ہو جیسے کہ ملامتیہ فرقے نے کیا''

''معیارالسلوک'' میں ہے کہ

''پس شیخ کسی چیز کا سوال کسی سے نہ کرے اگر کوئی خودبخود کوئی شے پیش کرے تو اس کو بھی واپس نہ کرے۔ بشرطیکہ وہ شے اس کی تحقیق میں حرام نہ ہو''۔

نیز فرماتے ہیں کہ

''(شیخ کو) کوئی بات ایسی نہ کرنا چاہئے کہ مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو اور مریدوں کی نظر میں ذلت خواری ہو اور مریدوں میں زیادہ خلاملا نہ ہو اور فضول باتیں اور حکایتیں بیان نہ کرنا چاہئے اس سے رعب داب مشیخیت میں فرق آتا ہے اور جب مریدوں کے دل میں شیخ کی وقعت اور ہیبت اور آداب نہ ہوگا تو فائدہ نہیں ہوسکتا''۔ (معیارالسلوک)

''مقامات تصوف'' میں ہے کہ:۔

''صاحبان ارشاد کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنے قول وفعل میں نہایت احتیاط سے کام لیں۔ اکثر لوگ اس زمانے میں جنگ وجدال کے درپے ہوتے ہیں لہذا کوئی کام ایسا سرزد نہ ہونا چاہئے جو اس کے مقام کے منافی ہو اور جہلاء کو بزرگان دین کے حق میں زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جائے''۔

6۔ اھل طلب کا زیادہ خیال اوراستعداد کے مطابق ترجیح:۔

حضرت پانی پتی اس ضمن میں یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

یہ بھی ہے کہ بعض مریدوں کو بعض پر ترجیح نہ دے بجز اس کے کہ کسی کے اندر اللہ کی طلب زیادہ ہو جیسے حضرت ابن مکتوم کا واقعہ ملتا ہے۔ قریش کے سرداروں پر اللہ نے انھیں فوقیت دی اور ان کے سامنے حضرت ابن مکتوم کو نظرانداز کرنے پہ حضور ﷺ کو جتلایا کہ :۔

عبس وتولی عن جاءہ الا عمی	''جب آپ ﷺ کے پاس نابینا آیا تو آپ نے ترش روئی سے کام لیا اور روگردانی کی''

اس طرح کی آیت یہ جتلانے کے لئے نازل کی گئی کہ جو خدا کا زیادہ طالب ہو اس کی تعلیم وتلقین میں بھی زیادہ کوشش ہونی چاہئے۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:۔

''جب تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو تو اس کا خادم بن جا''

(ارشادالطالبین)

عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''شیخ کو چاہئے کہ اپنے مریدوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے البتہ جو مرتبے میں اور درجے میں زیادہ ہوں یعنی انھوں نے مقامات دوسروں سے زیادہ طے کیے ہوں اور جو اللہ کی طلب دوسروں کی نسبت زیادہ رکھتے ہوں۔''

حضرت سہروردیؒ اس ضمن میں بہت خوبصورت وضاحت بیان فرماتے ہیں کہ شیخ کیونکر ترجیح دیتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

''پس شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرید کے حال کا اچھی طرح سے جائزہ لے اور اپنے نورِ عرفان اور علم و معرفت کی قوت سے اس کی استعداد و صلاحیت معلوم کرے۔ اس لیے کہ اس راہ میں مریدوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔'' بعض مرید محض عبادت گزاری اور جسمانی اعمال کو صالحین کی طرح انجام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اس طرح گو اول وثانی (یعنی پہلے آنے والوں اور بعد میں آنے والوں) آغاز وانجام کی منازل بھی مختلف ہوتی ہیں پس شیخ ان کے احوال باطنی کی نگرانی کرتا ہے۔ اور اس طرح ہر مرید کی استعداد سے کما حقہ واقف ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بڑے تعجب کی کیا بات ہے کہ ایک بادیہ نشین (دیہاتی) اپنی زمین، اس کی قوت نشو ونما اور ہر پودے کی نشو ونما سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک چرخہ چلانے والی عورت بھی اپنی روئی اور کاتے ہوئے دھاگے کی باریکی اور موٹائی سے بخوبی واقف ہوتی ہے تو شیخ اپنے مرید کے احوال سے کس طرح بے خبر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ حضورؐ کے اسوہ حسنہ میں موجود ہے کہ آپ ہر ایک سے اسکی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔''

☆ آپ بعض اصحاب کو مال خرچ کرنے کا حکم دیتے اور بعض کو اسراف سے منع فرماتے۔

☆ بعض کو کسب حلال کی ہدایت فرماتے اور بعض کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے پر منع نہیں فرماتے تھے۔ (جیسے اصحاب صفہ کا حال تھا)

☆ اس لئے کہ حضورؐ لوگوں کے مخصوص حالات اور ان کی اوضاع سے پوری طرح واقف تھے اور ہر ایک کی استعداد سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن جہاں تک دعوت حق کا تعلق ہے وہ سب کے لئے عام تھی۔ اور آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ حجت کو واضح فرمائیں اور دعوت عام دیں۔ آپ کی یہ دعوت صرف ان لوگوں کے لئے نہ تھی جن میں آپ قبول ہدایت کا مشاہدہ فرماتے تھے۔''

(عوارف المعارف)

حضرت اشرف علی تھانویؒ، شیخ احمد ابوالعباسؒ مرعشی (المتوفی ۶۸۶ھ) کے حالات میں رقم فرماتے ہیں کہ:۔

''آپ کی یہ عادت تھی کہ آنے والے لوگوں کی تعظیم اسی قدر کرتے تھے جس قدر اس کا درجہ اللہ کے نزدیک سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ'' مشائخ کے لئے تو مناسب یہ ہے کہ مریدین کے حالات کی خبر رکھیں اور مریدین کے لئے بھی جائز ہے کہ شیخ سے اپنے تمام احوال باطنی کا ذکر کریں۔ کیونکہ شیخ مثل طبیب ہے اور مرید کی حالت مثل ستر کی ہے اور کبھی کسی کے سامنے بضرورت علاج ستر کھولنا بھی پڑتا ہے اور در حقیقت جو مرید اپنے کسی حال کو اپنے شیخ سے پوشیدہ رکھے تو وہ اس سے اجنبی ہے اور اس سے متحد نہیں ہوا۔''

(روح تصوف)

ایک ضمنی بات:۔

استعداد کے سلسلے میں صاحب ''مقامات تصوف'' تو یہاں تک قائل ہیں کہ آپ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ:۔

''شیخ کے لئے ضروری ہے کہ جب کوئی شخص طریق طریقت میں داخل ہونے کے لئے آئے تو پہلے اس کے حق میں استخارہ کرے یا اپنے دل میں (اس شخص کیلئے) قبولیت پائے تو اس کو داخل طریقت کرے۔ پھر اس کو مجمل طور پر توبہ کا طریقہ بتلائے اور تفصیل کو بعد کے لئے چھوڑ دے کیونکہ اس زمانے میں ہمتیں بہت پست ہوگئی ہیں۔ اس کے بعد اس کی استعداد کے مطابق مناسب طریقہ تعلیم فرمائے اور اس کی قابلیت دیکھ کر ذکر کی تلقین کرے اور اس کی طرف توجہ اور اس کے حال پر نظر التفات رکھے۔''

نوٹ :۔ ابتداءً سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں بھی یہی طریق رائج تھا اور اعلیٰ حضرت بہت احتیاط کے ساتھ قابلیت و استعداد جان پرکھ کر افراد کو داخل سلسلہ فرماتے تھے۔ اس لئے گنتی کے چند لوگ ان کے مریدین تھے۔ لیکن پھر بحکم رسالت دعوتِ عام کا آغاز فرمایا اور بیعت عام کر دی۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''میرے شیخ کی یہ کرامت ہے کہ چودہ سو سال بعد پہلی دفعہ بیعت طریقت کی عام دعوت دی جارہی ہے۔ کہ ہر آنے والے جوان، بوڑھے اور مرد و زن کو بلا تخصیص داخل سلسلہ کیا جاتا ہے اور وظائف سکھائے جاتے ہیں اور توجہ دی جاتی ہے اور یہ اس زمانے کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔''

7۔ شیخ بدگمانی کا موقع نہ دے :۔

قاضی ثناء اللہؒ یہ بطور مسئلہ کے بیان فرماتے ہیں کہ:۔

صاحب ارشاد کو یہ چاہئے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے مخلوق خدا اس سے بدگمان ہو جائے جیسا کہ ملامتیہ فرقہ نے کر رکھا ہے اس سے ہدایت و ارشاد کے کاروبار میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور اسی لئے صوفیاء کا مقولہ ہے:۔

ریاء الکاملین خیر من اخلاص المریدین	عارفین کی ریاء بھی مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔

اور مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:۔

''کیوں کہ عارفین کی ریاء بھی طالبین کے دلوں کو بارگاہ الٰہی کی طرف کھینچنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس لئے ایسی ریاء یقیناً مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوگی نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لئے موجب تقلید ہوتے ہیں۔ عارفین ریاء اس لئے کرتے ہیں کہ مریدین ان کی اقتداء کریں ورنہ وہ تو محروم رہ جائیں گے۔''

نیز آپؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''صاحبان ارشاد اور پیران طریقت کے لئے ضروری ہے کہ ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو کیونکہ اس میں وبال عظیم ہے۔ خلقت کی نفرت فرقہ ملامتیہ کیلئے تو مناسب حال (ہوسکتی) ہے (لیکن) جس کو مشیخت اور دعوت خلق سے تعلق ہو اس کے لئے مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان دو متضاد مقامات کو باہم مخلوط کر دیں اور مشیخت میں ملامت کی آرزو کریں۔ یہ نہایت درجہ کا ظلم ہوگا اپنے مریدوں کی نظر میں باسلیقہ اور ہوش مند رہیں اور حد سے زیادہ ان سے میل جول نہ رکھیں یہ امر خفت اور سبکی کا باعث ہے اور افادہ و استفادہ کے قطعاً منافی ہے۔ (مشائخ) حدود شرعیہ کی حفاظت میں نہایت درجہ اہتمام کریں اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں بلکہ عزیمت کو اختیار کریں''۔

(مقاماتِ تصوف)

معیار السلوک میں ہے کہ:۔

''(شیخ کو) ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہئے کہ مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو اور مریدوں کی نظر میں ذلت وخواری''

عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''پیر کو چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے مخلوق کو بے اعتقادی ہو۔ جیسا کہ ملامتیہ فرقہ میں خلاف شرح باتوں پر عمل کر کے اس کو اپنے لئے ملامت کا ذریعہ بنا کر اپنے نفس کی سزا تجویز کرتے ہیں اور اس سے اصلاح نفس خیال کرتے ہیں۔ حلانکہ یہ غلط ہے البتہ ترک عزیمت واختیار رخصت کر کے نفس کو ملامت بنا کر اصلاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں یا اس کے لئے ایسا فعل اختیار کیا جائے جو خلاف شرع نہ ہو لیکن لوگ اس کو حقیر جانتے ہوں ورنہ بعض جاہل خلاف شرع کو اپنا شعار بنالیں گے''

8۔ قول و فعل میں تضاد نہ ھو :۔

شیخ کے لئے ضروری ہے کہ جو نصیحت دوسروں کو کرتا ہو پہلے اس پہ خود کار بند ہو۔ تب ہی اس کی بات میں وزن اور تاثیر پیدا ہوگی۔

جیسا کہ قرآن میں ہے کہ:۔

یا ا یھا الذین ا منو لم تقولون مالا تفعلون o	اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے

نیز سیرت سے متعلق بھی ایک واقعہ ملتا ہے کہ:۔

''ایک خاتون نے اپنے بچے کو پیش کیا اور عرض کی کہ اسے نصیحت فرمائیں یہ میٹھا بہت کھاتا ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا دوبارہ آنا۔ اور دوسرے دن اس بچے کو نصیحت فرمائی۔ صحابہؓ نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کل میں خود میٹھا کھا کر آیا تھا۔ ایک ایسے فعل سے میں کس طرح منع کرتا جو میں خود کر رہا تھا۔''

مقاماتِ تصوف میں ہے:۔

''صاحبان ارشاد کو چاہئے کہ اپنے قول وفعل میں نہایت احتیاط سے کام لیں۔''

نیز فرماتے ہیں کہ:۔

''ان کے باطن میں اخلاص اور ظاہر میں تسلیم ہو۔''

9۔ اتباع شریعت :۔

اتباع شریعت ہر کس وناکس کے لئے لازمی ہے اس سے نہ تو کوئی سالک مبرّا ہے نہ پیر و عارف۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''جو شخص جناب رسولؐ کا اتباع نہ کرے اور ایک ہاتھ میں سنت رسولؐ اور دوسرے ہاتھ میں کتاب اللہ نہ تھامے اور عبادت الٰہی میں سنت رسولؐ پر عمل نہ کرے یا اطاعت رسول نہ کرے وہ ہلاک اور گمراہ ہوا۔ صرف کتاب وسنت اللہ کے راستے ہیں۔''

(فیوض یزدانی)

قرآن میں ہے کہ:۔

لا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا وا تبع ھواہ o	اس شخص کا اتباع نہ کر جس کا دل ذکر الٰہی سے غافل ہو اور وہ خواہشات نفس کا تابع ہو۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت کا پورا متبع ہو، بدعت وشرک سے محفوظ ہو، کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اور اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے۔''

(تعلیمات حکیم الامت)

''اکمال الیشم''میں ہے کہ:۔

''کامل وصاحب باطن کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ متبع شریعت ہو۔ پس اس کا اتباع کرنا چاہئے اور اس کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہئے''

جو جعلی پیر خود کو اتباع شریعت سے آزاد بتاتے ہیں صاحب''مقامات تصوف''ان کی خوب خبر لیتے ہیں کہ:۔

''حق تعالیٰ ایسے گمراہ پیروں سے بچائے اور ان کے ماننے والوں کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائے۔ ان جاہلوں سے کوئی پوچھے کیا عبادات وتکالیف شرعیہ کے ترک کی مجال ہے کسی کو؟ انبیاء علیہم السلام کیا، صحابہ کیا، آئمہ شریعت کیا، آئمہ طریقت کیا یہاں تک کہ خود نبی کریم ﷺ کسی بھی عبادت سے مستثنیٰ رہے ہیں جو یہ جاہل اس طرح بکتے پھرتے ہیں؟''

آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر موسیٰ علیہ السلام بھی میرے زمانے میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔''

پھر ان جاہل پیروں کو عبادت (واتباع شریعت) سے چھٹکارا کیسے ہوسکتا ہے؟

(مقامات تصوف)

ایک جگہ آداب شیخ میں فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ کے لئے ضروری ہے کہ مرید کو کتاب وسنت کی تابعداری اور سلف صالحین کی پیروی کی ترغیب دے اور تاکید کرے ان کی تابعداری کے بغیر مطلوب تک پہنچنا ناممکن ہے۔''

کشف سے متعلق فرمایا:۔

''نیز اسے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دے کہ جو کشف اور واقعات کتاب وسنت کے ذرا بھی مخالف ہوں ان کا مطلق اعتبار نہ کرے۔''

عقائد وعمل سے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

نیز یہ کہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق درست کرے اور فقہ کے ضروری مسائل اور احکام سیکھے اور ان کے مطابق عمل کرے کیونکہ طریقت میں اعتقاد وعمل کے دو بازوؤں کے بغیر اڑنا نہایت مشکل اور محال ودشوار ہے'' (مقامات تصوف)

گویا عقائد، عمل، عبادت، سلوک اور کشف والہام میں ہر جگہ اتباع سنت وشریعت لازمی امر ہے۔ اس ضمن میں مزید تفصیل پہلے اتباع سنت اور کشف کے موضوعات کے تحت بیان ہو چکی ہے۔

10۔ احوال مرید سے پورا پورا واقف ہو:۔

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''لہٰذا شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نور عرفان اور علم معرفت کی قوت سے اس کی استعداد وصلاحیت کو معلوم کرے۔''

نیز آپ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

''سب سے اہم ادب شیخ کے ذمہ یہ ہے کہ شیخ مریدوں کے اسرار اور مکاشفات کا جن سے وہ آگاہ ہو حفاظت کرے۔ اس لئے کہ مرید کا رازداں یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اس کا شیخ! پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے۔''

نیز مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے سرفراز ہو یا کسی خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے (تو وہ شیخ سے ان کو بیان کرے) تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کے سامنے ان کی اہمیت کو گھٹائے اور بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے میں حائل ہوتے ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل ہوگا۔ جس سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کو سمجھا جائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور وہ مرید کو بتائے کہ اس کا اصلی مقصد تو یہ ہے کہ منعم حقیقی کی تلاش کرے نہ کہ اس کی نعمتوں پر قانع ہو جائے۔

(عوارف المعارف)

''مقامات تصوف'' میں ہے کہ:۔

''شیخ کو چاہئے کہ مرید کی استعداد کے مناسب طریقہ تعلیم کرے اور اس کی قابلیت کو دیکھ کر ذکر تلقین فرمائے اس کی طرف توجہ اور اسکے حال پر نظر التفات رکھے۔''

شیخ احمد ابوالعباسؒ کا قول ہے کہ:۔

''مشائخ کے لئے مناسب یہ ہے کہ مریدین کے حالات کی خبر رکھیں اور مریدین کے لئے بھی یہ جائز ہے کہ شیخ سے اپنے تمام باطنی احوال کا ذکر کریں''۔

(روح تصوف)

''ماں ہیشم'' میں ہے کہ:۔

''سالک کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے واردات اور احوال قلبیہ بجز اپنے شیخ کے کسی سے بیان کرے اس لئے کہ بیان کرنے سے نفس خوش ہوتا ہے۔ یہ دل میں اس کی تاثیر کم کر دے گا اور اپنے پروردگار کے ساتھ سچائی سے روک دے گا۔''

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ جانتا ہو کہ درجہ کمال میں مرید کس حد تک پہنچ سکے گا پھر اس مقام پہ ٹھہر جائے گا یا نزول ہوگا۔ اور اگر یہ دیکھ لے کہ ایک نہ ایک دن کیف طریقت سے واپس لوٹے گا تو اسے اس راہ پہ نہ چلائے اور اگر ٹھہرنے والا ہو تو اسے اس کی منتہیٰ پہ پہنچ جانے کے بعد ایسے مرید کی نگہداشت کرے اور اس پہ نگاہ رکھے'' ۔

(کشف المحجوب)

یعنی مرشد کامل عوام کو بصارت حق ضرور دے لیکن ہر ایک کو یہ غذا اس کے اندرونی درجہ ایمان کے مطابق تجویز کرے اور ایک معالج کی طرح مریض کو اس کے مرض اور ہاضمے کے مطابق دوا دے۔

جیسا کہ "معیار السلوک" میں ہے کہ:۔

"مریدوں کی قوت جسمانی، تعلقات دنیوی اور حالت بلغمی وخشکی اور تقاضائے عمر وغیرہ کو لحاظ کر کے اس قدر ذکر اذکار یا وظائف تعلیم کرے جس کو وہ با آسانی روزمرہ ادا کر لیا کریں۔"

11۔ پردہ داری وعیب پوشی :۔

پردہ داری کے ضمن میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"صورت ایسی ہونی چاہئے کہ مرید کا راز یا تو خود اس کو معلوم ہو یا اس کے شیخ کو (یعنی مرید شیخ کے علاوہ اپنا راز اور کسی سے نہ کہے) اور شیخ اس کے راز کو افشاء نہ کرے۔ کیونکہ افشائے راز تنگی دل کا مظہر اور یہ ضیق الصدر (تنگی دل) یا تو کم عقل مردوں میں پائی جاتی ہے یا عورتوں کا خاصہ ہے۔ چونکہ شیخ عقل سے بہرہ ور ہیں اس لئے وہ افشائے راز کی رکاکت سے بالاتر ہیں اسی طرح مرید کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے راز کو اپنے پاس محفوظ رکھے (ہر ایک سے نہ کہے) اس کو طشت از بام نہ کرے۔ اسی صورت میں اس حال کی صحت وسلامتی ہے اور اسی کی بدولت مریدین صادق کے احوال ومقامات میں تائید ایزدی شامل ہوتی ہے۔" (عوارف المعارف)

نیز عیب پوشی کے ضمن میں حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنے کسی مرید میں کوئی بری بات دیکھے، یا اس کی حالت کو کج پائے یا وہ محسوس کرے کہ اس میں خودنمائی یا خودستائی پیدا ہوگئی ہے تو اس کو کھل کر منع نہ کرے بلکہ اپنے رفقاء سے گفتگو کے وقت اس برائی کی جانب اشارہ کر دے اور اجمالاً اس کی بھی برائی بیان کر دے اس طرح دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا بلکہ اس بات کا اثر بھی زیادہ ہوگا۔ اور یہ بات رفق ومدار سے زیادہ قریب ہے اور بعض لوگوں کی اس سے تالیف قلب ہوگی"

(عوارف المعارف)

پردہ پوشی کی حکمت :۔

"اکمال الشیم" میں ہے کہ اللہ بھی بندہ کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ:۔

"حق تعالیٰ جو اپنے بندوں کے گناہوں اور نافرمانیوں سے پردہ پوشی فرماتے ہیں تو اس کی دو قسمیں (اور وجوہات) ہیں۔ ایک تو گناہ کے صدر سے پردہ پوشی یعنی گناہ سے بچا لینا اور دوسرے گناہ صادر ہو جانے کے بعد مخلوق سے اس کی پردہ پوشی ہوتی ہے تاکہ خلق کی نظر میں انکا مرتبہ گر نہ جائے۔ اور یہ حکمت تو عوام کیلئے ہے اور خواص کی پردہ پوشی اس لئے کہ وہ اپنے حقیقی بادشاہ جل وعلا کی نظر لطف وکرم سے نہ گر جائیں"۔

گویا شیخ بھی انہی وجوہ کی بنا پر اپنے مریدین کے رازوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔

دوسروں کو ان کے عیوب پہ آگاہ کرنا :۔

حضرت سہروردیؒ ایک نقطہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"فقراء کے آداب میں بھی ہے کہ اپنے ہم مشرب بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کی جائے اور ان باتوں میں ان کو نصیحت کی جائے جن میں نصیحت کی ضرورت ہے اور اس کے عیب کی دوسروں سے پردہ پوشی کی جائے لیکن اپنے رفیق کو اس کے عیوب پہ مطلع کیا جائے"

(عوارف المعارف)

حضرت عمرؓ کا قول :۔

آپ فرماتے ہیں کہ:۔

''اللہ اس شخص پر اپنا رحم فرمائے (یعنی اسے لطف و کرم سے نوازے) جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے'' کیونکہ اس بات میں اس شخص کے لئے بڑی بھلائی ہے جس کو اس کے عیوب سے مطلع کیا جائے اور یہ مطلع کرنے والے کے لئے بھی نیکی کا باعث ہے جب وہ خلوص دل کے ساتھ ایسا کرے۔''

شیخ جعفر بن برقانؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ میمون بن مہران نے فرمایا:۔

''میرے سامنے صرف وہ باتیں کہو جن کو میں ناپسند کرتا ہوں اس لئے کہ انسان اس وقت تک اپنے بھائی کا خیر خواہ اور ناصح نہیں بن سکتا جب تک دوسرے کے روبرو وہ باتیں نہ کہے جو اس کو ناپسند ہوں''۔

(عوارف المعارف)

ایک احتیاط :۔

حضرت مسعر بن کدامؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ لوگ آپ کو آپ کے عیوب سے آگاہ کریں۔فرمایا،

''ہاں اگر خیر خواہی سے مطلع کریں تو مجھے پسند ہے اور اگر میری تحقیر تنقیص کی غرض سے کریں تو پسند نہیں''

12۔ مرید کے صدق وعزیمت میں کمی کا علاج :۔

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ طریقت کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔کیوں کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ:۔

''جب تم کسی درویش کو دیکھو تو اس کے ساتھ رفق ومدارا سے پیش آؤ اور علم کے ذریعے اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔(اپنے علم کا اظہار نہ کرو) اس لئے کہ رفق ومدارا (مہربانی) اس کو تم سے مانوس بنادے گا اور علم کے اظہار سے اس کو وحشت ہوگی''۔

پس اگر شیخ نرمی کے ساتھ پیش آئے گا تو مرید رفتہ رفتہ (مانوس ہوکر) اس کے علم کی برکات سے بھی نفع اندوز ہوگا۔اس وقت اس سے علمی گفتگو کی جاسکتی ہے۔

آپ اس ضمن میں خاص طور پہ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

شیخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ مرید کے صدق عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبط نفس کم پائے اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کو رخصت کی حد پر قائم رکھے اسی میں خیر کثیر ہے۔

''نیز جب تک مرید رخصت کی سہولت (یعنی سہولت شرعی) کی حدود کو عبور نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ آزاد رہتا ہے۔اس کے بعد جب وہ ثابت قدم ہوجائے اور درویشوں میں گھل مل جائے اور رخصت کے کاموں کا عادی ہوجائے تب شیخ اس کو بتدریج ہمت وعزیمت کے مقام کی طرف مہربانی اور نرمی کے ساتھ لے جائے (اس طرح وہ منزل پا جائے گا)۔''

اس ضمن میں آپ ایک واقعہ بھی درج فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ ابوسعید بن الاعرابیؒ فرماتے ہیں ایک نوجوان جس کا نام ابراھیم الصائغ تھا اور ایک متمول باپ کا بیٹا تھا۔وہ صوفیہ کرام سے متاثر ہوکر شیخ ابواحمد القلانسیؒ کی خدمت میں رہنے لگا۔

شیخ کے پاس جب رقم آ جاتی تو آپ اس کے لئے نرم نرم روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور حلوہ خرید کر منگواتے اور اس کو کھلاتے لیکن خود نہ کھاتے تھے اور فرماتے تھے

''اس نے دنیا ابھی ابھی چھوڑی ہے چونکہ اس نے ناز ونعم میں پرورش پائی ہے اس لئے اس کے ساتھ نرمی ضروری ہے اور لازم ہے کہ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیں''

(عوارف المعارف)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس ضمن میں ایک حدیث پاک بیان فرماتے ہیں کہ:۔

با الداخل وحشة فتلقوه بمرحبا	یعنی نئے آنے والے کو (اجنبیت کے سبب) ایک وحشت ہوتی ہے اس لئے اس کی آؤ بھگت کیا کرو۔''

یعنی اجنبیت کے باعث اس کے ذہن میں بعض ضروری باتیں نہیں آتیں اور وہ ہر قول وفعل میں چکرا جاتا ہے اس لئے اس کی آؤ بھگت کیا کرو تا کہ اسکی طبیعت مانوس ہو جائے اور کھل جائے اور اس کے حواس بحال ہو جائیں اور وہ ہر قول وفعل کا موقع سمجھ سکے پھر نہ خود پریشان ہوگا نہ دوسروں کو کرے گا

(تعلیمات حکیم الامت)

رخصتوں سے استفادہ کی اہمیت :-

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت پر ہی عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں۔ شرعی رخصت اور نعمت الٰہی سے بلا وجہ اور ضرورت کے باوجود کام نہ لینا، یہ ایسا فعل ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔''

حدیث پاک ہے کہ:۔

ان اللہ یحب ان یؤ تی رخصه کما یحب ان یؤ تی عزائمه	یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر بھی اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے''

اسی بات کو حضرت شیخ المکرّم بھی ترجیح دیتے ہیں۔

13۔ شہرت کا طالب نہ ہو :-

حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''آداب شیوخ میں اہم ادب یہ ہے کہ مخلص انسان لوگوں پر اپنی فضیلت اور بالا دستی کی کوشش نہ کرے اور محض لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے (شہرت) کے لئے خوش اخلاقی ولطف مدارا سے پیش نہ آئے اور حسن کلام سے لوگوں کو اپنے اتباع پہ مائل نہ کرے'' (یعنی یہ سب کچھ شہرت واقتدار کے لئے نہ کرے بلکہ محض نیت خیر سے اور اللہ کے لئے ایسا کرے)''

(عوارف المعارف)

مقامات تصوف میں ہے کہ:۔

مشائخ خلقت کے اندر شہرت ومقبولیت سے ڈرتے رہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

''آدمی کے لئے اتنا شر کافی ہے کہ دین ودنیا میں انگشت نمائی کے قابل ہو جائے۔''

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''شہرت سے دین و دنیا دونوں کا ضرر رہتا ہے مگر یہ وہ شہرت ہے جو اختیار و طلب سے حاصل ہو اور جو شہرت غیر اختیاری طور پر حاصل ہو وہ نعمت ہے''۔

(تعلیمات حکیم الامت)

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''وہ شخص آخرت کی حلاوت نہیں پا سکتا جو اس کا خواہش مند ہو کہ لوگ اسے پہچانیں''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''بہت بے تکلفی لوگوں کے ساتھ اس کا سبب ہے کہ برے دوست جمع ہو جائیں اور ان سے بالکل انقباض و انقطاع ان کی عداوت کا سبب ہے اسلئے انسان کو چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان کی حالت اختیار کرے''

حضرت بشر حافیؒ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ:۔

''اس زمانہ میں فقیر کے لئے بڑی غنیمت ہے کہ لوگ اس سے ناواقف ہوں اور ان پر اس کا مرتبہ و بزرگی مخفی رہے کیونکہ اکثر لوگوں کی ملاقات موجبِ خسارہ ہے''

فائدہ : مولف اسکی وجوہات یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

''کیونکہ اکثر لوگوں پہ دین کا رنگ غالب نہیں۔ اور ایسے لوگ غیبت و گناہ میں مشغول رہتے ہیں یا کم از کم لا یعنی بے کار باتوں میں ضرور وقت ضائع ہوتا ہے۔''

(روح تصوف)

14۔ صوفیہ کی بزرگ ترین خصلتیں :۔

''آداب المریدین'' میں شیخ ضیاء الدین سہروردی (۴۹۰ھ تا ۵۶۳ھ) نے بہت خوبصورتی سے اور جامع انداز میں احادیث اور اقوال صوفیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سے آداب بیان فرمائے ہیں۔

ایک جگہ ''صوفیاء کی بزرگ ترین خصلتیں'' کے عنوان کے تحت فرمائے ہیں کہ:۔

''صوفیاء کی بزرگ ترین خصلتیں ان کے آداب ہیں۔''

الحدیث :۔

حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:۔

''آپؐ کے تمام اخلاق قرآن پر مبنی ہیں۔'' (کان خلقہ قرآن)

القران :۔

قرآن میں ہے کہ :۔

خذالعفو وا مر بالمعروف و اعرض عن الجا ھلین	ایسے اخلاق اختیار کرو کو آسان اور سہل ہوں اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض برتو۔

الحدیث :-

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

''کیا تم کو خبر ہے کہ کون تم میں میرا زیادہ دوست اور قیامت کے روز میری مجلس میں نزدیک ہوگا'' ۔لوگوں نے عرض کیا'' ارشاد ہو'' فرمایا :'' تم میں جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے، جو دوسروں کے لئے بہتر ہوں گے، جو ملنسار ہوں گے اور میل جول کرانے والے ہوں گے ۔''

الحدیث :۔فرمایا:۔

''بدخلقی بدبختی ہے اور تم میں بد وہ ہے جس کے اخلاق بد ہوں ۔''

درج بالا احادیث کی رو سے صوفیاء نے اپنے لئے جو آداب وضع کئے وہ کچھ یوں ہیں :۔

حضرت ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''تصوف تمام تر اخلاق ہی کا نام ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے اس کا تصوف زیادہ ہوگا''

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''صوفیوں کے اخلاق میں، حلم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، مردانگی، کرم، بزدل جاہ، مروت، تلطف، طلاقت (کشادہ روئی) سکون، وقار (جیسی صفات) مسلمانوں کیلئے اور جوان پر زیادتی کرے اس کے لئے دعا کرنا ان کی تعریف کرنا اور حسن ظن رکھنا، اپنے نفس کو چھوٹا سمجھنا، بھائیوں کی توقیر کرنا اور مشائخ کی تعظیم، چھوٹوں بڑوں پر ترحم، جو کچھ کسی کو دے دے اگرچہ بہت ہو لیکن اسے کم سمجھے جو کچھ کسی سے لے اگرچہ بہت کم ہو لیکن اس کو زیادہ جانے، یہ سب باتیں داخل ہیں ۔''

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ سے حسن اخلاق سے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:۔

''ادنیٰ ترین اخلاق تحمل اور ترک مکافات (بدلہ لینا) اور ظالم پر رحم اور اس کے لئے دعا کرنا ہے''

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے بعض اصحاب سے کہا آؤ فلاں شخص کے پاس چلیں جس نے اپنے کو زہد میں بہت مشہور کر رکھا ہے۔ چنانچہ آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد کو جا رہے ہیں اور جاتے ہوئے انھوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ناک صاف کی ۔

حضرت بایزیدؒ نے اپنے مرید سے کہا:۔

''اس شخص نے آداب شریعت ملحوظ نہیں رکھا تو مقامات اولیاء جن کا اس کو دعویٰ ہے کیونکر مامون سمجھا جائے گا''

یہ کہہ کر واپس ہو گئے اور ان کو سلام تک نہیں کیا۔

صاحب کتاب یہ بھی رقم فرماتے ہیں کہ:۔

''یہ اخلاق صوفیاء کے لئے ہیں نہ کہ نام نہاد صوفیوں کے ہیں کہ وہ طمع کو'' اعادہ'' اور سوءادب کو'' اخلاص'' کہتے ہیں اور حق سے خروج کو 'شطح' (حالت سکر میں سرزد ہونے والی حرکات) کہتے ہیں اور مذموم چیزوں سے تلذذ یعنی لذت اٹھانے کو 'تطیب' (اچھی چیز سے فائدہ) کہتے ہیں ۔خواہشات نفس کی پیروی کو ابتلاء (آزمائش) اور دنیا کی طرف رجوع کو 'وصول'' اور بدخلقی کو 'صولت'' اور بخل کو شکاوہ (احتیاط) اور بدزبانی کو'' ملامت'' کہتے ہیں حالانکہ یہ صوفیہ کا طریقہ نہیں ہے''۔

(آداب المریدین)

گویا مندرجہ بالا مندرجات سے حاصل یہ ہوا کہ صوفیاء کے حقیقی آداب و اخلاق کیا ہوتے ہیں جو انھیں اپنانے چاہئیں بلکہ یہ ان کی بزرگ ترین خصلتیں ہوتی ہیں۔ ان کی صفات اور عادات ثانیہ ہوتی ہیں۔

15۔ صوفیہ کے آداب گفتگو اور طریقہ مخاطبت :۔

''آداب المریدین'' میں ہے کہ:۔

''صوفی کے کلام کا مقصد نصیحت وارشاد اور طلب نجات ہونا چاہئے اور ایسی بات کہنی چاہیے جس کا نفع سب کو ہو۔ نیز لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کہنی چاہئے۔''

الحدیث :۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

''ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔''

صوفیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے پر اس وقت تک گفتگو نہیں کرتے جب تک ان سے پوچھا نہ جائے۔ اور جب پوچھا جائے تو سوال کرنے والے کی حیثیت کے مطابق جواب دیتے ہیں۔ مثلاً جیسے:۔

☆ حضرت جنیدؒ سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا جب ایک سائل آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو آپ اس کو ایک جواب دیتے ہیں ۔لیکن دوسرا شخص پوچھتا ہے تو اسی مسئلہ کے متعلق آپ اس کو دوسرا ہی جواب دیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا:۔

''جواب سائل کی حیثیت (قابلیت) کے مطابق ہوتا ہے۔''

☆ صوفیاء میں آداب نصیحت میں ایک نقطہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ:۔

''تعلیم ان کو دینی چاہئے جو اس کے اہل ہوں۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل اور غیر اہل سب تک علم پہنچا دینا چاہئے کیونکہ علم خود نا اہل کے پاس پہنچنے سے رک جاتا ہے (یعنی اسے سمجھ ہی نہیں آتا) ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سامنے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ مثلاً جیسے'' حضرت ابن مبارک (المتوفی ۔۱۸۱ھ) سے حضرت سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) کی موجودگی میں ایک مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا'' ہم استادوں کی موجودگی میں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔''

☆ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ

''یہ علم یعنی علم تصوف اسی کو سزاوار ہے جو اپنے وجدان کی تعبیر کر سکے اور اپنے تجربے کی بنا پر گفتگو کر سکے۔''

☆ ایک اہم گفتگو آداب گفتگو سے متعلق یہ بھی ہے کہ:۔ کہا گیا ہے کہ'' جس کو اپنے سکوت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا وہ اپنے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔''

☆ آداب علم میں یہ بھی ہے کہ:۔

''علم میں اس کے وقت سے پہلے گفتگو نہ کی جائے۔ کیونکہ اس سے بہت سی آفتیں پہنچ جاتی ہیں جو اس سے علم کے فوائد کو منقطع کر دیتی ہیں''

☆ ایک ادب یہ بھی ہے کہ

''جب کلام دل سے نکلتا ہے تو دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اگر محض زبان سے نکلے تو وہ کانوں سے تجاوز نہیں کرتا۔''

☆ جیسے حضرت شبلیؒ سے حکایت کی گئی کہ انھوں نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا

''آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو کتنی مرتبہ پکارتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ'' میں لوگوں کو اللہ کے سامنے بلاتا ہوں۔''

پھر انھوں نے فرمایا :۔

''قوم صوفیہ نے اپنے حظ نفسانی کے لئے اپنے اسرار کو فاش کر دیا۔ اپنی نگاہوں کو نظر بازی کے لئے وقف کر دیا۔ وہ ان کو خدا کی طرف کیونکر مائل کر سکتی ہے۔''

حضرت مصنفؒ لکھتے ہیں کہ :

''علم سے جاہ و مرتبہ دنیوی اور مال دنیا کو حاصل کرنے سے بچتے رہنا چاہئے کیونکہ ایسے شخص کو علم سے خدا کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔'' (آداب المریدین)

الحدیث :۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ :۔

''جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء میں امتیاز پیدا کرے اور ادنیٰ لوگوں پر تفوق حاصل کرے یا یہ کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ بنانا پڑے گا۔ نیز آپ ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی جو غیر منفعت بخش ہو۔''

نوٹ :۔مندرجہ بالا پندرہ نقاط پہ'' کاملین کے آداب'' کا اختتام ہوتا ہے گو یہ کلام اس درجہ طویل ہے کہ الگ کتاب بن سکتی ہے کہ س میں، آداب صحبت، آداب سفر و حضر، سونے جاگنے کے آداب، کھانے پینے کے آداب، آداب سوال و ترک سوال، آداب نکاح و تجرد، آداب لباس، آداب حالت مرض و موت اور متعدد دیگر آداب شامل ہیں جن میں کاملین کے الگ اور مریدین کے علیحدہ آداب بیان ہوئے ہیں مگر بات اصل موضوع سے دور ہٹ جاتی ہے۔ نیز یہ جو چند آداب اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کے بیان سے مقصد کاملین کو آداب سے آگاہ کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے سکھانے اور بتانے کے محتاج نہیں ہیں ورنہ ہم خود کامل ہوتے بلکہ وہ تو جس در سے وابستہ ہیں ان کی نوک پلک بھی وہیں سے درست کی جاتی ہے۔ انھیں دنیا کے مدرسوں اور معلموں کی احتیاج نہیں ہے جیسے خدمت شاہ کے لئے خادمین خود تیار کیے جاتے ہیں۔ گویا ان کا حساب ہی دوسرا ہے۔ میرا کلام تو اپنے جیسے عوام سے ہے اور مقصد آداب کاملین کے بیان سے یہ ہے کہ جس طرح شرائط مرشد کامل وغیرہ کے تناظر میں پرکھ کر شیخ کامل کی پہچان کی جاسکتی ہے اسی طرح کاملین کو ان کی خصوصیات، آداب اور مریدین کے ساتھ سلوک کے پیش نظر بھی پہچانا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کو پیری کا دعوی ہے تو وہ کس طرح اپنے مریدین کی تربیت کرتا ہے؟ انھیں کس بات کی تعلیم کرتا اور کس سے روکتا ہے؟ مریدین سے کیا توقعات رکھتا ہے؟ ان سے کس طرح سے پیش آتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے لئے کاملین کے درست وطیرہ اور اعلیٰ خصلتوں کا جاننا ضروری ہے جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ (مولفہ)

اب موضوع کو اس جامع کلام پہ ختم کرتی ہوں کہ

''بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی نہ کسی کو رعایت دیتا ہے اور نہ رعایت لیتا ہے۔ اور نہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوتا ہے نہ ٹھٹھول مذاق نہ مزاحمت، نہ مقابلہ، نہ غیبت نہ چغل خوری، نہ بدگوئی، نہ کسی کی منقبت اور نہ مذمت، نہ فخر، نہ تکبر، نہ وہ یہ کہتے ہیں یہ تیری ہے یہ میری ہے، نہ ہی کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، نہ کہتے ہیں شائد یا عنقریب، نہ ہی دوسروں سے استفسار کرتے ہیں بلکہ ان میں ہر ایک بڑوں کے لئے مثل فرزند کے ہے۔ برابر والے کے لئے مثل بھائی کے، چھوٹے کے لئے مثل والد کے، اور استاد کے لئے مثل خادم کے ہوتا ہے۔''

(آداب المریدین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مرشد کامل

اب اگر یہ بات بہت سے حوالوں سے جان لینے کے بعد واضح ہوگئی ہو کہ طریقت کی تلاش اور باطنی علوم کا حصول واجب ہے اور اس کے لئے مرشد کامل کا وجود ضروری ہے۔جس کی نشانیوں پہ بھی ہم بات کر چکے ہیں اور اس سے متعلق اشتباہات بھی دور ہو گئے ہیں پھر یہ بھی جان لیا کہ ان کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں۔جن سے ہمیں تلاش مرشد کامل میں بھرپور مدد مل سکتی ہے۔

تلاش مرشد کامل یعنی قرآنی زبان میں:۔

ابتغو اا لیہ الو سیلة	اللہ کی طرف پہنچنے کیلئے وسیلہ تلاش کرو۔

علاوہ ازیں تلاش مرشد کے لئے علیحدہ سے طریق بھی کتب تصوف میں ملتا ہے جس کو اپنا کر حصول مقصد کے لئے کوشش کی جا سکتی ہے۔اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

طریق تلاش مرشد کامل :-

یہ بہت احتیاط طلب کام ہے کیونکہ نیم حکیم تو صرف جان لے گا لیکن یہاں تو سوال ایمان کا ہے اس لئے زیادہ ضروری ہے کہ نقلی شعبدہ بازوں سے بچا جائے۔لیکن کیسے؟ سب سے پہلے شیخ المکرم کا ایک ارشاد پیش نظر ہے فرمایا:

''یہ جو ہم شکوہ کرتے ہیں کہ کہاں جائیں''

''درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری''

دنیا میں ہر بھیس میں ٹھگ ہیں کوئی پیر کے تو کوئی علماء کے بھیس میں۔تو یہ شکوہ بے جا ہے کہ جب لوگوں نے خدا ہونے کا جھوٹا دعوی کر ڈالا، نبی ہونے کا کر لیا تو ولایت کی تو اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہ رہی، پھر تعجب کیسا؟ دراصل ہم جھوٹوں کے پاس جاتے ہیں۔اس لئے کہ ہمارے دل میں طلب صادق نہیں ہوتی۔جہاں انابت ہوا سے ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کے سپرد ہے کیونکہ اس دنیا کے بازار میں طلب صادق اور انابت ہی ہمارا سرمایہ ہے جہاں یہ خلوص ہوگا تو اللہ اسے ضائع نہیں فرماتے۔ بلکہ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ :۔

یھدی الیہ من ینیب	جہاں انابت ہو اللہ اسے ہدایت نصیب فرما دیتا ہے

''اگر خلوص نہ ہو تو کچھ نہیں ملے گا دھوکے باز ہی ملیں گے اور وہ دھکے ہی کھائے گا۔اور اگر اہل اللہ کے پاس پہنچ بھی گیا (انکی صحبت میں) بیٹھا بھی رہا تو بالآخر کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔''

گویا نقل کی بھرمار سہی لیکن اصل بھی عنقا نہیں ہے۔جیسا کہ حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں کہ:۔

''اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس دور میں کوئی فقیر صاحب ارشاد و تلقین نہیں رہا نہ ہدایت کے لائق ہی کوئی رہا ہے۔سب علمی مسائل کو

لیتے ہیں اور وسیلے کو غلط بتاتے ہیں (تو یہ غلط ہے) جہاں پہ طالبِ مولیٰ صاحبِ دانش عالم واہلِ نظر ہیں وہاں پرفقراء صاحب ہدایت بھی موجود ہیں۔ کیونکہ جس دن زمین پر وہ نہیں رہیں گے اس دن فرشتے زمین کو پھینک دیں گے''۔

(نور الہدیٰ)

''عمدۃ السلوک'' میں بہت جامع انداز میں اس ضمن میں اہم نقاط بیان ہوئے ہیں جو کچھ یوں ہیں کہ :۔

1۔ اکثر درویشوں سے ملاقات کی جائے۔ کسی پر انکار وعیب جوئی نہ کرے لیکن بہت جلد بیعت بھی نہ کرے۔ خوب سوچ بچار کی جائے۔

2۔ شرع کی مکمل پابندی دیکھی جائے اور جسے شرع کا پابند نہ پائے ہرگز بیعت نہ کرے اگر چہ خرقِ عادت ہی کیوں نہ ظاہر ہوں۔ قرآن میں ہے۔

لا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه وکان امره فرطا	اس شخص کی پیروی مت کر جسکے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور اسنے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اسکا کام شرع کے انداز سے باہر ہے۔

3۔ چونکہ علم باطنی ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے اس میں سچ جھوٹ، غلط صحیح کی تمیز نہایت مشکل کام ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر بعض شیطان صفت لوگ پیری کا دعویٰ کرتے ہیں اور جاہلوں اور کم علموں کو دھوکا میں ڈالتے ہیں۔ پس پہلے یہ جانئے کہ ولایت کے اوصاف کیا ہیں۔ مرشد کامل کی شرائط کون کونسی ہیں پھر ایسے ولایت کا دعویٰ کرنے والے پابند شرع شخص کی بیعت کی جائے۔

4۔ گدی نشینی کا رائج طریقہ بھی درست نہیں ہے کہ آدمی صرف اپنے باپ دادا کے کمالات کا دعویدار ہو اور خود ان اوصاف کا حامل نہ ہو۔ جیسا کہ اکثر پیرزادوں کا طریقہ ہے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

5۔ سب سے قوی اور بہتر دلیل یہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

الحدیث:۔

''جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو صحابہ نے عرض کی کہ پھر امت کی ہدایت کا ذریعہ کیا ہوگا، فرمایا ''اللہ ایسے نیک بندے پیدا فرمائے گا جو لوگوں کو سیدھی راہ دکھائیں گے'' صحابہ نے ان کی نشانی طلب کی، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔''

6۔ عام لوگوں کو صحبت کا اثر معلوم کرنا مشکل لگے تو ان بزرگ کے مریدوں میں سے جس کو منصف و باعمل پائیں اس سے رائے دریافت کریں۔

قرآن میں ہے کہ:۔

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون	پس اہل ذکر سے استفسار کرو اگر تم نہیں جانتے

''پس ایسے شخص کی گواہی مل جائے تو بیعت کرلے کیونکہ ایسی جگہ سے اگر فائدہ نہ بھی ہوا تو نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ پھر اگر مقصود حاصل ہو جائے تو ٹھیک ورنہ دوسری جگہ تلاش کر لی جائے۔''

(عمدۃ السلوک)

حضرت شیخ المکرّم، کنز الطالبین میں تلاش شیخ کے تحت فرماتے ہیں کہ

''شیخ اسے کہہ دیا جاتا ہے جو تصوف سکھاتا ہے۔ تلاش شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف بڑھے جن کے سینے منور ہوں۔ جو نہ صرف مادی زندگی بسر کرتے ہوں بلکہ عالم امر سے متعلق ان کے لطائف بھی روشن ہوں۔ جب یہ ان کی محفل میں پہنچے گا تو وہ اس کے کمالات

واوصاف سے زنگ اتار کر انھیں دوبارہ سے زندہ کردے گا۔ اس لئے کہ حصول برکات اور تصوف کے معاملہ میں جو لوگ متعین ہوتے ہیں انھیں اس دور کے یا جہاں تک ان کا دائرہ کار ہو وہاں تک تمام انسانیت کے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی خواہشات، آرام حتیٰ کہ ضروریات تک قربان کرنا پڑتی ہیں۔ یہی ان سے محاسبہ ہوگا کہ اس نے حتی الامکان اپنا وقت، قوت، سرمایہ، علم، محنت اور مجاہدہ قربان کرکے کتنے لوگوں تک یہ بات پہنچائی اور کتنے لوگوں کو بچانے کا سبب بن سکا۔ پس تزکیہ باطنی طہارت کا نام ہے جس سے اطاعت رسول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر کسی مجلس میں شعبدہ بازی حاصل ہو جائے لیکن احکام دین ہاتھ سے چلے جائیں تو وہ شخص راہزن ہوگا راہبر نہیں۔ رہبر وہی ہوگا جو محمد رسول اللہ کے دامن شفقت تک پہنچادے۔"

نیز ایک جگہ فرمایا:۔

"شیخ کامل کے لئے چند شرائط اور کچھ علامات ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو، دوسری یہ کہ اس کی عملی زندگی میں وہ جھلک نظر آئے جو نبی کریمؐ کے براہ راست شاگردوں میں پائی جاتی تھی جس کا اصطلاحی نام اتباع سنت ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ صرف خود ہی ماہر نہ ہو بلکہ دوسروں کو سکھانے کا سلیقہ بھی آتا ہو"۔

(کنز الطالبین)

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ وہ متبع شریعت ہو، بدعت اور شرک سے محفوظ ہو، کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور تم جو مرض باطنی بیان کرو وہ اسے توجہ سے سنے اور اس کا علاج تجویز کرے اور اس علاج سے نفع ہوتا چلا جائے اور س کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت (ایمانی) درست ہوتی جائے۔"

ایک جگہ فرمایا:۔

"بیعت کوئی معمولی چیز نہیں، بہتر طریقہ یہی ہے کہ فرد جس سے بیعت ہونا چاہے کافی وقت تک اس کو جانچے، جس کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ کافی وقت تک اسی کی صحبت میں رہا جائے یہ زیادہ بہتر ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خط وکتابت کے ذریعہ طریقے پوچھ کر عمل کیا جائے۔ پھر اپنے احوال کی اطلاع دی جاتی رہے اور وہ جو چیز تجویز کرے اسی طرح کیا جائے۔ یوں ایک مدت تک کرتے رہنا چاہئے اس کے بعد اگر دل چاہے تو بیعت کی درخواست کی جائے پھر جو کچھ جواب آئے اس پر راضی رہے۔"

اور آخر میں مولانا رومی کا شعر:۔

فرماتے ہیں کہ:۔ ؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

ترجمہ : "خبردار بہت سے شیطان انسانوں کی صورت میں ہیں پس ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہئے۔"

(تعلیم حکیم الامت)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیعت

اگر طلب صادق رکھنے والے خوش نصیب کو مرشد کامل مل جائے تو پھر بیعت کا مرحلہ آتا ہے اور اس کے لئے یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ شریعت کی رو سے بیعت کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی ضرورت واہمیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں آداب واعتقادات کیا ہیں؟

یہاں سے میری تحقیق وتحریر کا دوسرا اور اہم حصہ شروع ہوتا ہے جس کا بیان کرنا میرا مقصود اصلی تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے سمیت بہت سے لوگوں میں بہت سی کمیاں دیکھی ہیں۔ عمل کے پیچھے چاہے خلوص نیت ہو لیکن لاعلمی یا صحیح طریق اظہار سے ناواقفیت کی بنا پر ہم اپنے شیخ کے حضور گستاخی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ آداب شیخ میں ہماری نادانی بھی گستاخی شمار ہوگی جو حصول فیض میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے کیونکہ اسلام کی رو سے لاعلمی کوئی جواز نہیں ہے، پس میں نے چاہا کہ اس دربار پہ ایک دربان کی حیثیت سے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں نئے آنے والوں کو آگاہ کردوں کہ ان کے لئے کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے، ان کی ظاہری حالت، اطوار، نشست و برخاست، آواز و کلام کیسا ہو نیز ان کی قلبی حالت، ارادہ ونیت، طلب وریاضت اور شیخ سے عقیدت کیسی ہونی چاہئے۔ لیکن پھر مجھے لگا یہ سب کچھ ایک قلب وذہن تب ہی قبول کرسکتا ہے جب دل میں تصوف اور حاملین تصوف کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ بچا ہو۔ جس کے لئے ضروری ہوگیا کہ طریقت وولایت کی تمام تر صورت حال کو واضح اور عام فہم انداز میں دلائل سمیت بیان کیا جائے۔ جیسا کہ ماقبل بیان ہو چکا۔

تو اب جب قلب وذہن میں تصوف اور مرشد کامل کی ایک مستحکم پوزیشن قائم ہوگئی ہے ایک واضح تصویر سامنے آگئی ہے تو آگے چلتے ہیں یہاں تلاش کا سفر ختم اور منزل کی تعمیر کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے کرنے کے کون کونسے کام ہیں؟

اس دکان پہ کیا کچھ بکتا ہے ہم نے جان لیا اب یہ جاننا باقی ہے کہ یہاں کون سا سکہ چلتا ہے۔ ہم کیا مال لائیں گے تو یہاں سے خرید کر پائیں گے تاکہ ہم دنیا وآخرت میں آسودہ حال ہوں۔

بیعت

1۔ ''بیعت طریقت کی ضرورت''

اللہ تک پہنچنے کا راستہ بہت نازک ہے اور نفس اور شیطان دو ایسے دشمن ہیں جو سدا گھات میں رہتے ہیں۔ سیدھے راستے پہ چلتے چلتے ذرا نفس نے شرارت کی، ذرا جو شیطان نے بہکا دیا، عبادت سے دور نہ کرے گا تو اپنی پرہیزگاری کے زعم میں مبتلا کر دے گا۔ غرض اس کے ہتھیار پوشیدہ اور ضرب کاری ہوتی ہے اور خصوصاً جب انسان اس پہلو سے خبردار بھی نہ ہو اور اس کی کوئی دفاعی لائن بھی نہ ہو۔ بس پھر گمراہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ اس لئے مرشد کی بیعت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

☆ اس ضمن میں بڑے بڑے نامور اور متفق علیہ اولیاء اللہ کا بھی یہی طریق کار رہا ہے کہ خود بھی بیعت یافتہ ہوتے تھے اور اپنی مشیخت کے زمانہ میں اس راہ پہ چلنے کے آرزومند لوگوں کو بیعت طریقت سے سرفراز بھی کرتے۔

☆ نیز اسی بات پہ کتب تصوف بھی اصرار کرتی ہیں جو کہ بہت مدلل ہیں ۔مثلاً

''عمدۃ السلوک'' بیعت طریقت کی ضرورت پہ الگ فصل قائم کی گئی ہے اور مصنف فرماتے ہیں کہ:۔

''مرشد کی بیعت کے بغیر چارہ نہیں ہے اور بزرگوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ نزدیک راستہ یہی ہے اور خدائے تعالیٰ کا قانون بھی اسی طرح پر جاری ہے کہ جس طرح انسان ظاہری خوبیوں اور ہنروں کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل کر حاصل کرتا ہے اور استاد کی شاگردی حاصل کئے بغیر کوئی فن آسانی اور صحیح طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔ برخلاف حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں مثلاً تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بغیر سیکھے حاصل نہیں ہوتا۔اسی طرح انسان باطنی کمالوں کو بھی طریقت اور پیر کی بیعت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا (الا ماشا آللہ)''

البتہ حضرت مصنف مندرجہ بالا قانون قدرت کے ساتھ ایک قید لگاتے ہیں کہ

''مگر جس کو اللہ چاہے'' اور اس ضمن میں وہ مثال دیتے کہ اور جو شخص ظاہری بیعت کے بغیر صاحبِ کمال ہوتا ہے اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ''اویسی'' (حضرت اویس قرنیؓ کی طرز پر روح سے فیض پانے والا) کہتے ہیں ۔اگر چہ بظاہر اس کی بیعت کا تعلق زندہ پیر سے نہیں ہوتا پھر بھی باطنی تعلق سے بچا ہوا وہ بھی نہیں ہوتا۔''

(عمدۃ السلوک)

☆ نوٹ:۔اعلیٰ حضرتؒ (حضرت اللہ یار خانؒ) نے اسی طرز پر طریقت کی تربیت پائی اور حضرت اللہ دین مدنیؒ سے اور انکی وفات کے بعد برزخ میں اور دیگر جس جس سے اللہ نے چاہا روحانی فیض پایا۔(مؤلفہ)

☆ نوٹ:۔نیز حضرت شیخ المکرم اس ضمن میں ایک نقطہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ روح سے فیض پانے والا بھی ظاہری مرشد کا محتاج ہوتا ہے تا کہ وہ اس میں برزخ تک رسائی کی اہلیت پیدا کر سکے۔جس طرح اعلیٰ حضرت نے گو برزخ میں شیخ مدنی سے سیکھا لیکن حضرت عبدالرحیمؒ جو کہ اس وقت حیات تھے کی وساطت سے برزخ تک رسائی پائی اور ابتدائی سلوک ان سے سیکھا۔''

(مؤلفہ)

ایک سوال:۔

ضرورت بیعت اور شیخ کے متعلق اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں :

''ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار اور وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن جائے پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے؟''

اس کا جواب یہ ہے کہ :

طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات' طریق علاج' وزن' ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے پھر کسی معالج کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔آخر اس کی وجہ؟

وجہ یہی کہ جان عزیز ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے اور کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے اور اسی سے علاج کرایا جائے۔

اسی طرح اگر ایمان عزیز ہے اور اللہ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے کیوں کہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیہء باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔ (دلائل السلوک)

☆ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:۔

مشائخ اللہ کے وقار سے آگاہی کا ذریعہ ہیں اور مریداُن سے ظاہری اور باطنی ادب حاصل کرتے ہیں' جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ:۔

اولیٓئک الذین ھدی اللہ فبھدالھم اقتدہ o	یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو ان کی پیروی کر

پس جب کہ مشائخ ہدایت یاب اور راہ یافتہ ہوئے تو وہ اس کے مستحق اور اہل ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے۔اور ان کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا دیا گیا ہے۔

حدیث قدسی :۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے ارشاد فرمایا:۔

جب میرے بندہ پر میرے ساتھ مشغولی غالب ہوتی ہے تو میں اس کی تمام تر توجہ اور لذت اپنے ذکر پر مرکوز کر دیتا ہوں اور جب میں اپنے ذکر میں اسکی ہمت اور لذت کو مرکوز کر دیتا ہوں تو وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتا ہے اور میں اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں اور میرے اور اس کے درمیان جو پردہ حائل ہے اس کو اٹھا دیتا ہوں اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب لوگ بھول جاتے ہیں وہ نہیں بھولتا' ان کا کلام انبیاء کا کلام ہے یہ لوگ ابطال حق (بطل عظیم) ہیں۔اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں ساکنان زمین پر کوئی عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں اور اہل زمین کو ان کے کیفر کردار پر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو یہ لوگ مجھے یاد آجاتے ہیں اور محض ان کی وجہ ہی سے ان لوگوں سے اپنے عذاب کو روک لیتا ہوں''۔

(عوارف المعارف)

حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ ''کمالات باطنی کی طلب واجب ہے تو پھر پیر کامل کی تلاش بھی ضروریات سے ہوگی کیونکہ وصول الی اللہ بغیر مرشد کامل کے توسط کے نہایت بعید اور نادر الوجود ہے''

2۔ ثبوتِ بیعت :۔

بیعت کی ضرورت میں ہی بیعت کے فائدے مضمر ہیں لیکن کیا یہ قرآن وسنت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔؟ تو اس کا ثبوت لانا کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

1۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ:۔

ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ ط یداللّٰہ فوق ایدھم ج فمن نکث فا نما ینکث علی نفسیہ ج ومن اوفی بما عھد اللہ فسیو تیہ اجرا عظما o	بے شک محمد ﷺ جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔اللہ تعالی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جو اپنے اقرار کو توڑتا ہے اسکا وبال خود اسی کی ذات پر پڑے گا۔اور جس نے اللہ کے ساتھ اس عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالی اس کو جلد ہی بڑا بھاری ثواب عنایت کرے گا۔

2۔ ''عمدۃ السلوک' میں ہے کہ :

''مشہور اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول خدا سے لوگ بیعت کرتے تھے کبھی ہجرت پہ، کبھی جہاد پہ، کبھی اسلام کے ارکان پہ قائم رہنے یعنی نماز روزہ، حج، زکوۃ ادا کرنے پہ، جیسا کہ بیعت رضوان اور کبھی نبی کریم کی سنتوں کو مضبوط پکڑنے، بدعت سے بچنے اور عبادتوں پہ زیادہ دھیان دینے پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیعت کی۔'' (عمدۃ السلوک)

3۔ اولیاء کی صحبت کا مثبت اثر آج تک سب اکابرین کے نزدیک مانا گیا ہے جیسے مولانا رومی فرماتے ہیں:۔

؎ یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''خدا تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا دیر بیٹھنا سو سال بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔''

اصحابِ کہف کے قصہ میں کتے کا ذکر بھی نیکوں کی صحبت پہ دلالت کرتا ہے۔

؎ سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد

ترجمہ:۔ ''اصحاب کہف کا کتا بھی چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا اور آدمی ہو گیا''

4۔ حکایت مورچہ :۔

اس ضمن میں ایک حکایت بھی پیش کی جاتی ہے جس میں چیونٹی کبوتر کے پاؤں سے لپٹ کر خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔
مصنف فرماتے ہیں کہ:۔

''پس اسی طرح طالب خدا اسی راستہ کی منزل کو طے کیے ہوئے شہباز (یعنی مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اسے بھی لے جائے گا۔لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو پھر بہت پستی میں گرے گا اور اس کا کچھ نہیں بچ پائے گا اور وہ دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا''

(عمدۃ السلوک)

5۔ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''یہ قدرت کا قاعدہ ہے کہ آپ از خود بیٹھ کر اللہ اللہ شروع کر دیں تو اللہ آپ کو کسی ایسے شخص کے پاس لے جائے گا جہاں سے برکاتِ نبوی تقسیم ہوتی ہوں گی۔''

قرآن میں ہے کہ:۔

والذین جا ھدوا فینا لنھدینھم سبلنا	''اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکی صحیح راہ کی طرف ہدایت فرما دیتے ہیں''

یہاں محققین لکھتے ہیں کہ کوئی شخص خلوص دل سے اللہ کی رضا کے لیے اللہ اللہ شروع کر دیتا ہے۔مجاہدہ کرتا اور خلوص دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کو ایسے لوگوں کے پاس لے جاتا ہے جو اسکی تربیت کر سکیں۔

ورنہ " لنھدینھم سبلنا " سے مراد یہ نہیں کہ خدا اس پہ وحی نازل کر دیتا ہے۔بلکہ اسے ایسے لوگوں کے پاس لے جاتا ہے جو اسے ہدایت کی طرف لے آتے ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے جس طرح تعلیمات نبوی ﷺ کا حصول علمائے کرام سے ممکن ہوتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر حدیثِ مبارکہ کے ساتھ روایت کا سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے سنی اور بالآخر وہ روایت حضور تک پہنچتی ہے اسی طرح برکات نبوی ؐ کا حصول اولیاء اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت و فیض سے ہوتا ہے اور اسی طرح برکات نبوی ؐ کا بھی سلسلہ ہے جس طرح تعلیمات کا ہے۔تعلیمات نبوی ﷺ میں روایت ہے اور اس میں شجرہ مبارکہ۔کہ کس نے کس سے روحانی فیض پایا۔اور یہ بھی سند ہوتا ہے گویا یہ قانون قدرت ہے کہ جو بھی ہدایت کا طالب ہے وہ تعلیمات نبوی ؐ کے لیے اس کے حاملین سے رجوع کرے گا اور برکات نبوی ؐ کے لیے ان سے جن کو اللہ نے یہ

نعمت بخشی اور پھر وہ ان کو تقسیم کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ اور ہمیں ایسے لوگوں کے پاس جانا پڑے گا''۔

(طریق نسبت اویسیہ

☆ یہی بات مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

''صحبت شیخ کے بغیر کوئی لاکھ تسبیحات پڑھے کچھ نفع نہیں''

''کسی نے عرض کیا کہ خود ذکر میں یہ صفت ہونی چاہیے تھی کہ وہ کافی ہوجایا کرے، صحبت شیخ کی قید کس لئے؟''

فرمایا :

''کام تو ذکر اللہ سے ہی ہوگا۔ لیکن اللہ کا قاعدہ یوں جاری ہے کہ شیخ وصحبتِ شیخ کے بغیر خالی ذکر کافی نہیں بلکہ اس کے لئے صحبتِ شیخ شرط ہے، جس طرح کاٹنے کا کام جب بھی ہوگا تلوار ہی سے ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو۔ ورنہ اکیلی تلوار تو کچھ نہیں کرسکتی۔''

(ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ)

☆ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ ''مقالۃ الردینۃ فی النصیحۃ الوصیۃ'' کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''طالب کو چاہئے کہ علم لدنی کی طلب اور نسبتِ صوفیاء کی تلاش میں رہے نیز اہل دل اور شیخ کامل کی جستجو کرے''

☆ ''مقاماتِ تصوف'' میں ہے کہ :۔

''حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''پیر کامل'' کا مِل جانا محض بخشش رب ہے۔ یہی وجہ کہ حضرت قطب ربانیؒ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ ہزاروں اولیاء اللہ شرف بیعت سے مشرف تھے۔ کسی نے ایک، کسی نے دو، کسی نے تین اور کسی نے چار مرشد اختیار کئے۔''

نوٹ :۔ یہ بات تکرار بیعت کے ضمن میں بھی ثابت ہوگئی) اور جس طرح محدثین نے علمِ حدیث کا سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچایا اسی طرح مرشدان طریقت نے بھی اپنا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔ جو ان کی کتابوں میں مفصل درج ہے) اسی لئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں :۔

؎ ہیچ چیزے خود بخود پیدا نہ شد	ہیچ آہن خود بخود تیغ نہ شد
کوئی چیز خود بخود پیدا نہ ہوئی	نہ کوئی لوہا خود بخود تلوار بن گیا
؎ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم	تا غلام شمس تبریزی نہ شد
مولوی ہرگز مولائے روم نہ بن سکا	جب تک حضرت شمس تبریزی کا غلام نہ بنا

3۔ مسائلِ بیعت و اشتباہات :۔

1۔ ایک شبہ :۔

''عمدۃ السلوک'' میں ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت تو صرف خلافت اور سلطنت پر منحصر ہے اور جو صوفیوں کی عادت اہل تصوف سے آپس میں بیعت لینے کی ہے تو اس کی شرع شریف میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔''

☆ الجواب :۔

''تو جاننا چاہئے کہ یہ خیال (اہل تصوف کے طریق پہ بیعت لینا) برا اور غلط نہیں ہے اور دلیل اس کی پہلے بھی بیان ہوچکی ہے کہ بے

شک نبی کریم ﷺ کبھی ارکان اسلام پر قائم رہنے پر بیعت لیتے تھے اور کبھی سنت رسولؐ پر ثابت قدمی پر۔''

الحدیث :۔ یہ حدیث اس امر پہ گواہی دے رہی کہ حضورؐ نے حضرت جریرؓ سے اس بات پہ بیعت لی کہ ہر مسلمان کے واسطے خیر خواہی لازم ہے۔

☆ ایک مرتبہ انصار سے حاکم کے سامنے کلمہء حق کہنے پر بیعت لی۔ اور یہ سب کام تزکیہء نفس سے اور نیکی کے حکم اور برائی سے مناہی متعلق ہیں تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیعت صرف خلافت سے متعلق نہ تھی۔

(عمدہ السلوک)

☆ اس ضمن میں ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ زمین پر اللہ کے خلیفہ تھے پس جو کام آپ نے خلافت کی بنا پر کیا وہ آپ کے خلفاء کے لئے سنت ہوگیا۔ باقی جو آپ نے قرآن وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ کے واسطے کیا وہ علمائے راسخین یعنی جو علوم ظاہر باطن سے آراستہ ہوں کے لئے سنت ہے۔

☆ نیز جس کو یہ شبہ ہو کہ بیعت توبہ کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی خلفائے راشدین کے عہد میں جاری رہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے صوفیاء کے سلاسل میں یہ بیعت بھی ثابت ہے یہ ہستیاں کسی ایسی سنت کے قبول کرنے میں کیسے معاون ثابت ہوسکتی ہیں جو سنت رسول کے خلاف ہو۔

2۔ بیعت کی شرعی حیثیت :۔

ہر وہ کام جو حضور ﷺ سے بطور عبادت ثابت ہوا اور عادت نہ تھا وہ سنت ہے۔ بیعت کے سلسلے میں جو اہتمام تھا اس کی رو سے اس کے سنت ہونے میں کچھ شک نہیں ہے اور سنت واجب اتباع ہوتی ہے۔

عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''بیعت طریقت ہماری روشن شریعت میں سنت ہے واجب نہیں اور سنت کی حقیقت یہ ہے کہ مسنون فعل واجب ہونے کی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔''

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ فرمایا :۔

''بیعت کے سمیت جو نفع ہوتا ہے وہی نفع بغیر بیعت کے بھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ نفع کا دارو مدار بیعت پر نہیں۔''

عرض کیا گیا، کیا بیعت بدعت ہے؟ اسکو قطعاً ترک کر دینا چاہیے فرمایا :

''بیعت بدعت نہیں ہاں بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے بلکہ بیعت ایک سنت مستحبہ ہے''

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :

''ظاہری بیعت سنت ہے اور شرعاً جائز ہے''

3۔ بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت :۔

''عمدۃ السلوک'' میں ہے کہ :

''بیعت کے مشروع ہونے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ کا قانون اسی طرح پر جاری ہے کہ اللہ نے ظاہری اقوال وافعال کو دلوں کے بھید کا قائم مقام قرار دیا ہے کہ اللہ ورسول ﷺ اور قیامت پہ ایمان لانے کا زبان سے اقرار دل کی تصدیق کا قائم مقام ہوگیا۔ اسی طرح گناہ چھوڑنے کا ارادہ ہاتھ پہ کرنا اور آئندہ کے لئے پرہیزگاری کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا وغیرہ پوشیدہ امر ہیں بالکل تصدیق قلب کی طرح۔ تو بیعت کو اس کا قائم مقام قرار دیا گیا۔ اب اس پر عہد کو پورا کرنے کا واجب ہونا لازم ٹھہرا اور عہد کو توڑنا حرام ہے وغیرہ جیسے احکام جاری ہوئے۔''

حضرت شیخ المکرّم سلسلہ عالیہ میں ظاہری بیعت کے جاری ہونے کے پیچھے کارفرما حکمت سے متعلق فرماتے ہیں کہ اس دور میں بیعت ایک کاروبار بن گیا ہے اور پیشہ ور اور بدکار لوگ بیعت لیتے اور لوگوں کے عقائد خراب کرتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرتؒ نے ظاہری بیعت لینے کا فیصلہ فرمایا اور اسے ہر ایک کے لئے عام کر دیا۔ ورنہ صرف راہِ سلوک کے متمنی کی بیعت لی جاتی تھی"۔

4۔ بیعت کی صورت اور حقیقت :۔

بیعت کی صورت سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ "معیار السلوک" میں ہے شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددیؒ لکھتے ہیں کہ :

"مرشد خود باوضو ہو کر قبلہ رخ بیٹھے اور مرید کو اپنے سامنے دوزانو بٹھلائے، کلمہ شہادت و استغفار تین تین مرتبہ خود بھی پڑھے اور مرید کو بھی اسکے پڑھنے کا حکم دے۔ جب پڑھ چکے تو مرید کا سیدھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور بایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے پھر اپنے پیر یا امام طریقہ حضرت ابوبکرؓ کا خیال کر کے یا نبی کریم ﷺ کا خیال کر کے مرید سے کہے کہ تجھے نقشبندیہ (یا جس سلسلے میں بیعت کرنا مقصود ہو) میں قبول کیا اور مرید کہے قبول ہے۔"

"نیز خواتین کا ہاتھ نہ پکڑا جائے بلکہ کپڑے کا کونا پکڑ کر بیعت لیا جائے۔ نیز اس بیعت سے مقصود توبہ اور تزکیہ نفس ہے۔"

گویا یہ تو بیعت کی ظاہری صورت ہوگئی اب اس کی حقیقت کیا ہے

اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "بیعت (ظاہری) ایسی کوئی ضروری چیز نہیں۔ اصل چیز تو اتباع اور محبت ہے۔ باقی ہاتھ میں ہاتھ دینا یہ محض طالب کی تسلی کے لئے ہوتا ہے کہ اسے اطمینان ہو جائے کہ ہاں میرا فلاں شخص کے ساتھ خصوصی تعلق قائم ہو گیا ہے ورنہ نفع میں بیعت کو کچھ دخل نہیں۔

چوں کہ بیعت سنت ہے اور مستحب درجہ میں ہے نیز سنت بھی بیعت کی حقیقت ہے۔ جس شخص کو محبت حاصل ہو اور وہ اتباع کرتا ہو تو اسے بیعت کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے۔ چاہے بیعت کی صورت حاصل نہ ہو" ۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ)

نیز ایک جگہ فرمایا:۔

"بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کرنے والے پر اعتماد ہو اور یقین ہو کہ میرا خیر خواہ ہے۔ اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو شیخ کی تجویز و تشخیص کے مقابلہ میں بالکل دخل نہ دے"

(ملفوظات کمالات اشرفیہ)

5۔ بیعت میں تنگی وفراخی :۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

بعض مشائخ بیعت کرنے میں بڑی فراخی کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کی سند یہ حدیث ہے:

استکثر وا من الاخوان فان لکل من شفا عته یوم القیامه

بہت سے بھائی بناؤ کیوں کہ قیامت کے دن ہر مومن کے لئے ایک شفاعت ہوگی۔ (شاید وہ شفاعت تمھارے حق میں ہو جائے)

"اور بعض مشائخ تنگی فرماتے ہیں دین کی غیرت اور طالبین کے امتحان کے نقطہ نگاہ سے"

ایک جگہ بیعت کے عوام وخواص کے لئے نافع ہونے کے نقطہ نظر سے فرمایا کہ:۔

''بیعت کی صورت خواص کے مقابلے میں عوام کے لئے پہلی ہی مرتبہ نافع ہو جاتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو باوقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور خواص کے لئے یہ بیعت کچھ مدت بعد نافع ہوتی ہے۔ کیوں کہ بیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے شیخ کو محسوس ہو کہ یہ ہمارا ہے اور مرید کو یہ احساس ہو کہ یہ ہمارے ہیں''

(ملفوظات کمالات اشرفیہ)

حضرت شیخ المکرّم بیعت عام سے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

''ہمارے سلسلے میں ہر وہ شخص شمار ہوتا ہے جو اس کے طریقہ پر لطائف سیکھتا اور ذکر اللہ کرتا ہے۔ وہ ظاہری بیعت کرتا ہے یا نہیں۔ بلکہ متقدمین سے لے کر اب تک اس سلسلہ والے صرف ان لوگوں کو ساتھ رکھتے تھے جو فنافی الرسول کے متمنی ہوتے اور عزم وارادہ رکھتے۔ تو یہ ان لوگوں کو محنت کراتے۔ بیعت ظاہری کو مشائخ علمائے ظاہر کے لئے چھوڑ دیتے جو صوفی نہ سہی نیک لوگ ہوتے۔ شرعی احکام جاننے والے سے بیعت اصلاح شرعاً جائز ہے اس لئے مشائخ عظام خیال فرماتے کہ ایک ایسا کام جو عام آدمی بھی انجام دے سکتا ہے اور لوگوں کو اپنے قریب میسر آ سکتا ہے تو اس لیے انھیں اپنے ساتھ الجھائے رکھنا ضروری نہیں ہے۔ صرف ان لوگوں کو لیا جائے جو فنافی الرسول میں بیعت روحانی کے متمنی ہوں۔ اور یہ کہیں ملنا ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ زمانہ گزر گیا۔ اب تو بیعت ایک کاروبار بن گیا ہے۔ بدکار اور پیشہ ور لوگ بیعت لیتے اور لوگوں کے عمل ہی نہیں ان کے عقیدے بھی خراب کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ مشائخ عظام کی خدمت میں (یعنی برزخ میں) پیش ہوا۔ پھر بڑھتے بڑھتے اپنی آخری منزل یعنی بارگاہ نبوت تک گیا۔ تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ ظاہری بیعت لی جائے۔ اور جو بھی آئے اسے ذکر اللہ سکھا یا جائے اور وظائف سکھائے اور کرائے جائیں۔ یوں اٹھارہ بیس برس ذکر کرنے کے بعد غالباً 1976-77ء میں ہم نے بھی حضرتؒ سے ظاہری بیعت کی۔ اس سے پہلے ظاہری بیعت ہمارے ہاں رائج نہ تھی۔''

(کنز الطالبین)

6۔ بیعت سے متعلق غلط نظریات :۔

''حکیم الامت'' میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے رقم ہے کہ:۔

''بیعت سے متعلق جو غلط نظریات عوام میں مشہور ہیں کہ بس پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو، عمل کی ضرورت باقی نہیں رہتی یا پیر صاحب خدا کے ہاں سفارش کر کے بخشوا دیں گے۔ مولانا تھانویؒ نے اس کی سختی سے تردید کی آپ نے واضح کیا کہ ''بغیر عمل اور اخلاق ظاہری اور باطنی صفائی کے' بیعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ (بلکہ یہ سمجھایا جائے کہ) بیعت کوئی معمولی چیز نہیں لیکن اس کے لئے بھی شرائط ہیں (گویا صرف بیعت ہو جانا کافی نہیں ہے تربیت و عمل شرط ہے۔)''

حضرت اسمٰعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''اصل میں بیعت اس انقیاد و اعتقاد کا نام ہے کہ ایک شخص راہ بتانے والا ہو اور دوسرا اس کی تابعداری کرنے والا ہو، (نیز) ہاتھ میں ہاتھ دینا محض طالب کی تسلی کے لئے ہوتا ہے تا کہ اس کو اطمینان ہو جائے کہ فلاں بزرگ کے ساتھ ایک خصوصیت ہو گئی ہے۔ نیز طریقت سیکھنے کا اصل مقصود اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال کی خبر گیری ہے''

(مقامات تصوف)

''معیار السلوک'' میں ہے کہ:

''جب کوئی طالبِ خدا بیعت کے لئے آئے تو (مرشد) اس کو استخارہ کا حکم کرے اور خود بھی استخارہ کرے، بحالتِ اطمینان طرفین کے پھر بیعت کرے''

امام قشیریؒ بیعت طریقت سے متعلق احتیاط کا اس درجہ خیال فرماتے ہیں کہ:

''مرید کے احکامات میں سے ایک حکم ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے تو وہ ہجرت کر کے ایسے شخص کے پاس چلا جائے جو مریدوں کی راہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا ہو اور اس وقت تک اس کا در نہ چھوڑے جب تک وہ اسے نہ چھوڑے یا جب تک وہ خود اجازت نہ دے۔''

نیز فرماتے ہیں کہ جب سلوک کا ارادہ ہو تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، چنانچہ تمام لغزشوں کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ظاہری ہوں یا باطنی، چھوڑ دینا چاہئے۔'' نیز جن لوگوں سے اس کا کسی قسم کا جھگڑا ہو انھیں راضی کر لینا چاہئے کہ جس سے اس کے خصوم راضی نہ ہوں وہ راہ طریقت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

گویا سلوک کی بیعت کے لئے شرائط بیعت اصلاح سے زیادہ کڑی ہیں۔ اور ہم ہیں کہ بیعت کے اصل مقاصد اور شرائط ہی سے ناواقف ہیں اور اپنے غلط نظریات پہ سختی سے جمے ہوئے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:۔

''جب تک فرد کی بزرگ سے مناسبت نہ ہو جائے اس وقت تک بیعت نہ کرنا چاہئے جب فرد پوری طرح راہ پڑ جائے تب بیعت ہونا چاہئے مرید ہونے میں تو کسی قدر اپنی اصلاح کی فکر میں مشغول بھی رہتے ہیں کہ جلد مقصود حاصل ہو جائے''۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ)

حضرت شیخ المکرم مروجہ تصور پیر کو پوری شدت کے ساتھ رد فرماتے ہیں جو ہمارے ذہنوں میں بیعت ہونے سے قبل راسخ ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ ''تصوف کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ انسان عملی زندگی سے بے زار ہو کر گوشہ نشین ہو جائے کسی کے ساتھ اس کا تعلق نہ رہے، کسی میدان میں وہ کام کرنے کا اہل نہ رہے۔ جو شخص اپنی نان شبینہ کائنات میں پیدا نہیں کر سکتا وہ کسی بھی طرح تصوف کے دعوے کا مستحق نہیں۔

بنیادی طور پر یہ سارے غلط تصورات مذاہب باطلہ کے ہیں چونکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو الجھانے کے لئے دنیاوی فوائد کو اپنی عبادات کے ساتھ نتھی کر لیتے ہیں۔ جبکہ اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ طے ہو چکا ہے۔ ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ جسے صحیح سمجھتے ہیں اس کے لئے محنت کریں اور اللہ سے دعا کریں اور مدد چاہیں۔ ہمارے ہاں یہ جو تصور آ گیا ہے کہ پیر جو چاہے کر سکتا ہے (غلط ہے) حالانکہ پیر بیچارہ تو خود اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا، مرتا نہیں ہے، اپنی مرضی سے بیمار یا صحت مند نہیں ہو سکتا۔ جو خود اس کا محتاج ہے جو اسے زندہ رکھے ہوئے ہے وہ کسی کے لئے کیا کر سکتا ہے یا اس کی پسند کی کیا حیثیت ہے۔''

(کنز الطالبین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آداب شیخ کیوں اور کیسے؟''

الشیخ فی قو مه کاالنبی فی امته (الحدیث)	شیخ (پیر کامل) اپنی قوم (اور مریدوں) میں ایسے ہیں جیسے نبی اپنی امت میں

شرح :۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ:۔

''تو جیسے انبیاء کرام نے عوام کو دعوتِ توحید دے کر بصیرت حق بخشی اور ہر قبول کرنے والے کو اس کے درجہ ایمان کے مطابق درجہ قرب بخشا۔اور جس میں جیسی جہل کی بیماری تھی ویسا ہی علاج کیا۔اسی طرح مرشدِ کامل شیخِ وقت کو بھی بصارت حق کی دعوت دینی چاہئے اور ہر ایک کی تعلیمی غذا اس کے اندورنی ایمان کے مطابق تجویز کرنی چاہئے۔تا کہ مرید کرنے کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو''۔

(کشف المحجوب)

شیخ کی حیثیت سے متعلق داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''مشائخ درحقیقت طبیب قلب ہیں (مرید کے حق میں) اگر تو طبیب خود ہی مرض سے بے خبر ہے تو ایسا طبیب اپنی تجویز سے مریض کو ہلاک کرے گا اور اور غذا اور شربت سبھی مریض کے خلاف تیار کرے گا۔''

بصورت دیگر اگر طبیب حاذق ہے اور مرض وعلاج سے بخوبی واقف ہے تو پھر مریض پہ بھی لازم ہے کہ جو دوا و غذا اور پرہیز وہ تجویز کرے۔اس پر پوری طرح سے عمل کرے ورنہ کماحقہ صحت حاصل نہ ہوگی، بہت تاخیر سے حاصل ہوگی یا حاصل ہی نہ ہو سکے گی۔اب دوا اور غذا تجویز کرنا تو شیخ کامل کا کام ہے۔ہمارا کام اسے استعمال میں لانا اور پرہیز کا خیال رکھنا ہے اور خود کو اس کا پابند بنانا تا کہ اول الذکر دونوں اپنا اثر دکھا سکیں۔میری مراد آداب شیخ سے ہے جو بیعت ہو جانے کے بعد ہم پر لازم آتے ہیں۔اور جو مشائخ کا حق ہیں اور ہم پر فرض ہیں۔سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس ضمن میں سلف صالحین کا کیا وطیرہ رہا ہے اور کتب تصوف ہماری کیا رہنمائی فرماتی ہیں۔ یعنی مختلف مشائخ کا اپنے شیخ سے ادب کس طریق پر تھا اور ان کے نزدیک یہ ادب کیوں ضروری ہے؟۔

ادب کیوں؟:۔

مختلف مشائخ کا اس ضمن میں فرمان کچھ یوں ہے کہ:۔

1- الحدیث :۔

''بے ادب فضل رب سے محروم رہتا ہے''۔

2- صاحب "مقامات تصوف" فرماتے ہیں کہ:-

"اپنے پیرومرشد کی خدمت میں باادب رہنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ مرشد حقیقی درحقیقت نائب رسول ہوتا ہے"

3- حضرت مبارکؒ کا قول ہے کہ:-

ادب الخدمته اعزمن الخدمته	"آداب خدمت کو ملحوظ رکھنا خدمت کرنے سے بڑھ کر ہے اور زیادہ عمل کی نسبت ہم کو زیادہ ادب کی ضرورت ہے۔"

4- حضرت خواجہ ابوعلی وقاقؒ فرماتے ہیں :

العبد بطا عقبه يصل الى الجنته وبا ديه يصل الى الله	بندہ اطاعت سے جنت میں پہنچ جاتا ہے اور ادب سے حق سبحانہ تک پہنچ جاتا ہے۔

5- شیخ جلالؒ فرماتے ہیں:-

من لا ادب له لا شريعته له	"جس شخص کے پاس ادب کا حصہ نہیں اس کے پاس شریعت کا حصہ نہیں"

6- شیخ ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں:-

"اگر میں نے بادشاہ کی خدمت نہ کی ہوتی تو مشائخ کی خدمت نہ کرسکتا تھا اور اگر مشائخ کی خدمت نہ کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی خدمت نہ کرسکتا تھا"

7- شیخ محی الدینؒ ابن عربی فرماتے ہیں:-

"ایسے شخص کی صحبت و بیعت اختیار کرو جس کی عزت وعقیدت دل میں ہو، مجبور ہو کر کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو۔"

8- عوارف المعارف میں ہے کہ:-

"تصوف سارے کا سارا ہی ادب ہے اور ہر وقت کے لئے (علیحدہ) ادب ہے۔ ہر حال اور مقام کے لئے ادب ہے۔ جس نے ادب کو پکڑا وہ مردان خدا کے درجے کو پہنچا اور جو ادب سے محروم ہوا وہ خدا سے دور ہوا، مردود ہوا۔"

9- امام رازیؒ فرماتے ہیں:-

"شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے کیونکہ وہ دنیا کی آگ اور آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں"۔ (تفسیر کبیر)

10- حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں کہ :-

"مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ میں آج جو کچھ بھی ہوں صرف اس وجہ سے ہوں کہ میں نے کسی مرد کامل کی جوتیاں اٹھائی ہیں اور ربع صدی اپنے شیخ کی خدمت میں بسر کی ہے۔"

ادب کیسے ؟-

اب عملی مثالیں دیکھتے ہیں کہ ادب کرنے والوں نے اپنے اپنے شیخ کی خدمت کا حق کس کس طرح ادا کیا ہے۔

1- شیخ ابوعلی وقاقؒ جو امام قشیریؒ کے شیخ تھے اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے جو شیخ نصر آبادی تھے تو پہلے غسل کرتے اور پھر حاضر خدمت ہوتے۔

2- امام قشیری اپنے شیخ سے بھی ایک قدم بڑھے ہوئے تھے۔فرماتے ہیں:۔

''میں ابتدائی زمانہ میں جب بھی اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو روزہ رکھتا، پھر غسل کرتا، تب اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا۔کئی بار ایسا ہوتا کہ مدرسہ کے دروازے تک پہنچ جاتا مگر شرم وحیا کے مارے دروازے سے ہی لوٹ آتا۔اور کبھی جرات کر کے داخل ہو بھی جاتا تو مدرسہ کے وسط تک پہنچ کر بدن پہ ایسی سنسنی طاری ہوتی کہ ایسی حالت میں سوئی بھی چبھودی جاتی تو شائد میں اسے محسوس نہ کرتا۔''

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

''اکثر ان کی محفل میں جو سوال میرے دل میں ہوتا وہ از خود اس کا جواب بیان کر دیتے۔اور یہ معاملہ میرے ساتھ کئی بار ہوا۔اور اکثر میں سوچا کرتا کہ اگر بالفرض اس وقت مخلوق کی طرف اللہ کوئی رسول بھیج دے تو کیا میں شیخ سے بڑھ کر اس کی تعظیم کر سکوں گا؟ اور میرے تصور میں یہ بات نہ آتی کہ ایسا کبھی ممکن ہوسکتا ہے اور اس طویل عرصہ تقرب میں مجال ہے کہ کبھی میرے دل میں ان پر کسی قسم کا اعتراض بھی آیا ہو۔تا آنکہ ابوعلیؒ دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

(رسالہ قشیریہ)

2- شیخ ابوعمر زنمائیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''میں تیس سال تک حضرت جنیدؒ کے پاخانے کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا رہا۔اور میں اس خدمت پر فخر کرتا تھا۔''

4- منقول ہے کہ

''ایک بزرگ سے کوئی برا اور ناجائز فعل سرزد ہو گیا تو انھوں نے اپنے مرید سے کہا کہ ''بھائی تم نے مجھے ایسا فعل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے اب تم مجھ سے الگ ہو جاؤ اور کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں چلے جاؤ''۔

مرید نے کہا:

''حضرت میرے دل میں تو اس کا ذرہ بھر بھی وسوسہ نہیں گزرا۔میں نے تو آپکی صحبت عالم باللہ اور ناصح مشفق ہونے کی وجہ سے اختیار کی تھی اور میں آپ کو عالم طریقت جانتا تھا نہ کہ ''معصوم عن الگناہ'' اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرید اپنے زمانہ کا شیخ کامل بن گیا۔''

(مقامات تصوف)

5- شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جب اپنے نائب کے طور پر حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ کو ۱۲۹۷ھ میں ہند کی طرف واپس رخصت کیا تو اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر ان کے سر پر رکھ دی اور ساتھ ہی خلافت نامہ سربہ مہر حوالے کیا۔

''آپ نے اس عطیہ کو اس قدر احترام کے ساتھ قبول کیا کہ دستار مبارکہ کو اسی بندش پہ جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی سی لیا تاکہ اس کے بل جدا نہ ہوں۔اور بوجہ ادب جب تک آپ کے شیخ زندہ رہے کسی کو بیعت نہ کیا۔اور بعد میں آپ کا سلسلہ طریقت اطراف ہند سے نکل کر حجاز تک جا پہنچا۔یہاں تک کہ اہل حرمین شریفین نے بھی بیعت کی۔''

(اکمال الشیم)

6- حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، صاحب ''عوارف المعارف'' فرماتے ہیں کہ:

''مجھ کو بخار آتا تھا۔میرے شیخ عیادت کے لئے تشریف لاتے تھے تو مجھے ان کی عظمت اور تعظیم کے باعث عرق آجاتا جس سے میرا

بخار کم ہو جاتا''۔

آپ نے کتاب مذکور میں آدابِ شیخ پر بہت بڑی فصل لکھی ہے اور بہت سی باریکیاں اس حوالے سے بیان کی ہیں۔ایک جگہ اپنے شیخ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

''ایک روز میں حضرت مرشدنا المعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو غمگین اور چشم نمناک پایا۔موقع پا کر استفسار کیا تو فرمایا:

''روز مراقبہ میں اپنے کو حضرت صاحب علیہ رحمت کی خدمت میں دوزانوں بیٹھا دیکھتے تھے آج دیکھا کہ چہار زانو بیٹھا ہوں (اور اب) اس واسطہ روتا ہوں کہ کیا سوءادب سرزد ہوا جو ایسا دیکھا ہے۔''

7- حضرت حسان الدین جیسیؒ:

''یہ مولانا رومؒ کے مریدان خاص سے تھے۔اور اس پائے کے مرید تھے کہ مولانا روم خود انکا ادب بجالاتے کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ خود مولانا ان کے مرید ہیں۔اس کے باوجود وہ اپنے مرشد کا احترام اس قدر کرتے کہ پورے دس برس کی مدت میں ایک دن بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہ کیا۔شدت کے جاڑے پڑے ہوئے اور برف گری ہوتی مگر وہ گھر جا کر وضو کر کے آتے''۔

8- حضرت مولانا سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ:۔

آپ کا دستور ملاقات یہ تھا کہ جب کوئی درویش ملاقات کے لئے آتا اور آپ کو اطلاع دی جاتی تو آپ تھوڑا سا دروازہ کھول کر خلوت سے باہر آتے مصافحہ سلام کر کے واپس چلے جاتے بیٹھتے نہیں۔لیکن جب کوئی غیر درویش آتا تو آپ اس کے پاس بیٹھتے تھے۔ایک درویش کو یہ رویہ ناگوار گزرا۔اسکا یہ خطرہ آپ کو کشفاً معلوم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

''درویش فقیر کے ساتھ ہمارا قلبی تعلق ہے وہ ہمارے اہل سے ہے اس کے اور ہمارے درمیان مغائرت (غیر ہونا) نہیں ہے۔پس یہ قلبی تعلق اور موافقت کافی ہے ہم اس پہ اکتفا کرتے ہیں۔بس معمولی ظاہری ملاقات کافی ہے لیکن جو فقراء میں سے نہیں ہے اس کے ساتھ ظاہری رسوم و طرز معاشرت کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے۔یہ ظاہری رسوم نہ برتی جائیں تو اس کو وحشت ہو گی۔پس طالبِ حقیقت کا یہ فرض ہے کہ شیخ کے ساتھ حدود ادب کا خیال رکھتے ہوئے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرے''۔

(عوارف المعارف)

9- حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''میں نے شیخ ابوحفص نیشاپوریؒ کے پاس ایک بہت ہی خاموش انسان کو اٹھتے بیٹھتے دیکھا۔جو بالکل خاموش رہتا تھا۔جب میں نے کسی سے اس خاموش شخص کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص شیخ محترم کی خدمت میں رہتا تھا۔ہم سب کی خدمت کرتا ہے۔اس نے یہاں یہ دولاکھ درہم خرچ کر دیا۔اور مزید ایک لاکھ درہم قرض لے کر بھی خرچ کر دیا مگر شیخ مکرم اس قدر خدمت کے باوجود اس کو اب تک بات کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔اس لئے یہ یہاں بالکل خاموش رہتا ہے''۔

(عوارف المعارف)

10- شیخ ابومنصور مغربیؒ سے کسی نے پوچھا:۔

''آپ شیخ ابوعثمانؒ کی صحبت میں کتنے سال رہے؟''

انھوں نے فرمایا:۔

''میں ان کی خدمت میں رہا نہ کہ صحبت میں۔اس لئے کہ صحبت وہم نشینی تو روحانی بھائیوں اور اپنے اقران وامثال سے ہوتی ہے۔اور شیخ کی خدمت کی جاتی ہے۔میں شیخ کی خدمت میں رہا نہ کہ صحبت میں''۔

(رسالہ قشیریہ)

11- مولانا اسمٰعیلؒ شہید کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے مرشد کی مجلس میں شرکت کرنے اور بیٹھنے کو خلاف ادب سمجھتے تھے۔حضرت صاحب کی جوتیاں لیے ہوئے مجلس کے آخر میں بیٹھے رہتے۔اگر کبھی بیٹھے بیٹھے نیند آ جاتی تو وہیں جوتیاں سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور جب سید احمد شہید کی پالکی چلتی تو اس کے ساتھ دوڑا کرتے تھے۔اس کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔چاندنی چوک دہلی میں اس خاندان (شاہ ولی اللہ کے خاندان) کے ہزاروں سلامی تھے مگر حضرت شاہ صاحب کو اس کی ذرہ بھی پرواہ نہیں تھی''۔

(تعلیماتِ رحیمی)

12- حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ:۔

''مجھے بڑی اچھی طرح اس بات کا تجربہ ہے کہ ہم جب حضرت جیؒ سے ملتے تھے تو بالکل ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جیسے کسی پیاسے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا ہو۔پھر رفتہ رفتہ ہر دن اس میں تھوڑی تھوڑی کمی ہوتی جاتی اور ایک ایسا وقت آ جاتا کہ بے قراری سی لگ جاتی۔شیخ کے ساتھ جتنا تعلق، جتنی الفت اور جتنے زیادہ لمحات نصیب ہوں ہر لمحہ اپنی ایک الگ قیمت رکھتا ہے۔ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ صحبت شیخ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہاں بیٹھیں گے اور گپیں لگائیں گے ہنسی مذاق کریں گے۔نہیں بلکہ شیخ کے ہاں پہنچ جانا خلوص کے ساتھ بیٹھ رہنا اور توجہ کا حصول اصل مقصد ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آداب شیخ کی اقسام

آداب شیخ دوطرح پر ہیں

(1) اعقادات برائے مریدین

(2) آداب شیخ

اس فصل میں اعتقادات برائے مریدین کا جائزہ لیتے ہیں

حصہ اول۔اعتقادات برائے مریدین

عقیدہ عمل کی بنیاد ہے۔اس لئے شیخ سے متعلق درست عقیدہ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔یعنی نہ تو اسے اس کے مقام سے زیادہ مرتبہ دے اور نہ کم اور شیخ کو اس کا جائز مقام دینا اس کا حق ہے۔صحیح اعتقاد نہ رکھنے سے اکثر اوقات مرید نہ صرف فیض سے خالی رہ جاتا ہے بلکہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق بنتا ہے۔یہ بالکل ایسا ہی معاملہ ہے جیسے قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ درج ہے کہ نہ ماننے والے تو ان کی حیات مبارکہ میں انھیں مصلوب کرنے کے درپے تھے اور جو پیروکار ہوئے انھوں نے اپنے عقیدے میں اتنا غلو برتا کہ بعد میں خدا کا پیغمبر ماننے کی بجائے خدا کا بیٹا بنا ڈالا اور ان کی اس حرکت کے نتائج کا قرآن یوں نقشہ کھینچتا ہے کہ روز جزا اللہ کریم حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے:۔

انت قلت للناس اتخذو نی و امی الهین من دون الله	کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالو

تو وہ عرض کریں گے:۔

سبحانک ما یکون و لی ان قول ما لیس لی بحق ....ماقلت لهم الا ما امر تنی به ان عبدالله ربی وربکم	اے اللہ تیری ذات پاک ہے کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ میں ایسی بات کہوں جو نا حق ہے میں نے وہی کہا جو تو نے مجھے کہنے کا حکم دیا تھا کہ اللہ کو معبود سمجھو میرا اور تمھارا رب وہی ہے''

گویا دشمنوں کی دشمنی تو سوہان روح ہوتی ہی ہے لیکن دوستوں کی زیادتی بھی کم تکلیف دہ نہیں ہوتی بلکہ دشمنی تو کبھی ختم بھی ہوسکتی ہے کہ دشمن کو دشمنی کا احساس تو ہوتا ہے ممکن ہے کبھی توبہ کرلے راضی ہو جائے۔مگر عقیدت میں غلو ایسی بیماری ہے کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے کیونکہ آدمی اسے اپنی خوبی سمجھتا رہتا ہے اور ایک خوبی کو چھوڑنے کے لئے کوئی کیوں تدبیر کرے گا۔اس لئے مرید کو ان دونوں خطروں سے آگاہ رہنا ہوگا کہ نہ تو بے ادبی کا مرتکب ہو اور نہ ادب میں غلو کرے۔اس لئے اب یہ ضروری ٹھہرا کہ ان عقائد کا جائزہ لیا جائے جو ایک مرید کو اپنے پیر کے متعلق رکھنے چاہئیں۔

1- اپنے پیرکو دوسرے بزرگوں سے افضل سمجھنا:۔

اس مسئلہ میں صوفیاء دو طریق پر ہیں ایک تو وہ جن کا خیال ہے کہ اپنے پیر کو دوسروں سے افضل نہیں سمجھنا چاہئے اور دوسرے وہ جن کا خیال ہے کہ یہ نظریہ باطل اور غلط ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ:۔

وفوق کل ذی علم علیم	ہر ذی علم کے اوپر ایک زیادہ علم والا ہے۔

☆ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اس مسئلہ میں تطبیق کی جوصورت پیدا فرماتے ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ فرمایا:۔

فقیر یہ کہتا ہے کہ فضیلت دینا دوطرح پر ہے

1- ایک تو یہ کہ اپنا پیر بنا لینے کے اعتبار سے (دوسروں پہ فوقیت دی) اوراس صورت میں فضیلت اس معنی میں ہے کہ اپنے پیر کو خود اپنے حق میں اوروں سے زیادہ نفع بخش مانے، یہ بالکل صحیح ہے۔

2- بے اختیاری :

یہ کیفیت حالت جذب میں ہے یا پیر سے جب محبت کامل ہوگئی تو (اس فرط محبت کے باعث) عاشق کو اپنی نگاہ میں غیر محبوب کے فضائل کم ترنظر آنے لگے۔ تو اس صورت میں وہ معذور ہے کیونکہ نشہ محبت میں چور ہے۔ ان دو تاویلات کے سوافضیلت دینے کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(ارشادالطالبین)

☆ صاحب عمدۃ السلوک بھی بعینہٖ اس مسئلہ اوراس کی تطبیق کی تصدیق فرماتے ہیں:

اس ضمن میں مختلف مشائخ کی رائے کچھ یوں ہے کہ:۔

1- امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ شیخ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور شخص بھی (شیخ کامل) ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی ارادت میں کمی ہے۔''

(رسالہ قشیریہ)

2- مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کے طریقہ کو سب طریقوں پر اعلیٰ اور افضل سمجھے ورنہ اسے دوسرے طریقوں کا شوق ہو جائے گا اور یہ بات اس کے حق میں مضر ہوگی۔''

(مقامات تصوف)

☆ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید فرماتے ہیں کہ:۔

''جو شخص میرے پیر کی طرح کامل پیر رکھتا ہو، اس کو کسی دوسرے پیر کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ مگر پیر ناقص سے ضرور علیحدہ ہو کر دوسرے پیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی خدمت ومحبت میں بیٹھا جائے۔''

☆ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ:۔

''بغیر تربیت شیخ کے کوئی شخص منازل سلوک طے نہیں کرسکتا۔ پس اس کو شیخ کی خدمت وضرورت سے اس وقت تک علیحدہ نہیں ہونا چاہئے جب تک کہ وصول الی اللہ یعنی منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے۔''

☆ حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''عقیدت اکتساب فیض کے لئے شرط اولین ہے جب تک وہ اپنے شیخ پہ کامل اعتماد نہ رکھتا ہوگا۔ اس سے فیض کیونکر اٹھا سکتا ہے پس

اپنے قلب کو کلی طور پر اس سے وابستہ کرنا ہوگا۔ اگر کوئی ایسا شخص نصیب ہوتو پھر چاہئے کہ اس کے ساتھ اپنے کو وابستہ کر دیا جائے اور جہاں تک وہ منازل کرا سکتا ہو ضرور کروائے۔ اور (اپنے شیخ کے علاوہ) کسی بھی اچھے آدمی کی عزت کرنا، احترام کرنا، یہ مانع فیض نہیں ہے۔ مانع فیض یہ بات ہے کہ آپ کا شیخ کوئی ہو اور آپ کا دل کہیں اور بھٹک رہا ہو۔ تو (فیض) ادھر سے بھی نہیں ملے گا اور ادھر سے بھی نہیں ملے گا۔"

☆ توحید مطلب:

اعلیٰ حضرتؒ اکتسابِ فیض کے لئے جو شرائط بیان کرتے ہیں ان میں سے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ:

"طالب کے دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو اور وہ استقامت سے اس پر جما رہے۔ اصطلاح تصوف میں اسے "توحید مطلب" کہتے ہیں۔

پھر آپ حوالہ دیتے ہیں کہ:

"جامع اکرامات اولیاء اللہ میں ہے کہ "مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ راسخ القدم ہو۔ اسے کوئی چیز اس راہ سے نہ ہٹا سکے۔ اپنے شیخ سے متعلق اس کی عقیدت میں کمی نہ آئے، حتیٰ کہ حضرت خضرؑ بھی سامنے آ جائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرے۔"

2- اعتراض مانع فیض:۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ:

"مرید کو اپنے شیخ پہ اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ فیض اٹھانے میں رکاوٹ بن جاتا ہے اس کی دلیل حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے۔"

حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے فیض حاصل کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے موسیٰ سے یہی کہا کہ جو کچھ میں کروں تم اس پر اعتراض ہرگز نہ کرنا۔

قرآن میں ہے کہ:۔

انک لن تستطیع معی صبرا و کیف تصبر علی ما لم تحط به خبرا	میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے، اور جس چیز کی تمھیں خبر نہ ہو اس پر صبر آخر کر بھی کیسے سکتے ہو

تو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اس کے بعد حضرت خضرؑ نے کہا جو کچھ میں کروں اس پہ بالکل اعتراض نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کی اصلیت سے آپ کو واقف نہ کرا دوں۔ پس حضرت موسیٰؑ نے ان پہ اعتراض کیا تو اسی وجہ سے دونوں میں جدائی ہوگئی۔

هذا فرق بيني وبينك	یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا نقطہ ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ پیر (شریعت پہ) استقامت والا ہو اور متقی ہو اس کے باوجود عمر بھر کوئی بات اس سے خلاف شرع ظاہر ہو جائے تو ایسی صورت میں اس پہ اعتراض نہ کرے بلکہ اس کی تاویل کر لے اور ہو سکے تو کسی عذر پر محمول کر لے، لاعلمی وغیرہ۔

(ارشاد الطالبین)

☆ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ:۔

"بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ اور بہتان ہے"۔

پیشِ نظر چاہئے کہ ممکن حد تک پیر کی خطا کو مجبوری پہ محمول کرے یا سکر (بے خودی) کی حالت پہ یا مجاز پر اور یا اپنے اس کی تاویل سے واقف نہ ہونے پہ محمول کرے۔

☆ لیکن اس ضمن میں یہ احتیاط ضرور پیشِ نظر رکھی جائے جیسا کہ صاحب عمدۃ السلوک "ارشاد الطالبین" کی تائید میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا دھیان ضرور رکھا جائے کہ

اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس کی عادت وطریقہ ہی فسق وفجور ہو تو بے شک ایسا شخص ہرگز ہرگز ولی نہیں ہے اور نہ ہی ایسے کاموں اور باتوں کی (جو اس سے خلاف شرع سر زد ہوں) کوئی وجہ نکالنی یا تاویل کرنی ضروری ہے۔''

اعلیٰ حضرتؒ نے ''دلائل السلوک'' میں جو نقاط بیان فرمائے ہیں وہ اس موضوع پہ مزید روشنی ڈالتے ہیں، فرمایا:۔

''شیخ سے کوئی بات پوچھے تو سیکھنے کی غرض سے اور طالب علمانہ انداز میں پوچھے۔اعتراض کے طور پر ہرگز ہرگز سوال نہ کرے کیونکہ شیخ پہ اعتراض مانع فیض ہے''۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں:۔

''جس شخص نے شیخ کے جواب کا احترام ملحوظ نہ رکھا وہ شخص شیخ کے فیض سے محروم ہو گیا۔اور جس نے شیخ کے جواب میں نہیں کہہ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا''۔

(عوارف المعارف)

بلکہ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے کہ:۔

''اگر شیخ کی رائے سے بہتر کوئی صورت سالک کی معلومات میں ہو تو شیخ کی بات کو رد نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ اس مسئلے کی ایک اور صورت بھی ہے (شائد آپ کو بہتر لگے) ممکن ہے وہ بہتر ہو''۔

(دلائل السلوک)

تعلیمات رحیمی میں ہے کہ:۔

''مرشد کی کسی بات پہ اعتراض نہ کرے،اگر شیخ سے کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو کسی بہانہ سے پوچھے، برملا نہ کہے شیخ میں کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپا دے اور کچھ تاویل کر لے،اگر شرع میں تاویل نہ ہو تو شیخ کے واسطے استغفار کرے اور نیکی کی دعا مانگے اور اس کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہ کرے،دوبارہ خدمت میں جائے تو یقین کر لے کہ اللہ نے اس عیب کو شیخ سے دور کر دیا ہے اور اس سے عمدہ رتبہ دیا ہے۔''

بزرگوں میں یہ قول تک پایا جاتا ہے کہ:۔

''القطب قد یزنی''،قطب سے بھی کبھی زناء صادر ہو سکتا ہے''

جیسا کہ اصحاب رسول ﷺ کا واقعہ ہے کہ حضرت ماعزؓ سے زنا واقع ہوا،اللہ نے انھیں توبہ کی توفیق بخشی اور انھوں نے خود کو سنگسار کروالیا۔

پس سوائے انبیاء کے کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے اور ایسا اعتقاد رکھنا ناجائز اور غلط ہے۔

☆ مقامات تصوف میں ایک واقعہ درج ہے کہ:۔

''ایک بزرگ سے کوئی ناجائز فعل سرزد ہو گیا تو انھوں نے مرید سے کہا تو نے مجھے ایسا فعل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے اب تو مجھ سے الگ ہو جاؤ اور کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں چلے جاؤ،مرید نے کہا حضرت میرے دل میں تو اس کا ذرا بھی وسوسہ نہیں گزرا۔نیز میں نے آپ کی صحبت عالم باللہ اور ناصح مشفق ہونے کی وجہ سے اختیار کی ہے اور میں آپ کو عالم طریقت جانتا ہوں نہ کہ معصوم عن الگناہ۔''

اور نتیجتاً اس مرید پہ ایسا حال مفتوح ہوا کہ وہ اپنے زمانے کا شیخ کامل بن گیا۔اس لیے مرید کو لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کے اسرار کو پوشیدہ رکھے اور بلا اجازت ظاہر نہ کرے۔اسکی تعلیمات کا خلوص کے ساتھ اتباع کرے اور اس پہ نہ خود اعتراض کرے نہ دوسروں سے سنے۔

3- ولی بھی پابند شرح ھوتا ھے :-

ولی اللہ بھی اسی طرح شریعت کے احکامات کا پابند ہوتا ہے جس طرح کہ ہر مسلمان ہے۔اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

☆ صاحب عمدۃ السلوک صرف ایک رعائت دیتے ہیں کہ:۔

''ولی بھی پابند شرع ہوتا ہے سوائے مجذوب کے اگر کوئی ولی مجذوب ہو جائے تو چونکہ اس سے عقل لے لی گئی تو اس لیے وہ اس پابندی سے الگ ہو گیا''

گویا مجذوب کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کسی دیوانے یا ذہنی طور پر معذور شخص کا ہوتا ہے جبکہ شریعت پہ عمل کے لیے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے۔

☆ نیز عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''شریعت کی پابندی تو ایسی ہے کہ یہ نبیوں تک سے دور نہیں ہوتی۔''

ایک روایت ہے کہ آنحضرت پر تہجد کی نماز بھی واجب تھی اور شرعی پابندیاں بھی آپ پر واجب تھیں۔پس سالک جس قدر شرع کی پابندیوں کو برداشت کرے گا اسی قدر خدائے تعالیٰ کی نزدیکی میں ترقی کرتا جائے گا۔

☆ یہاں تک کہ مشائخ مرشد کامل کے لئے نہ صرف شرع پہ مکمل طور پہ کاربند ہونے کی شرط لگاتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کو شرع کی پابندی کا حکم بھی کرتا ہو اور خلاف شرع جانے سے روکنے والا ہو جو نام نہاد پیر ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے برخلاف کرتے ہیں تو ایسے جہلا کو صاحب مقامات تصوف خوب آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ:۔

''فی زمانہ اکثر پیر اپنی وضع قطع خلاف شریعت رکھتے ہیں ،نماز نہ پڑھنا یا گاہے پڑھنا، داڑھی کے بغیر ہونا یا داڑھی منڈواتے رہنا وغیرہ وغیرہ تو چاروں آئمہ کے نزدیک ایسا شخص فاسق کہلاتا ہے، نیز جو جہلا یہ کہتے ہیں کہ ''ہمارے میاں صاحب نماز پنجگانہ مکہ میں ادا کرتے ہیں اس لئے انھیں یہاں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں یا کہتے ہیں کہ :

؎ نماز عاشقاں ترک وجود است

تو حق تعالیٰ ایسے گمراہ پیروں اور ان کے ماننے والوں کو ہدایت دے۔جب نبی کریم بھی عبادت سے مستثنیٰ نہیں رہے تو کسی اور کو ایسا کرنے کی کہاں مجال ہے۔

جبکہ حدیث پاک ہے کہ:۔

''اگر موسیٰؑ وعیسیٰؑ زندہ ہوتے اور میرے زمانہ میں ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بنا چارہ نہ ہوتا''۔

بس تو پھر ہماوشما یہ دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں۔''

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ کے لئے ضروری ہے کہ صحیح العقیدہ ہو کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے اور متبع سنت ہو۔کیونکہ سارے کمالات حضورؐ کی سنت سے حاصل ہوتے ہیں۔''

(دلائل السلوک)

امام الطریقت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ''فیوض یزدانی'' میں فرماتے ہیں :

''جو شخص حضور ﷺ کا اتباع نہ کرے اور ایک ہاتھ میں سنت رسول ﷺ اور دوسرے ہاتھ میں کتاب اللہ نہ تھامے، اور عبادت

الٰہی میں اطاعت رسول ﷺ نہ کرے وہ ہلاک اور گمراہ ہوا۔صرف کتاب وسنت اللہ کے راستے ہیں۔''

4- بزرگوں سے مدد طلب کرنا :۔

اولیاءکرام کے نام سے منت مانگنا یا نذر مقرر کرنا یا پھر کسی اور طریقے سے مدد یا مراد طلب کرنا ناجائز ہے حرام ہے۔بلکہ ''عمدۃ السلوک'' میں تو ہے کہ:۔

''یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہے تو ہرگز ہرگز پورا نہ کرے جہاں تک ہو سکے اس گناہ سے بچے''۔

اس پہ دلیل یہ قائم کی جاتی ہے کہ:۔

قرآن میں ہے کہ :

ایاک نعبد و ایاک نستعین	اے خدا ہم صرف تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں

اسی دلیل کو بنیاد بنا کر قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :

''نہ غیر خدا کی عبادت جائز ہے نہ غیر حق سے مانگنا جائز ہے،لہٰذا اولیاء کی نذر ماننا جائز نہیں ، کیونکہ نذر عبادت ہے۔اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی تو اس کو پورا نہ کرے کیونکہ گناہ سے امکان بھر بچنا واجب ہے''

نیز آپؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قبروں کے گرد چکر لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ (یہ طواف کی صورت ہے)اور بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے،حدیث پاک ہے کہ :

الطواف بالبیت الصلوٰۃ	طواف بیت اللہ نماز ہی کا حکم رکھتا ہے۔

درست طریقہ:۔

''اگر نذر یا منت ماننا مقصود ہو تو نذر اللہ کے واسطے مقرر کرنی چاہئے اور کھانا غریبوں کو کھلا دینا چاہئے۔پھر اس کا ثواب جس بھی بزرگ کو چاہے پہنچا دے کیونکہ صدقہ دینا اور ثواب پہنچانا یا بخشنا بجائے خود جائز اور احسن عمل ہیں بشرطیکہ کھانا غربا میں تقسیم کیا جائے اور نیت خالص اللہ کے لئے ہو اور اولیاء کی نذر ماننا جائز نہیں ہے''۔ (عمدۃ السلوک)

شیخ المکرم اس ضمن میں بہت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں:۔

''یہاں زندوں کی تو خبر کوئی نہیں لیتا اور قبروں پہ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اتنا نہیں جانتے کہ اگر صاحب قبر عذاب میں گرفتار ہے تو پھر اسے تم سے بڑی مصیبت درپیش ہے اسے فرصت کہاں؟اور اگر نجات میں ہے تو وہ تو پہلے ہی دنیا سے جان چھڑا کر ایمان بچا کر لے گیا۔اب تمھارے کہنے سے وہ اس نجات اور اس کے انعام واکرام کا لطف وسرور چھوڑ کر کیا پھر سے دنیا کی طرف رجوع کرے گا۔ اس لئے جو بھی مانگنا ہے اپنے رب سے مانگو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تمہارا رزق،عمر،صحت سب اپنے ذمے لیا ہے''۔

5- غیر اللہ کو پکارنا یا زندہ ومردہ اولیاء سے دعا مانگنا :۔

قاضی پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''زندہ یا مردہ اولیاء سے اور انبیاء سے دعا مانگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

الحدیث:۔

''الدعاء ھوا العبادہ'' اللہ سے دعا مانگنا عبادت ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ :

وقال ربکم ادعونی استجب لکم داخرین	تم مجھ سے مانگو میں تمھاری سنوں گا۔یقیناً جولوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہوکر داخل ہوں گے"۔

اللہ کریم خود وعدہ فرماتے ہیں کہ:۔

فادعونی اجیب الدعوۃ الداعی اذا دعان	پس مجھ سے مانگو میں دعا قبول کرتا ہوں مانگنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے

اس سے بڑھ کر بھی کوئی وعدہ ہوسکتا ہے یا اس سے بڑھ کر منعم حقیقی ہوسکتا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ کر کسی اور کے در پہ کیوں جایا جائے ،کیا یہ اس کے غضب کو دعوت دینے والی بات نہ ہوگی ۔ہاں اس کے مقرب بندوں کا واسطہ دے کر یا ان کے طفیل کوئی چیز مانگی جائے تو یہ جائز ہے لیکن بذات خود ان اولیاء سے مانگنا کفر ہے کیونکہ اللہ کریم اس پہ سخت سرزنش فرماتے ہیں۔قرآن میں ہے کہ :۔

ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم o	خدا تعالی کے سوا لوگوں سے جو تم مانگتے ہو تو وہ بھی تمھاری طرح کے بندے ہیں "(انکو اس کی قدرت کہاں کہ وہ کسی کی ضرورت پوری کرسکیں)

غیر اللہ کا ذکر :۔

حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے ،بعض جہلا جو شیخ عبد القادر جیلانیؒ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیاء اللہ کا ورد کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہے ۔بلکہ کفر وشرک ہے"۔

عمدۃ السلوک میں ہے کہ :

"بعض لوگ" جو یا شیخ عبد القادر جیلانی شیاء اللہ یا خواجہ شمس الدین شیاء اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض علماء تاویلات کر کے اس کو جائز کہتے ہیں ۔لیکن چونکہ اس میں کفر وشرک کا شائبہ پایا جاتا ہے خصوصاً عوام کے حق میں مضرت زیادہ ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے"۔

ایک اہم نقطہ:۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بزرگوں کے وسیلے سے دعا مانگنا البتہ جائز ہے ،پس اگر یہ کہا جائے کہ:۔

"یاالٰہی !خواجہ شمس الدین پانی پتی کے طفیل میری فلاں حاجت پوری فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں" ۔ (عمدۃ السلوک)

ایک احتیاط :۔

حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر کوئی کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کہتا ہے اور اس کے ساتھ "علی ولی اللہ" یا ابوبکر ولی اللہ" کہتا ہے تو اس پر تعزیر (سزا) ضروری ہے چاہئے کہ حضور ﷺ کا ذکر بھی ایسے طریقے سے کیا جائے جو شریعت میں آیا ہے (مثلاً اذان ،اقامت ،تشہد میں یا درود شریف وغیرہ) لیکن اگر کوئی شخص بطور وظیفہ کے یا محمد ،یا محمد ،یا محمد کہے تو یہ جائز نہ ہوگا"۔

(ارشاد الطالبین)

تو گویا ایک مخصوص انداز اور الفاظ کے ساتھ یا اس مراد و مقصد کے ساتھ کسی بزرگ یا ولی اللہ کا نام لینا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں انکی سیرت کا تذکرہ کیا جائے، اقوال و اخلاق کا تذکرہ کیا جائے یا ان کی محبت کو اپنے دل میں رکھا جائے اور ممکن حد تک پیروی کی جائے تو سب درست اور جائز ہے ورنہ اس ضمن میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ بلکہ میں نے حضرت شیخ المکرّم سے بارہا سنا ہے کہ:-

''ایسا کام ہی ترک کردو جس کے بارے میں (آئمہ کی) دو آراء پائی جاتی ہوں ان میں سے کوئی ایک تو ٹھیک ہوگا اور یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون درست ہے۔ ہمارے لئے حضورؐ کا یہ حکم کافی ہے کہ جس میں شک ہو اس سے بچو۔''

نوٹ :-

اس ضمن میں مزید ایک بات بتانا یہاں ناگزیر ہے کہ بعض لوگ تو بدعت کی حد تک قبروں سے وابستہ ہیں اور اس کے **Reaction** میں ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا ہے جو سرے سے قبروں پر جانے اور دعا مانگنے تک کے خلاف ہو گئے ہیں تو یہاں چونکہ لمبی بحث کا موقع نہیں ہے اس لئے از روئے ''دلائل السلوک'' مختصراً قبروں پہ جانے اور دعا پڑھنے کا درست طریقہ دیا جا رہا ہے۔ جس کو تفصیل کی حاجت ہو تو وہ اعلیٰ حضرت کی کتاب ''دلائل السلوک'' (صفحہ نمبر ۲۴۳) سے رجوع کرے۔

اعلیٰ حضرتؒ کی مفصل بحث کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:-

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا مسنون ہے، قبر کے پاس جا کر دعا کرنے کے سلسلے میں حضورؐ کی سنت فعلی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:-

''حضورؐ رات کو جنت البقیع میں گئے۔ تو میں آپ کے پیچھے چلی گئی وہاں آپؐ دیر تک کھڑے رہے اور ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا مانگی''

''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگنا مسنون ہے نیز قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگی جائے تو قبول نہ ہوگی اور جب دعا مقبول نہیں تو میت کو ثواب کس چیز کا پہنچے گا''

پس قبروں پر جانا، دعا پڑھنا، ثواب بخشنا یا صاحب قبر اگر مقبول و معروف ہستی ہیں تو ان کے طفیل دعا مانگنا یہ سب جائز اور درست ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اس سب کے لئے قبر پہ حاضری ضروری یا شرط نہیں ہے آپ گھر بیٹھے بھی صاحب قبر کے حق میں دعا کر سکتے ہیں اور ثواب بھی بخشا جا سکتا ہے۔

6- اولیا علم غیب کلی نہیں جانتے :-

اولیاء اللہ علم غیب کلی طور پر نہیں جانتے اگرچہ بعض باتوں کا حال انہیں خلاف عادت معلوم ہو جاتا ہے کبھی کشف کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے اور کبھی الہام کی صورت میں۔ اللہ ان کے دل میں جو چاہتا ہے باتیں اُتار دیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اولیاء عالم الغیب ہوتے ہیں۔

☆ بلکہ صاحب ''عمدہ السلوک'' فرماتے ہیں کہ

اولیاء کو کلی غیب کا جاننے والا سمجھنا کفر ہے

اور قرآن بھی اس بات پر گواہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا یحیطون بشیءٍ من علمه الابما شآء	یعنی نبی اور فرشتے اللہ کے علم کا احاطہ بالکل نہیں کرسکیں گے مگر جس چیز کا علم انہیں اللہ چاہتا ہے دیتا ہے

☆ گویا اولیاء تو کیا انبیاء اور فرشتے تک عالم الغیب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھنا درست ہے۔ مثلاً:-

جس حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب یوسفؑ کنعان کی بغل میں ایک کنویں میں پڑے تھے تب تو حضرت یعقوبؑ کو ان کی موجودگی کی خبر نہ ہو سکی لیکن مدتوں بعد حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنی اصلیت آشکار کی اور اُن کے ہاتھ میں اپنا کرتہ اپنے والدِ گرامی کی تسلی و تشفی کے لئے بھجوایا تو قافلہ ابھی مصر سے چلا تھا اور

آپؑ نے کنعان میں پکارنا شروع کر دیا "مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے پس کوئی بھی اللہ کے علم کا مطلق احاطہ نہیں کر سکتا اور وہ جس چیز کا چاہتا ہے علم عطا فرماتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اتنا علم عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح تخلیق آدم کے وقت فرشتوں کی بحث کے جواب میں اللہ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ :۔

انی اعلم مالا تعلمون	بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :۔

"اولیاء علم غیب نہیں رکھتے البتہ بطور کرامت بعض غیب کی باتوں پر ان کو کشف یا الہام کے ذریعے مطلع کر دیا جاتا ہے (لیکن اس کے پیش نظر) اولیاء کے علم غیب کا اعتقاد کفر ہے۔"

کیونکہ حضور اکرم کو قرآن میں حکم ہو رہا ہے کہ

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ و لا اعلم الغیب	اے محمدؐ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا میرے پاس خزانے ہیں کہ جس کسی کو چاہوں دے دوں اور یہ (بھی) نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم حاصل ہے۔

☆ فیض الباری میں ہے کہ :۔

"غیب کی چابیاں اس کے اپنے پاس ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کسی نبی کو خبر نہیں دی (اس لئے) اس کے بغیر انہیں کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ انبیاء کرام شریعت کے احکام بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اس لئے ان کے منصب کے مطابق شریعت کے علوم ہی ہیں امور تکوینی نہیں"

مثلاً جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اولیاء سے متعلق "فیض الباری" میں ہے کہ :۔

"جزئیات کا علم اپنے اولیاء کو بھی دے دیتا ہے کیونکہ جزوی علم درحقیقت علم (علم غیب یا کلی) نہیں ہے کیونکہ وہ قابل تغیر اور تبدل ہے۔

گویا اولیاء اور انبیاء کو جزوی واقعات کے متعلق اطلاع عند اللہ ہوتی ہے۔"

☆ "دلائل السلوک" میں اس موضوع پر کشف کے باب میں بہت مفصل بحث ملتی ہے مثلاً :۔

ایک سوال :۔

کیا یہ علم غیب نہیں کہ کشف سے کسی کے دل کی بات معلوم کر لی جائے۔

جواب :۔

اعلیٰ حضرتؒ اس کو علم غیب نہیں مانتے اس لئے کہ یہ غیب کی تعریف پہ ہی پورا نہیں اترتا۔

1- علم غیب کی تعریف

لا یعرف بالحواس اظاھرة و لا ببداھة العقل	(علم غیب وہ ہے) جو نہ تو حواس ظاہری سے اور نہ ہی عقل کی روشنی میں معلوم ہو سکے

یعنی جس کو ظاہری آنکھیں دیکھ لیں یا عقل کی روشنی میں سمجھ آ جائے وہ غیب کی تعریف میں نہیں آتا۔

2- علم غیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ :۔

"وہ علم اس کا ذاتی ہو کسی واسطہ یا ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو"۔

(یعنی جب اللہ نے اطلاع دے دی تو وہ علم غیب نہ رہا)

3- تیسری خصوصیت یہ ہے کہ:۔

''(وہ علم) حادث ہو نہ اس کی ابتدا ہو نہ انتہا ہو''

''پس جو علم ذاتی نہ ہو بلکہ وحی، کشف الہام یا خواب کے ذریعے حاصل ہوا سے علم غیب کہنا ان لوگوں کا کام ہے جو سراپا جہالت ہیں اور جنہیں علم کی ہوا بھی نہ لگی ہے نیز فرمایا کہ'' کچھ بر خود غلط قسم کے لوگ علم حقائق و اسرار کو علم غیب جانتے ہیں جو کہ خدا کا خاصہ ہے' اس لئے وہ کشف سے انکار کر دیتے ہیں تو یہ بحث اس کا علمی جواب ہے۔''

(دلائل السلوک)

☆ حافظ بن قیمؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''یہ علم غیب نہیں بلکہ علامہ الغیوب نے اس قلب میں ڈالا جس کو نور بشارت دیا ہوا ہے''۔

☆ غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

''جس شخص کا ایمان جم جاتا ہے اور یقین قوی ہو جاتا ہے وہ معاملاتِ قیامت کو جن کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے ایسے دیکھتا ہے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو اور وہ تمام چیزوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسے کہ وہ حقیقت میں ہیں'' اور اعلیٰ حضرت اس حوالے سے فرماتے ہیں۔''

(دلائل سلوک)

یہی اہم بات ہے کہ جوگیوں اور بے دینوں پہ حقائق اشیاء منکشف نہیں ہوتے۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''باتباع الرسول اگر مشاہدہ کسی کو نصیب ہو گیا تو اس کا مقصد احکام الٰہی کی مزید تفصیل وتشریح پانا ہے، یہ حصول علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ وہ چیزوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسے کہ وہ حقیقت میں ہیں۔''

غلط استعمال اور سزا:۔

جسے عالم الغیب بننے کا شوق ہو تو اس کے لئے حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں:۔

''اگر مشاہدہ کسی کو نصیب ہو گیا۔۔۔تو کسی کی چوری ہو گئی اس کو تلاش کیا جائے، کسی کا بچہ گم ہوا وہ کہاں ہے کسی کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ تو (جان لو) مشاہدہ ان کاموں کے لئے نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کاموں پر آزمانا چاہے تو اس سے یہ نعمت واپس لے لی جاتی ہے جیسے آپ کسی کو اسلحہ دیں اور وہ بندوق سے کھیاں مارنا شروع کر دے تو آپ کب تک اُسے اپنا اسلحہ دیئے رکھیں گے۔''

7- نقص نکالنا اور ادب نہ بجالانا حرام ہے۔

☆ ادب بجالانے سے متعلق ''مقامات تصوف'' میں ہے کہ:۔

علم باطن کا حاصل کرنا فرض ہے اور بیعت ہونا سنت ہے لہذا کسی مرشد کامل سے بیعت ہونے کے بعد حصول فائدہ کے لئے کچھ عرصہ تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں باادب رہنا چاہیئے۔ کیونکہ مرشد حقیقی نائب رسول ہوتا ہے (اور اپنے شیخ سے) اس تعلق کے فرض کو بحسن وخوبی انجام دینا ادب ہے۔ اسلام کی تمام تر بنیاد ادب پر ہی ہے گویا چونکہ ولی نائب رسولؐ ہوتا ہے تو نائب کا احترام بھی ویسا ہی ہوگا جیسا اس ہستی کا ہے جس کا وہ نائب ہے اور اس کا ادب نیابت کے سبب سے ہوگا۔ تو نائب کا ادب

کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا خود اس ہستی کا ادب کیا جا رہا ہو جس نے اسے مقرر کیا۔

جیسا کہ رسول اللہ کی بے ادبی قرآن نے حرام ٹھہرائی ہے تو اس کے پیشِ نظر آپ کے مقرر کردہ نائب کی بے ادبی بھی حرام ٹھہری۔

☆ اسی بات کو قاضی ثناء اللہ پتیؒ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''پیغمبر کی محبت اس لئے فرض کی گئی ہے کہ وہ خدا تک پہنچانے والا ہے اور اس کی محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے اس کی معیت اللہ کی معیت کا سبب ہے۔'' اسی طرح پیر کی محبت بھی فرض ہے کہ وہ پیغمبر کا نائب ہونے کی وجہ سے اللہ اور اس کی محبت تک پہنچانے والا ہے۔ چونکہ وہ نائب پیغمبر ہے لہذا وہی آداب اس کے ساتھ بھی ملحوظ رکھے۔''

(ارشاد الطالبین)

☆ ''مقاماتِ تصوف'' میں محبت کو ادب سے اور ادب کو سلوک سے اس طرح منسلک کیا گیا ہے کہ بیان ہوا ہے کہ :۔

''مرید اپنے شیخ کا ادب جس قدر زیادہ کرے گا اتنی ہی محبت بڑھے گی اور جیسے جیسے محبت بڑھتی جائے گی اس کو کمال حاصل ہوتا جائے گا۔''

''شریعت و طریقت اور تصوف و سلوک سب مجموعہ آداب ہیں جب تک حقوق و آداب کی رعایت نہ کی جائے گی کچھ حاصل نہ ہوگا (کیونکہ) بے ادب کسی مقام اور درجہ تک نہیں پہنچتا بلکہ رحمتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔''

☆ اعلیٰ حضرتؒ اس نقطے کو اور زیادہ کھول کر بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''تحصیلِ علم کے دوران اگر ایک شاگرد کے دل میں استاد کے لئے احترام نہیں ہے تو حصولِ علم میں کچھ رکاوٹ نہ آئے گی لیکن ایک سالک کو اپنے شیخ سے جس قسم کا قلبی تعلق ہوتا ہے اس میں اگر معمولی سا بھی فرق آ جائے تو حصولِ فیض میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔''

(دلائل السلوک)

☆ گویا بے ادبی مانعِ فیض ہے

مانعِ فیض ہونے کی وضاحت حضرت شیخ المکرم اس طرح فرماتے ہیں کہ :۔

''مانعِ فیض وہ چیز ہے جو شیخ کی طرف سے آنے والے انوارات کو روک دے، خطا کرنے سے برکات میں نقصان ہوتا ہے لیکن وہ مانعِ فیض نہیں ہوتیں (نیز) توبہ سے کمی پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر شیخ کے ساتھ تعلق اور عقیدت میں کمی آ جائے اور دراڑ پڑ جائے تو یہ مانعِ فیض ہوتی ہے۔ شیخ کی طرف سے آنے والا فیض مجروح ہو جاتا ہے۔ جتنی بڑی دراڑ ہوگی اتنی بڑی دیوار بن جائے گی۔''

پس مرید کے لئے اعتراض تو در کنار اگر دل میں اپنے شیخ سے متعلق وسوسہ یا برا خیال بھی آ گیا تو حصولِ فیض میں رکاوٹ بن جائے گا۔

☆ جہاں تک غیر معتقد کی بات ہے تو مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

''اسے بھی چاہئے کہ اگر صوفیاء کا قائل نہیں ہے تو اعتراض بھی ہرگز نہ کرے اور نہ مخالفت کرے۔ بس خاموش رہے'' (ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے)''

جب ادب نہ بجالانے سے اتنا نقصان ہو سکتا ہے تو اعتراض کرنا تو اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لینے کے مترادف ہوا۔

☆ پس تعلیماتِ رحیمی میں ہے کہ :۔

''شیخ کی طرف سے جو کچھ دیکھے اس پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کے اسرار (توجیہہ) (یا حکمت) سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش

کرے۔اگر دل میں کوئی خطرہ یا سوال پیدا ہو تو اس کو بلا قیل وقال شیخ پر ظاہر کر دے“

☆ حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

”تصوف کا مسئلہ یہ ہے کہ (اخلاص ودلجمعی کے ساتھ) شیخ کی تعلیمات کا اتباع کیا جائے چاہے وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے“

مزید فرماتے ہیں کہ :۔

”لیکن اس (اصول) میں میری ایک ترمیم ہے جو اہل طریقہ سے تو منقول نہیں لیکن ضروری ہے۔شریعت ایسی چیز نہیں کہ بے سمجھے اس کے خلاف کیا جائے۔اگر شیخ کی تعلیم میں خلجان (یعنی اعتراض واشکال) پیدا ہو تو اول تو خود اس کو دور کرنے کی کوشش کرے اگر دور ہو جائے تو ٹھیک ورنہ شیخ کے سامنے ادب کے ساتھ اپنا خلجان پیش کرے۔اگر وہ سچا شیخ ہوگا تو اشکال دور کرنے کی کوشش کرے گا۔اگر اس کے باوجود اطمینان نہ ہو تو پھر شیخ کو چھوڑ دینا چاہئے۔اگر احتیاط سے شیخ کا انتخاب کیا ہو تو پھر ایسی نوبت کم ہی آتی ہے کہ محقق شیخ خود الزام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔“

(تعلیمات حکیم الامت)

☆ ”روح تصوف“ میں آداب صحبت کے ضمن میں بیان ہے کہ :۔

”پس جو شخص کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو مرتبہ میں اس سے بڑا ہے تو اس کے لائق یہ ہے کہ (اس کے افعال واقوال) پر اعتراض نہ کرے (بلکہ) جو کچھ بھی اس سے ظاہر ہو اس کو کسی اچھے محمل پہ محمول کرے اور اس کے احوال کی تصدیق کرے۔“

8- پیر کے ادب میں غلو حرام۔

☆ قاضی ثناءاللہ پتیؒ یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ :۔

”جس طرح مشائخ کے ادب واحترام میں کمی اور کوتاہی حرام ہے اسی طرح (اُن کے آداب میں) غلو (یعنی زیادتی) بھی حرام ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ کی شان میں کوتاہی لازم آجاتی ہے۔نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ کی تعظیم میں زیادتی کی اور ان کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا (یا جس طرح یہود حضرت عزیز کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں) تو اس سے حق تعالیٰ کے آداب میں تقصیر (کمی) لازم آگئی اور انبیاء کی شان میں زیادتی لازم ہو گئی نیز اُن کے اصلی مقام ومنصب کی تردید ہو جاتی ہے۔“

(ارشاد الطالبین)

☆ صاحبِ عمدۃ السلوک ”روافض“ کی مثال دیتے ہیں کہ :۔

”اسی طرح رافضیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بڑھا کر یہاں تک کہا کہ (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ اُن میں حلول کر گیا۔اور اُن میں سے بعض یہاں تک بھی قائل ہیں کہ اُن کے پاس وحی آتی تھی اور بعض نے اُن کو دیگر صحابہ کرام (یعنی ماخلف تینوں خلفائے راشدین) سے بھی بڑھا دیا اور افضل قرار دیا۔ان تمام باتوں سے اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی لازم آتی ہے جو (یقیناً) بہت بڑا گناہ ہے۔“

شیطان کا وار :

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :۔

”شیطان سب سے زیادہ محنت اس بات پر کرتا ہے کہ شیخ وسالک کے درمیان تعلق کو خراب کر دے یا تو اس کے آداب میں غلو (زیادتی)

کر کے اور شیخ سے بدظن کر کے مختلف قسم کے اوہام اور تہمتیں لگا کر شیخ سے بدظن کر دے۔ تا کہ سالک کو جو تحفظ اس نسبت سے حاصل ہے اس سے محروم ہو جائے اور میں اسے اپنی طرف سے گھسیٹ لوں۔ ''اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے عقائد پر اس کی دسترس نہ ہو، ہماری عقیدت پر اس کی رسائی نہ ہو اور ہمارے اعمال اس سے محفوظ رہیں تو باقی باتیں تو قابل برداشت ہیں''۔

پھر آپ اعلیٰ حضرتؒ کا قول کوٹ (Quote) کرتے ہیں کہ

''اگر اس کا سالک پر بس نہ چل رہا ہو تو (پریشان کرنے پر اتر آتا ہے) کتے کی طرح بھونکتا ہے' بچے کو دھکا دے دے گا' کبھی کسی پڑوس یا رشتہ دار کو بھڑ کا کر گالم گلوچ پر لے آئے گا یا اگر سالک ملازم ہے تو حکومت یا افسر تنگ کرنے لگتے ہیں''۔

لیکن جیسا کہ حضرت نے پہلے فرمایا کہ یہ باتیں تو قابل برداشت اور کسی بھی طرح اس درجہ نقصان دہ نہیں جس قدر شیخ و مرید کے تعلق کی خرابی ہے چاہے وہ ادب میں غلو کے باعث ہو یا کمی کے باعث۔ پس ہر دو صورت میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

9- اولیاء کو انبیاء کے برابر ٹھہرانا حرام ہے۔

''اس مسئلہ پر اجماع قائم ہو چکا ہے یعنی تمام امت کا اتفاق ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی نبی کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

اس لحاظ سے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھنا شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔

☆ قاضی پتیؒ فرماتے ہیں کہ

''ولی کبھی انبیاء کے ادنیٰ درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس مسئلہ پر اجماع قائم ہو چکا ہے لہذا یہ کہنا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے شرعاً باطل ہے۔''

☆ ''عمدہ السلوک'' میں ہے کہ

''کوئی ولی نہ تو نبی ہی کے درجے کو پہنچ سکتا ہے نہ وہ شرع کے حکموں سے بچ سکتا ہے''۔

☆ حضرت شاہ منیریؒ کا قول ہے کہ:۔

''انبیا' اولیاء سے افضل ہیں اس لئے کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہے اور تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن کوئی ولی نبی نہیں ہوتا''

☆ ''المواقیت الجواہر'' میں علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ:۔

''کرامت صرف اس ولی سے صادر ہوتی ہے جو اپنے نبیؐ کا کامل متبع ہو۔ اس وجہ سے وہ ولی اس نبیؐ کی اُمت کے خواص میں سے ہوتا ہے''

گویا کامل اتباع سنت کے بغیر ولی سے کرامت کا صدور ممکن نہیں ہے یعنی انبیا کی برابری تو کُجا جب تک کامل اتباع رسالت نہ ہو گا ولی ولی نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''کسی انسان کو نبی کا پرتوِ جمال حاصل ہو جائے (پھر) چاہے وہ امیر ہو یا غریب' حاکم ہو یا محکوم' جس کی ذات میں پیغمبر کی کوئی ادا نظر آ گئی' ہم تو اسے ولی کہیں گے۔''

''تمام کُتب تصوف کے پیش نظر حاصل بحث یہ سامنے آتا ہے کہ نبوت ایک وہبی چیز ہے اور کوئی بھی شخص اپنی محنت و کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور نبی اکرم پر آ کر نبوت کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نبی کے نائبین مقرر ہوتے ہیں۔''

جیسا کہ حضرتؒ کا ارشاد ہے کہ

''مشائخ نائب نبوت ہوتے ہیں''

نائب تو تبھی تک نائب کے عہدے پر فائز رہے گا جب تک متبع رسالت رہے گا۔تو برابری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز جو شخص اولیاء کو انبیا کے برابر ٹھہرائے گا وہ نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ اس پر تو ارتداد لازم آئے گا۔

☆ اور خود اولیاء کے متبع سنت ہونے کے بارے میں حضرت سہروردی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ :۔

''پس جو شخص جتنا زیادہ متبع رسول ہوگا اُسی قدر محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہوگا اور صوفیہ ہی نے اسلامی گروہوں میں سب سے بڑھ کر اتباع رسول کیا۔''

نوٹ: اس مسئلہ میں کتب تصوف میں ایک بحث یہ بھی ملتی ہے کہ آیا نبوت افضل ہے یا ولایت جیسا کہ بعض مشائخ سے حالتِ سُکر میں یہ بیان وارد ہوا ہے کہ :۔

''ولایت نبوت سے افضل ہے''

''جس کی تاویل دیگر زعماء نے یہ کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہوتی ہے تاکہ ولی کا نبی پر افضل ہونے کا وہم جاتا رہے لیکن آخری اور حتمی بات یہی ہے کہ درحقیقت نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے اور کمالات نبوت کے مقابلے میں کمالاتِ ولایت کی کچھ حیثیت نہیں ہے''۔

(عمدۃ السلوک)

10- اولیاء کرام کو صحابہ کرام کے برابر ٹھہرانا حرام :۔

صحابہ کرام، جماعت انبیاء کے بعد روئے زمین پر تمام اولادِ آدم پر فوقیت رکھتے ہیں اور کوئی ولی چاہے وہ ولایت کے کسی مقام یا منصب کو پہنچ جائے ایک نبی تو کجا ایک ادنیٰ صحابی کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

☆ قاضی ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں:۔

''صحابہ تمام امت کے اولیاء سے افضل ہیں'' جیسا کہ:۔

☆ عبداللہ بن مبارک جو تابعی تھے فرماتے ہیں کہ :۔

الضبار الذی دخل انف فرس معاویہ خیر من اویس القرنی و عمر مروانی	یعنی جو غبار کہ معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں (اڑ کر) آ گیا وہ اویس قرنیؒ اور عمر وانیؒ سے (مرتبہ میں) بہتر ہے۔

☆ مقام صحابیت ازروئے قرآن:۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس	تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے منتخب کر لئے گئے ہو۔

☆ مقام صحابیت ازروئے حدیث

الصحابی کلنجوم بایهم اقتدتم اهتدیتم	میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کا دامن تھام لو گے تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا دے گا

☆ اجماع امت :۔

اس مسئلہ پر امت کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ

الصحابہ کلھم عدول	صحابہ سب کے سب عدل پر ہیں

☆ شیخ المکرّم صحابہ کرام کے مقام و مرتبے سے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

''ایمان لانے کے بعد جس مومن کو حضورؐ کی صحبت نصیب ہوئی وہ بہ یک نگاہ صحابی بن گیا۔ جو ایک بہت بڑا درجہ اور حال ہے۔ نیز صفات عالیہ میں،عقائد و اعمال میں کوئی غیر صحابی صحابہ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔''

11 تابعین و تبع تابعین بھی اولیاء سے افضل ھیں

☆ مقامات تصوف میں ہے کہ :۔

''صحابہ کی شان تو کہیں زیادہ بالاتر ہے' جنہوں نے ان کو دیکھا تابعین کہلائے اور ان کو دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے ، یہ اگر چہ بنیادی لحاظ سے حسب نسب میں کم ہوں اور بعد میں آنے والے امام شریعت و طریقت دنیاوی اعتبار سے کتنے ہی افضل کیوں نہ ہوں ادنیٰ تابعی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے اور یہ سب صحبت مبارکہ و قربت نبوت کا نتیجہ ہے جو بعد میں آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکتی''۔

☆ اس اتفاق امت کی وجہ یا دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

☆ الحدیث

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم	یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد وہ جو میرے اہل زمانہ سے قریب ہوں (مراد تابعین)

☆ اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم طبقات اور افراد کے حوالے سے ایک بہت خوبصورت نکتہ بیان فرماتے ہیں۔فرمایا:۔

''صحابیت وہ اعلیٰ مقام ہے جو نبوت کے بعد مخلوق میں کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔صحابی ہر لحاظ سے مثالی ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا عالم فاضل اس پہ جرح نہیں کر سکتا۔صحابی کا علم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس نے نبی سے حاصل کیا (گویا علم کے ساتھ ساتھ برکات و کیفیات بھی عطا ہوئیں) جو صحابہ کی صحبت میں پہنچا تابعی بن گیا۔ جو تابعین کے پاس پہنچا وہ تبع تابعین میں سے ہوا اور یہ پہلے تینوں طبقے بالترتیب انبیا کے بعد پوری انسانیت میں افضل ترین ہیں' اگر چہ ان طبقات کے اندر حفظ مراتب ہیں (یعنی آپس میں کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا) لیکن باقی لوگوں سے پورے کا پورا طبقہ افضل ہے' بعد میں فضیلت افراد پہ آ جاتی ہے۔کوئی اگر باقیوں کی نسبت افضل ہے تو ایک فرد ہو گا پورا طبقہ نہیں (پھر بھی) وہ ان طبقات کی گرد پا کو بھی ہیں پا سکتا۔''

12- اولیا کو معصوم من الگناہ سمجھنا کفر ھے

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:۔

''عصمت صرف انبیاء کی خصوصیت ہے اولیاء کو معصوم سمجھنا کفر ہے''

☆ عصمت کی تعریف۔

''عصمت کے معنیٰ ہیں کہ اس شخص سے صغیرہ و کبیرہ گناہ کا عمداً یا سہواً اور دماغی فتور یا غفلت خواہ نیند ہو یا بیداری میں،جنون یا نشہ کی سی کیفیت میں' صدور ممکن نہیں ہے اور یہ صرف انبیاء کے لئے خاص ہے تاکہ وحی وغیرہ کے سلسلے میں کوئی شبہ پیدا نہ ہو اور یہ چیز غیر انبیاء کے تعلق کسی میں تصور کرنا اجماع کے خلاف ہے۔'' (ارشاد الطالبین)

☆ ''عمدۃ السلوک''میں ہے کہ

''معصوم (عن الگناہ) ہونا نبیوں کی ہی خصوصیت ہے اور اولیاء کو معصوم سمجھنا کفر ہے۔''

☆ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ :۔

''ولی انبیاء کی طرح لازمی طور پر معصوم نہیں ہوتے۔ہاں یہ ہوسکتا ہے اللہ ولیوں کو گناہ سے محفوظ رکھے۔وہ اس طرح کہ اگر ان سے کوئی غلطی ،لغزش یا کمزوری سرزد ہو جائے تو اس پہ ڈٹے نہ رہیں۔اس طرح ان کو محفوظ کہنے میں کوئی حرج نہیں''۔

(رسالہ قشیریہ)

☆ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں :۔

''کوئی بھی صوفی معصوم نہیں ہوتا ، یہ صرف نبیوں کی صفت ہے۔ہاں کچھ خاص مقامات سے آگے اولیاء کو کسی حد تک حفاظت الٰہیہ حاصل ہو جاتی ہے پھر بھی ہر کسی کو ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔''

3- آداب و مسائل صحبت شیخ :

آداب و مسائل صحبت سے متعلق بہت سے سوالات پائے جاتے ہیں نیز صحبت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ اور کتنی ہے۔اس کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

کتب تصوف کے پیش نظر اولیاء کی صحبت اختیار کئے بناء مرتبہ احسان حاصل کرنا نہایت دشوار ہے بلکہ ناممکن ہے۔اس لئے کہ یہ اصول تو علوم دینا اور ظاہری شریعت پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ جب تک کسی اُستاد سے سیکھا نہیں جاتا کوئی علم حاصل نہیں ہوسکتا۔تو پھر طریقت تو ہے ہی انعکاسی عمل۔یعنی قلب سے قلب پر منعکس ہونے والی برکات، نہ اس علم کو عقل کے زور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ کتابوں میں ملتا ہے کہ کتاب الفاظ کی حامل تو ہوسکتی ہے کیفیات کی نہیں۔

گویا صحبت مرشد کامل ہی واحد ذریعہ ہے جس سے حدیث احسان کے پیش نظر مرتبہ احسان جیسی نعمت حاصل کی جاسکتی ہے۔

1- صحبت نے صحابی بنائے :۔

صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جسے بحالات ایمان حضورؐ کی ایک بھی صحبت مل گئی وہ درجہ صحابیت پر فائز ہوا اور نبوت کے بعد صحابیت کائنات میں افضل ترین درجہ ہے۔

مقاماتِ تصوف میں ہے کہ :۔

''یہ سب خاتم النبین کی صحبت مبارکہ وقرب نبوت کا نتیجہ ہے کہ جو خلوص و نورانیت اور حقانیت صحابہ کے دلوں میں آفتاب نبوت نے ڈالی اور ان کو روشن کیا وہ بعد میں کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی۔''

2- صحبت نبی و اولیا میں فرق :۔

صاحب ''مقامات تصوف'' فرماتے ہیں کہ :۔

''صحابہ کبار آفتاب نبوت کے پروردہ ہیں اور اولیا اللہ امت کے چراغ ہیں۔پس جس قدر آفتاب اور چراغ میں فرق ہے اُسی قدر صحبت نبی کریمؐ اور صحبت اولیاء میں فرق ہے''

☆ مولانا روم کا اقرار :۔

مولانا روم نے علم ظاہر مکمل ہونے کے باوجود علم باطن حضرت شمس تبریز سے اخذ کیا۔چنانچہ فرماتے ہیں کہ

ہیچ چیزے خود بخود پیدا نہ شد

(کوئی بھی چیز اپنے آپ پیدا نہ ہوئی)

ہیچ آہن خود بخود تیغ شد

(اور نہ کوئی لوہا خود بخود تلوار بن گیا)

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

(مولوی اس وقت تک مولائے روم نہ بنا)

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(جب تک کہ حضرت شمس تبریز کا غلام نہ بنا)

3- صحبت سے متعلق شیخ المکرم کی تعلیمات :۔

شیخ المکرّم کا اس ضمن میں مفصل بیان ملتا ہے۔

فرمایا:۔

1- صحبت کی حقیقت:۔

''سلاسل تصوف میں تربیت وتزکیہ کا دارومدار صحبت شیخ پر ہوتا ہے۔ یہ محض سلاسل تصوف کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بہت بڑی حقیقت ہے کہ انوارات وبرکات کو حاصل کیا جائے۔''

''دراصل اللہ تعالیٰ نے تخلیقی طور پر انسان کو اپنا خلیفہ ہونے کے اس کی استعداد ہمیں عطا کی ہے۔ مومن نور ایمان رکھتا ہے جسے مزید منور اور مضبوط کرنے کے لئے برکات نبوی کو اخذ کیا جاتا ہے اور جو انعکاسی طور پر صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے''۔

2- گناہ' اثرات صحبت کے منافی۔

فرمایا:۔

''ہر گناہ صحبت شیخ کے اثرات کے خلاف ہے چاہے گناہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ کہ اس درجہ ظلمت آتی اور برکات میں کمی واقع ہوتی ہے۔''

3- صورتِ صحبتِ شیخ :۔

''زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گزارے۔ اگر پاس نہ بیٹھ سکے تو اس طرح (یعنی بیان سننے کے لئے) بیٹھنا بھی صحبت ہے۔ صبح شام کا ذکر نصیب ہو جائے تو یہ بھی صحبت شیخ ہے۔ ملاقات ہو جائے تو یہ بھی صحبت شیخ ہے۔''

''کئی ساتھی مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ میں لکھ رہا ہوں تو وہ پاس پڑا اخبار دیکھنے لگتے ہیں حالانکہ مسلک تصوف میں یہ حرام ہے' بے ادبی ہے جرم ہے۔ ہم نے شیخ کے ساتھ عمریں گزاریں۔ دن رات سفر بھی کیا مگر کیا مجال ہے کہ ساتھ والے ساتھی سے بات بھی کی ہو، کسی سے بول کر پانی مانگا ہو یا کہا ہو سر میں درد ہے۔ شیخ پاس ہوتے تو صرف شیخ سے بات ہوتی یا شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ رہتے''۔

4- ملاقات کے مابین مدت :۔

ایک سوال کہ شیخ سے ملاقات کتنی مدت کے بعد کرنی چاہئے؟ کے جواب میں فرمایا:۔

''ہم حضرت جی سے ملتے تھے تو بڑی اچھی طرح اس کا تجربہ ہے ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی کہ جیسے کسی پیاسے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا ہو (پھر) رفتہ رفتہ ہر دن کے ساتھ تھوڑی تھوڑی کمی آتی جاتی اور ایک وقت ایسا آتا کہ بے قراری لگ جاتی' پیاس بڑھ جاتی' ملے بغیر چارہ نہ رہتا''۔

اب ہر بندے کی اپنی نسبت ہے کون اس میں کتنا غرق ہے وہی بہتر جانتا ہے۔ صحبت ومحبت کے پیمانے دنوں اور گھڑیوں سے نہیں ناپے جاتے' کیفیات سے ناپے جاتے ہیں۔

5- صحبتِ شیخ و ترقی :۔

''آدمی اگر سال بھر الگ بیٹھ کر ذکر کرتا رہے تو استعداد پیدا ہوتی رہتی ہے ترقی نہیں ہوتی۔ جب شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو جتنی استعداد ہوتی ہے آن واحد میں اتنی ترقی نصیب ہو جاتی ہے جو طالب کے دل کو شیخ کے دل سے اخذ کرنی ہوتی ہے اور یہ تمام سلاسل میں ہوتا ہے''۔

''اس سلسلہ عالیہ میں ایک سٹیج ایسی بھی آتی ہے کہ آدمی دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو وہ صحبت شیخ میں رہنے جیسا ہی ہوتا ہے۔ روح' روح سے فیض پاتی رہتی ہے' ترقی چلتی رہتی ہے لیکن ملاقات سے جو قوت نصیب ہوتی ہے دور رہ کر نہیں ہوتی''۔

(استفادہ از طریق نسبت اویسیہ + کنز الطالبین)

4- مسائل صحبت :۔

(1) آئمہ تصوف ایک مسئلہ ''باب صحبت میں'' یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''رسولوں کے دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی ان کی صحبت کی تاثیر سے لوگوں کو فیض یاب کرنا تھا کیونکہ فقہ وعقائد کے مسائل تو فرشتوں سے بھی سیکھے جا سکتے تھے''۔

دلیــــل : دلیل میں وہ حدیث پیش کیا جاتی ہے کہ جس میں حضرت جبرئیل حضورؐ کی محفل میں انسانی روپ میں حاضر ہو کر آپؐ سے سوال کرتے اور جواب پا کر تصدیق کرتے۔ جب جا چکے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(ارشاد الطالبین)

2- ایک مسئلہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ :۔

''صرف ریاضت ومجاہدہ بغیر کس صحبت کی تاثیر کے' نفس کے رذائل کو دور کرنے اور ولایت کے حصول کے لئے ناکافی ہے۔ نیز تنہا تاثیر صحبت کے بغیر مرید کی اپنی ریاضت بھی کافی نہیں ہے۔'' (ارشاد الطالبین)

3- بری صحبت سے بچنا :۔

صحبت صالح ترا صالح کند — نیک صحبت تجھے نیک بنا دے گی

صحبت طالع ترا طالع کند — اور بری صحبت تجھے برا بنا دے گی

''جس طرح وہ زمین جس پر گلاب اور چنبلی کے پھول گرتے ہیں' معطر اور خوشبو دار ہو جاتی ہے بالکل اُسی طرح اولیاء اللہ کی توجہات اور صحبت سے انسان کی زندگی سچے اور مخلص بندہ کی زندگی بن جاتی ہے''۔

(مقاماتِ تصوف)

نیز لکھا ہے کہ :-

''جاہل اور پیشہ ور صوفیا جو کتاب اللہ و سنت رسولؐ سے قطعاً بے بہرہ ہیں یا نا کافی واقفیت رکھتے ہیں' صراط مستقیم کو چھوڑ کر افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ عقائد باطلہ و اعمال فاسدہ کو مذہب میں شامل کر کے ان پر عمل کا حکم دیتے ہیں تو ایسے لوگوں سے دور بھاگنا چاہئے''۔

(مقاماتِ تصوف)

☆ حضرت بشر حافی (التوفی 227ھ)ؒ فرماتے ہیں

''بُرے لوگوں کی صحبت نیک لوگوں کے ساتھ بدگمانی پیدا کر دیتی ہے اور نیک لوگوں کی صحبت بدوں کے ساتھ (بھی) حسنِ ظن پیدا کرتی ہے اور کسی بندہ سے حق تعالیٰ ہرگز یہ سوال نہ فرمائیں گے کہ تم نے میرے بندوں کے ساتھ نیک گمان کیوں رکھا''

☆ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی کتاب ''عروۃ الوثقیٰ'' میں فرمایا:۔

''صحبت جنس سے بچو اور بدعتی کی صحبت سے بھاگو جو مسند مشیخت پر بیٹھا ہے اور اس کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اس سے ہزاروں کوس دور رہو۔ ہو سکے تو اس کی بستی ہی میں مت جاؤ کہ شائد تمھارا رجحان اس کی طرف ہو جائے اور تمہارے عقائد میں فرق آ جائے۔ وہ پیر نہیں (اس بھیس میں) چھپا ہوا چور ااور شیطان کا پھندا ہے اس کی صحبت سے اس طرح بھاگو جیسے لوگ شیر سے بھاگتے ہیں''۔

5- آداب صحبت:۔

وحدۃ الانسان خیر   من خلیل السوء عندہ

جلیس الخیر خیز   من جلوس المرء وحدہ

(انسان کا اکیلا رہنا بہتر ہے برے ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے اکیلے رہنے سے)

الحدیث :۔

رسول اللہ نے فرمایا:۔

''انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے''۔

نیز فرمایا۔

''اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو کسی سے الفت نہیں رکھتا اور نہ کوئی اس سے الفت رکھتا ہے''

☆ ''آداب المریدین میں آداب صحبت کے بیان کے تحت رقم ہے'' حضرت ابو حفص نیشاپوری سے سوال کیا گیا کہ مصاحبت کے بارہ میں احکام فقرا و آداب فقرا کیا ہیں ؟ فرمایا' کہ :-

''مشائخ کی حرمت کی حفاظت، اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن معاشرت' اپنے چھوٹوں کو نصیحت کرنا (خیر خواہی سے) اور ان لوگوں کی صحبت کو ترک کر دینا جو صوفیہ کے طبقہ سے نہ ہوں اور ایثار کو اختیار کرنا اور ذخیرہ اندوزی سے بچنا اور دین دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا''۔

دیگر آداب:

1- ☆ صوفیا کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جنس اور ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے جن سے بھلائی پہنچ سکے۔

-2 ☆ بعض نے کہا کہ وہی لوگ صحبت کے لائق ہیں جو تمہارے طبقہ سے موافق ہوں اور جن کو تم بزرگ اور قابل احترام سمجھتے ہو۔

-3 ☆ اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جو تمہارے عقیدے کے مخالف ہیں اگرچہ قرابت دار ہوں۔

قرآن مجید میں ہے۔

لا تـجد قومًا یومنون باللّٰہ والیوم الاخر یو ا دون من حاد اللّٰہ و رسو لہ	تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف کو دوست رکھیں۔

اور اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ

الحدیث:۔

''اے اللہ کسی بدکار کو مجھ پر احسان کرنے کا موقع نہ دے کہ جس کی وجہ سے میرا دل اس کو محبت کرنے لگے''۔

-4 ''طالب کو اس شخص کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جس کی دین داری امانتداری اور مذہب و پرہیزگاری پر ظاہر اور باطن میں بھروسا رکھتا ہو۔''

-5 ''آداب صحبت میں یہ بھی شامل ہے کہ ہر ایک اپنی حالت اور لیاقت کے بموجب دوسرے کے ساتھ صحبت رکھے مثلاً مشائخین اور بزرگوں کے ساتھ محبت، ان کے احترام سے' خدمت سے اور تعظیم و توقیر سے اور ان کے کام انجام دینے سے ہوگی (جبکہ) ہمسر اشخاص سے محبت، ان سے کشادہ پیشانی، خوشی مسرت اور موافقت کے ساتھ ملنے اور ان کے ساتھ بھلائی اور احسان جیسا برتاؤ کرنے سے ہوگی جو مناسب وقت ہو''

-6 ''اگر اپنے احباب میں کوئی عمل مخالف مذہب ہو تو مدانیت سے (یعنی مخالفت وتنقید کی بجائے چشم پوشی سے) کام نہ لے۔''

الحدیث:۔

الدین النصیحة	دین نصیحت کا نام ہے۔

-7 مرید کے لئے اپنے استاد (شیخ) کی صحبت یہ ہے کہ

''اس کے امر و نہی کی پیروی کی جائے، اس کی خدمت بجالانا، صبر کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرنا، اس کی باتوں کو قبول کرنا، راہ سلوک میں جو کچھ پیش آئے اس کے متعلق اس سے رجوع کرنا۔ اس کی مخالفت کو ظاہر و باطن میں ترک کردینا اور علانیہ یا پوشیدہ اس پر اعتراض کرنے سے پرہیز کرنا واجب ہے۔''

(آداب المریدین)

-6 اولیاء کی صحبت میں جانے کا طریقہ :۔

حضرت ممشاد دینوری (المتوفی 197ھ) فرماتے ہیں:۔

''میں جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس طرح گیا کہ اپنے قلب کو تمام نسبتوں اور علوم و معارف سے خالی کر کے اور اس کا منتظر رہا کہ ان کی زیارت اور کلام سے مجھ پر کیا برکات وارد ہوتی ہیں۔ یہ اس لئے کہ جو شخص کسی بزرگ کے پاس اپنا ذخیرہ لے کر جاتا ہے تو اس ذخیرہ کی وجہ سے اس بزرگ کی ''زیارت و صحبت اور ادب و کلام کی برکات'' سے محروم رہتا ہے''۔

(4) اولیاء کی قبروں سے متعلق احکام :۔

اس ضمن میں کچھ باتیں پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں زیارت قبور کا درست طریقہ بھی بیان ہوا اور یہ کی قبروں کو بلند کرنا، اُن پر گنبد بنانا، () وغیرہ کرنا یا چراغاں کرنا سب

بدعات ہیں، کچھ حرام ہیں اور کچھ مکروہ ہیں۔

☆ قبروں سے متعلق سنتِ رسولؐ

الحدیث

''حضورؐ نے حضرت علی کو بھیجا کہ بلند قبروں کو برابر کردیں اور جہاں کہیں تصویر پائیں اس کو مٹادیں۔''

الحدیث ارشادفرمایا

''میری قبر کو میلہ کی جگہ اور مسجد (مسجدہ گاہ) نہ بنانا''

الحدیث

''حضورؐ نے قبروں پر شمع جلانے والوں اوران پر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی وصیت

قاضی صاحب کی وصیت کا ایک حصہ ''ارشادالطالبین'' میں نقل کیا گیا ہے جس سے ہم سوگ اوراس سے متعلق احکام کی طرف راہنمائی حاصل سکتے ہیں فرمایا۔

''میری وفات کے بعد دنیوی رسوم جیسے وہم، ستم، چہلم، ششماہی اور برسی کوئی چیز نہ کریں کیونکہ رسول اللہ نے تین دن سے زیادہ (سوگ کرنے) غم کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کوحرام قرار دیا ہے اورعورتوں کے رونے چلانے کوتاکید سے منع فرمایا ہے۔فقیراپنی زندگی میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا تھا اور کبھی اپنے اختیار سے ان میں سے کوئی بات نہیں کی۔البتہ کلمہ، درود ختم قرآن، استغفاراور پوشیدگی کے ساتھ فقراء میں حلال مال خیرات کرکے (میری) مدد فرمائیں۔'' کیونکہ:۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔

''قبر میں میت کی حالت غوطہ کھانے والے کی ہے جو باپ، بھائی اور دوست کی دعا کا منتظر ہو''۔

☆ فاتحہ کے بارے میں عوامی عقائد کی خرابیاں:

اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مفصل بیان ملتا ہے۔فرماتے ہے کہ:۔

''بدعات میں اکثر لوگوں کے عقائد خراب ہو گئے ہیں۔یہاں تک کہ ان کے عقیدہ میں یہ بات شامل ہے کہ بزرگ اللہ میاں کے کام میں سہارا دیتے ہیں۔ایک تعزیہ میں اولاد کے بارے میں عرضی لٹکی ہوئی تھی اے امام حسین مجھے لڑکا دیجئے اوراس کے ساتھ ایک پتلا بھی بنا کر رکھا تھا۔گویا نمونہ بھی بتلایا تھا کہ لڑکا ایسا ہو۔''

اسی طرح ایک جگہ دو طالب علموں میں بحث ہورہی تھی۔ایک کا کہنا تھا کہ لوگ جو بڑے پیر کی نیاز دلاتے ہیں تو یہ اختلاف محض لفظوں کا ہے باقی اس میں نیت یہ ہوتی ہے کہ نیاز تو اللہ کی ہے اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچ جائے۔دوسرے کو یہ اختلاف تھا کہ نہیں، عقیدہ میں بزرگوں کی نیاز ہوتی ہے۔بحث جاری تھی کہ اتفاقاً ایک بڑھیا آ گئی اور کہا۔

''بڑے پیر کی نیاز دے دو''

جو شخص یہ کہتا تھا کہ عقیدہ میں بزرگوں کے نام کی نیاز ہوتی ہے اس نے کہا ''نیاز تو میں اللہ کے نام کردوں گا اور ثواب بڑے پیر صاحب کو پہنچاؤں گا تو اس بڑھیا نے کہا ''نہیں نہیں اللہ میاں کی نیاز تو میں الگ دلواؤں گی۔یہ بڑے پیر کی نیاز ہے''

''گویا یہ غلط عقیدہ ہی عام طور پر رائج ہے کہ لوگوں کی نیت ہی یہی ہوتی ہے کہ نیاز اللہ کے نام کی نہیں بزرگ کے نام کی ہے حالانکہ خیرات اللہ کے نام کی کرنی چاہئے اور اس کا ثواب جس بھی بزرگ کر چاہیں بخش دیں''۔

ایک اھم نقطہ:۔

ایک اہم نقطہ یہاں پر یہ بھی ہے کہ جب ہم صدقہ وخیرات کرتے ہیں تو کھانا سامنے رکھ کر دعا کرائی جاتی ہے۔اس سے متعلق ''اشرف علی تھانویؒ'' فرماتے ہیں کہ۔

> ''یہ جو کھانا سامنے لا کر فاتحہ دیتے ہیں یہ بھی خلاف عقل ہے کیونکہ ثواب ملنے کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے عمل کریں اس پر آپ کو ثواب حاصل ہو اور پھر آپ یہ دعا کریں کہ جو ثواب مجھے ملا ہے وہ فلاں کو پہنچ جائے۔اس بناء پر صورت یہ ہونی چاہئے کہ پہلے کھانا مستحقین کو دیں کہ ثواب اس کا اپنا ہو پھر دعا کرے کہ اے اللہ فلاں کی طرف اس کا ثواب منتقل فرما دیں''۔
>
> ''گویا اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے کچھ معنی نہیں ہیں یہ بالکل لغو حرکت ہے۔دوسرے یہ کہ سارا کھانا سامنے رکھ کر بھی فاتحہ نہیں دیتے تو سوال یہ اُٹھتا ہے کہ صرف اتنے ہی کھانے کا ثواب پہنچانا مقصود ہے یا کل کا اور ظاہر ہے مقصود تو سارے کھانے کا ثواب ہی ہوتا ہے تو پھر جب سارا کھانا سامنے رکھنا شرط نہیں ہے تو پھر یہ تھوڑا سا کھانا سامنے رکھنے سے مطلب کیا۔اللہ میاں کو نمونہ دکھاتے ہیں تو یہ بھی لغو حرکت ہے۔''
>
> (تعلیمات حکم الامت)

قبر سے فیض

ثواب بخشنے، مرادیں مانگنے اور فاتحہ کے علاوہ قبروں سے فیض پانے سے متعلق بھی بہت زیادہ ابہام پایا جاتا ہے۔اس سے متعلق سب سے جامع اور واضح بیان شیخ المکرّم کا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ

> ''صاحب قبر سے فیض پانے کے لئے چند بنیادی شرائط ہیں۔ایک تو یہ کہ آپ کا اپنا شیخ وہ مراقبات نہ کرا سکتا ہو، دوسرے یہ کہ اب کوئی ایسا صاحبِ قبر بھی آپ کو نظر آئے جو ان مراقبات کا حامل ہو اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ میں اس درجہ استعداد ہو کہ آپ برزخ میں جا سکتے ہوں اور دیکھ سکتے ہوں کہ واقعی اس کے منازل ہیں اور وہ آپ کو کرانا بھی چاہتے ہیں۔

تو یہ سب اتنے مرحلے ہیں کہ ناممکن بن جاتا ہے اس لئے اولین کوشش میں بقید حیات شیخ کامل کی تلاش کی جائے اور اگر طلب صادق ہو تو اللہ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ گویا قبروں پر ملنگ بن کر یا مجاور بن کر بیٹھے رہنے سے فیض نہیں ملتا بلکہ اس کے لئے پہلے زندہ شیخ چاہئے اور پھر روح میں ایک خاص درجہ استعداد کا ہونا ضروری ہے

(5) اولیاء اللہ کی ضروریات انسانی

اولیاء اللہ ضروریات انسانی میں عام لوگوں کی مثل ہیں اور صوفیا کرام اور عام انسانوں کی ضروریات انسانی اور صفاتِ بشریہ کا جہاں تک تعلق ہے ان میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

☆ حضرت اسماعیل سنبھلی فرماتے ہیں کہ:۔

> ''اولیاء اللہ کے لئے ان کی صفات بشریہ پردہ ہیں جن چیزوں کے عام لوگ محتاج ہیں' یہ بھی ان کے محتاج ہیں۔ان کا ولی ہونا ان کو اس احتیاج سے نہیں نکالتا۔'' یہ حضرات کھانے پینے (صحت بیماری، سردی گرمی، ضرورتِ لباس وگھر نیند) اور اہل وعیال میں عام لوگوں کے ساتھ شریک ہیں کیونکہ جو چیزیں لوازم بشریت میں داخل ہیں وہ کسی خاص وعام سے دور نہیں ہو سکتیں''۔
>
> (مقاماتِ تصوف)

کیونکہ یہ سب چیزیں انسان ہونے کا تقاضا ہیں اور جب انبیاء کرام بشری اوصاف سے متصف تھے تو پھر کوئی اور ان سے کیسے مبرا ہو سکتا ہے۔

☆ قرآن میں ہے کہ

و ما جعلنا جسدا لا یاکلون طعامًا	اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھائیں۔

کفار نے جب یہ اعتراض کیا کہ

القرآن :۔

وما ھذا رسول یا کل طعام و یعشی فی الاسواق	اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

تو اس کے جواب میں اللہ کریم فرماتے ہیں

القرآن :۔

ولو کان فی الارض ملا ئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا	اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو تحقیق ہم ان کے لئے آسمان سے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

1- انسانی کمزوریاں

اسی طرح انسانی کمزوریاں بھی انسان کا خاصہ ہیں۔مثلاً دکھ،غصہ وغیرہ حتی کہ خود حضور اکرمؐ نے اپنی نسبت فرمایا۔

و اغضب کما یغضب البشر	مجھے بھی ویسا ہی غصہ آتا ہے جس طرح اور آدمیوں کو'

☆ تو اولیاء کا کیا حال ہوگا۔نیز اسی طرح جب حضور اکرمؐ کے بیٹے قاسم فوت ہوئے۔آپؐ نے ان کے ننھے سے وجود کو گود میں اُٹھا رکھا تھا اور آپؐ کے آنسو بہہ نکلے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ ''آپ بھی لوگوں کی طرح بے صبری کرنے لگے۔''

تو آپ نے فرمایا: ''عوف کے بیٹے یہ بے صبری نہیں رحمت ہے۔'' پھر دوسری بار روئے تو فرمایا ''آنکھ آنسو بہاتی ہے۔اور دل کو رنج ہوتا ہے۔پر زبان سے ہم وہی کہتے ہیں۔جو ہمارے پروردگار کو پسند ہے۔''

2- لوازم حیات

پھر صحت،خوراک،نیند وغیرہ لوازم حیات ہیں

تو جیسے حضور اکرمؐ کو حکم ہو رہا ہے کہ

یا ایما المزملo قم الیل الا قلیلاًo نصفه او انقص منه قلیلا o	اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدمی رات یا اس سے کم کر دے تھوڑا سا

اور اکثر مفسرین ''قلیلا'' سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ

''رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کر و تو کوئی مضائقہ نہیں اور غالباً تھوڑے سے یہاں مراد نصف شب ہے''۔

(تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی)

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ :۔

''جس آرام کی اجازت ہے وہ ضرور کرنا چاہئے صرف یہ خیال رکھنا چاہئے کہ انہماک نہ ہونے پائے،اس سلسلہ میں اپنے اوپر سختی نہ کرنا

چاہئے۔مثلاً اگر نیند کا غلبہ ہو تو سونا چاہئے کیونکہ کم سونے سے بھی بعض لوگ مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کچھ مجنون ہو گئے''۔

پس صحت وحیات کی بڑی حفاظت کرنی چاہئے یہ وہ چیز ہے جو پھر کہاں میسر ہوگی۔

زندگی معرفت کیلئے ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے:۔

مولانا اشرف علیؒ تھانوی یہاں حضرت علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا:

''آیا آپؓ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ آپؓ بچپن میں انتقال کر جاتے اور جنت یقینی طور پر ملتی یا یہ زیادہ پسند ہے کہ بالغ ہونے پر خطرہ میں پڑتے''۔

فرمایا:۔

''کہ بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا مجھے زیادہ پسند ہے۔اگر بچپن میں انتقال ہو جاتا تو اس وقت تو حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوتی۔ اب اگرچہ خطرہ کی حالت میں ہوں لیکن معرفت حق تعالیٰ نصیب ہوئی۔آ گے جو محبوب کی مرضی''۔

اس سے مولانا تھانویؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:۔

''کہ واقعی زندگی بڑی قابلِ قدر چیز ہے۔اس لئے میرے نزدیک صحت کی حفاظت نہایت ضروری ہے''

(تعلیماتِ حکیم الامت)

3- مصائب و تکالیف

اس ضمن میں اگر سیرتِ طیبہ پر نظر کریں تو حضورؐ کا فرمان موجود ہے کہ :۔

الحدیث:-

''جس قدر مصائب مجھ پر آئے اور کسی نبی پر نہیں آئے''۔

☆ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

بزرگوں کا مصائب و تکالیف میں مبتلا ہونا ایسا ہے جیسا کہ اس حدیث پاک میں ہے کہ:۔

البلاء من یحسن اسراع من السیل الی المنتما	جیسا سیلاب اپنی انتہاء کی طرف دوڑتا ہے اسی طرح تکلیف اہل اللہ کی طرف اس سے بھی زیادہ تیز دوڑتی ہے۔و

مشہور ہے کہ

''بزرگوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضروری ہوتی ہے''۔

مولانا تھانویؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اجر بڑھانا چاہتا ہے اور اگر تکلیف نہ ہو تو وہ اعمال کا اجر تو حاصل کر سکتے ہیں مگر بلا ومصیبت پر صبر کرنے پر جو اجر ملتا ہے اس کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں''۔

اسی لئے حضور اکرمؐ نے فرمایا

ان اللّٰہ یبغض الحبر الشمین	یعنی اللہ موٹے عالم کو پسند نہیں فرماتے

اس سے مراد وہ فربہی ہے جو بے فکری سے پیدا ہو۔

(تعلیمات حکیم الامت)

4- کسب وتجارت :۔

شیخ ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی فرماتے ہیں۔

''امت کا اس پر اجماع ہے کہ حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے کہ خدا کی زمین حلال سے خالی نہیں ہے ورنہ اللہ بندوں کو اس کا حکم نہ دیتا۔''

(آداب المریدین)

☆ ترک معاش کب افضل ھے

آئمہ کا اس پر اجماع ہے کہ

''روزی پیدا کرنے اور صنعت وحرفت کو ترک کر کے طاعت وعبادت میں مشغول ہونا زیادہ بہتر اور افضل ہے مگر اس شخص کے لئے کہ جس کے نزدیک خلوت وجلوت، میل جول اور عزلت (تنہائی) مساوی ہو جائے اور وہ قدرت کا ہر حال میں مشاہدہ کرنے والا ہو جائے۔''

(آداب المریدین)

5- ☆ تجرد و تزویج:۔

حضرت شہاب الدین سہروردی اس ضمن میں ''عوارف المعارف'' میں ایک پورا باب رقم فرماتے ہیں۔

تجرد وتزویج کی فضیلت سے متعلق (یعنی آیا تنہا رہنا افضل ہے یا نکاح کر لینا) فرماتے ہیں کہ:

''مجرد ہونے اور نکاح کرنے کے سلسلہ میں جو اخبار و آثار موجود ہیں ان میں تعارض ہے یعنی تجرید کی فضیلت بھی موجود ہے اور تزویج کی بھی رسول اکرمؐ کے ارشادات گرامی میں اس بارے میں تنوع (انگارنگی) پایا جاتا ہے۔ یعنی بعض لوگوں کے حالات کے اعتبار سے بعض احادیث تجرید کی فضیلت میں ہیں اور اسی طرح بعض لوگوں کے احوال کے تقاضہ کے بموجب بعض احادیث تزویج کی فضیلت میں ہیں۔ پس جنہوں نے اپنے کامل تقویٰ اور ضبط نفس سے اپنی آتش شہوت کو سرد کر لیا تو ان کے لئے تجرید ہی وجہ فضیلت ہے وگرنہ وہ شخص جسے مجرد رہنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو اور شہوت کا اس پر غلبہ ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے اور اسی میں اس کی فضیلت ہے اور البتہ آئمہ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس پر شہوت غالب نہ ہو وہ مجرد رہے یا نکاح کرے''

(عوارف المعارف)

☆ اسی طرح شیخ ضیاء الدین ابوالخیب عبدالقادر سہروردیؒ

آداب تزویج کے بیان میں فرماتے ہیں کہ۔

اولاً یہ کہ دیانتدار اور صالح عورت سے شادی کی جائے (کیونکہ)

آنحضرتؐ نے فرمایا:

''عورت سے نکاح اس کے دین، مال اور جمال کے لئے کیا جاتا ہے تم کو چاہیے کہ دیانتدار عورت سے نکاح کرو۔''

آپؐ نے فرمایا

''سب سے برکت والی عورت وہ ہے جس کے اخراجات کم ہوں''

صوفیا کے آداب تزویج

''صوفیا کے آداب وتزویج یہ ہیں کہ دنیا کے لئے شادی نہ کی جائے اور نہ مالدار عورت، بلکہ سنت پر عمل کرنے کے لئے اور غفلت سے بچنے کے لئے، پھر اپنی طاقت کے موافق بیوی کے ضروری اخراجات کو برداشت کیا جائے۔ اگر عورت زیادہ کا مطالبہ کرے جو شوہر کی طاقت سے باہر ہو تو وہ اس کو اختیار دے دے کہ چاہے تو غربت و مسکنت میں رہنے کو پسند کرے یا طلاق اور فرقت حاصل کرے۔'' (آداب المریدین)

ایک واقعہ

☆ اسی طرح شیخ ضیاء الدین ابوالخیب عبدالقادر سہروردی

''فوائد الفواد'' میں ''حضرت نظام الدین اولیا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

''ایک صوفی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جاؤ اور دریا کے پار ایک درویش بیٹھا ہے اس کو یہ کھانا دے آؤ۔ بیوی نے کہا لیکن دریا کو کس طرح میری اس صفت کا واسطہ دینا کہ میں نے زندگی بھر کبھی عورت سے محبت نہیں کی اور اگر اللہ کو میرا یہ فعل منظور ہے تو دریا تمہیں راستہ دے دی عورت نے سوچا یہ میرا خاوند ہے اور اس طرح کہہ رہا ہے جبکہ یہ غلط ہے لیکن وہ خاموش رہی اور اس نے ویسا ہی کیا جیسا شوہر نے حکم دیا تھا دریا ے بیچوں بیچ خشک راستہ نمودار ہوا وہ عورت اس پر چل کر اتر گئی اور راستہ صاف ہو گیا وہاں خاتون نے ایک درویش کو بیٹھا ہوا پایا تو اس کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ جب اس نے خوب سیر ہو کر کھا لیا تو عورت نے اپنا ماجرا کہا کہ آتے ہوئے تو میں اس طرح آ گئی تھی اب واپس کیسے جاؤں؟ اس درویش نے کہا تم دریا کو اس بات کا واسطہ دینا کہ میں نے زندگی بھر کبھی کھانا نہیں کھایا اور اگر اللہ کو میرا یہ فعل منظور ہے تو دریا تمہیں راستہ دے دے گا، عورت سخت حیران ہوئی کہ ابھی تو میرے سامنے اس نے کھانا کھایا لیکن اس نے ویسا ہی کیا اور دریا نے دوبارہ اس کو راستہ دے دیا۔ جب وہ واپس خاوند کے پاس پہنچی تو اس کے قدموں میں گر گئی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ تو اس مرد درویش نے کہا'' میں نے تم سے جب بھی محبت کی اپنے حظ نفس کے لئے نہیں کی بلکہ تمہارے حقوق کی ادائیگی کے لئے کی۔ پس میں نے اس فعل کا واسطہ دیا اور میرا فعل بارگاہ حق میں مقبول ہوا۔ اور اس درویش نے کبھی اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کھایا۔ بلکہ صرف اس لئے کھایا کہ اپنی طاقت کو اللہ کی اطاعت میں صرف کر سکے اور اس کا فعل بھی مقبول بارگاہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولیاء اللہ دنیا کو کس طرح اور کیونکر برتتے ہیں۔''

6- صوفیہ کی دنیوی زندگی سے متعلق ایک اہم نقطہ :۔

صاحب ''مقامات تصوف'' ایک خاص نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ

''یہ عجیب بات ہے کہ صفات بشری میں قدر اہل اللہ میں ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاف ستھری اور ہموار جگہ پر تھوڑی سی ظلمت و کدورت بہت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود عوام میں صفات بشریہ کی ظلمت کلی طور پر سرایت کر کے قالب، قلب اور روح میں پھیلی ہوتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور اخص الخواص میں تو نفس بھی اس ظلمت سے محفوظ ہے اور یہ ظلمت صرف قالب تک ہی محدود رہتی ہے۔ نیز یہ ظلمت عوام میں نقصان کا باعث ہے اور خواص میں کمال اور تازگی کا موجب ہے کیونکہ خواص کی یہی ظلمت عوام کی ظلمت کو دور کر کے ان کے نفس کا تزکیہ کرتی ہے اور اگر خواص میں یہ ظلمت نہ ہوئی تو

استفادہ وافادہ کا راستہ بند ہو جاتا۔ پھر یہ ظلمت خواص میں اس قدر نہیں ٹھہرتی کہ مکدر کر دے بلکہ جو ندامت و استغفار بعد میں حاصل ہوتا ہے وہ دیگر بہت سی ظلمت و کدورت کو بھی دور کر دیتا ہے یہ ظلمت ملائکہ میں گم (ناپید) ہے جس کے باعث ان کی ترقی کا راستہ بند رہتا ہے۔''

نیز یہ کہ:

''اولیاء کے جس نے صرف ظاہر پر نظر ڈالی ابدی موت میں گرفتار ہوا اور جس نے باطن کو دیکھا تو ان کا باطن خضر کا آب حیات ہے کہ جس نے ایک قطرہ اس سے چکھا دائمی زندگی پالی اور ان کا ظاہر قائل ہے کہ جس نے ایک نظر ان کے ظاہر پر ڈالی، ابدی موت میں گرفتار ہوا ان کا باطن رحمت اور ظاہر زحمت کا باعث ہے، باطن میں وہ فرشتوں کی مانند ہیں اور ظاہر میں عام انسانوں جیسے، ظاہر میں تو زمین پر ہیں اور باطن میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست سعادت مند ہوتا ہے'' کیونکہ:

اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون	یہی لوگ گروہ خداوندی ہیں خبردار ہو یہی گروہ خداوندی فلاح یافتہ ہیں

(6) صورت شیخ تصور کرنا یا حاضر و ناظر خیال کرنا:۔

سوائے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے دیگر تمام سلاسل تصوف میں تصور شیخ رائج ہے مختلف کتب تصوف کے پیش نظر اس کی صورت کچھ یوں سامنے آتی ہے کہ

1- صورتِ تصور شیخ

1- سالک ذکر سے قبل تصور شیخ کرے گویا کہ شیخ کے روبرو بیٹھا ہے اور ذکر کر رہا ہے

2- یا شیخ کے ساتھ کبھی جو اس کی مجلس ہوئی تھی اس کو یاد کرے اور تصور کرے کہ گویا اب بھی وہی وقت ہے

3- کبھی اپنے دل کو بمنزلہ آئینہ خیال کرے اور اس میں صورت شیخ دیکھے گویا

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

4- بعض مرتبہ غایت محبت میں ایسا بھی تصور بندھ جاتا ہے کہ گویا اپنے جسم میں اپنی روح نہیں گویا شیخ کی روح حلول کر گئی۔

یعنی من تو شدم تو من شدی۔ من تو شدم تو جاں شدی

5- بعض مرتبہ ایسی حالت بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ چاروں طرف شیخ کی صورت ہی نظر آتی ہے۔

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

2- رابطہ شیخ۔

دراصل ان تمام صورتوں کو اختیار کرنے کے پیچھے جو حکمت کار فرما ہے وہ یہ ہے جیسا کہ حضرت مولانا عبد اللہ شاہ ''تعلیمات رحیمی'' میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

'' اے عزیز! قرب الٰہی حاصل ہونے کے واسطے نہایت قریب راستہ جو مبتدی کو منتہی بنا دیتا ہے ایک دم کے دم میں بڑے بڑے مشائخ کے مقامات کی کیفیت دکھاتا ہے وہ رابطہ شیخ ہے اور یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ جس قدر اعتقاد اور محبت اپنے شیخ سے زیادہ ہوگی اسی قدر ترقی ہوگی۔''

اس میں استعداد طبیعتوں کی مختلف پائی گئی ہے۔ بعض کو تو صرف بیعت ہونے سے خود بخود یہ ربط اعلیٰ (شیخ سے رابطہ) کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ نہ صرف اس پیر ہی کی بلکہ دادا پیر یا پیران پیر یا (حتیٰ کہ) حضرت رسول اکرمؐ کے مقامات (کیفیات و برکات) ظلی طور پر اس کے آئینہ قلب پر منعکس ہو جاتے ہیں۔

(تعلیمات رحیمی)

اور بعض کوانہی کیفیات کے حصول یا حصول فیض کے لئے تصور شیخ کا حکم دیا جاتا ہے مثلاً جیسے

☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ''بعض اسباق میں تصور شیخ عمداً کرایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں پھر بھی اگر تصور شیخ ہو جائے تو وہ اسے قبول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نہایت محبت اور تعظیم کے ساتھ تصور شیخ کو اپنے دل میں جگہ دینی چاہئے کیونکہ اگر چہ کسی درجہ بحر و وحدت میں طالب غرق ہو کیوں نہ ہو جائے لیکن تاہم یہ صرف صدقہ شیخ اور بہ طفیل شیخ ہوتا ہے۔''

(تعلیمات رحیمی)

3- مجددیہ اور اویسیہ میں فرق:۔

مندرجہ بالا قول سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات تو واضح ہو جاتی ہیں۔ رہا سوال مجددیہ اور اویسیہ میں فرق کا تو اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ :

''یہ دونوں سلاسل نقشبندیہ ہی کی شاخیں ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ مجددیہ میں دیگر سلاسل کی مثل حصول فیض بالمشافہ صحبت شیخ سے ہوتا ہے۔ نیز اصحاب برزخ سے فیض پانے کی صورت ان سلاسل میں نہیں ہے صرف اور صرف نقشبندیہ اویسیہ میں یہ خاصیت ہے کہ دنیا و آخرت میں ولی کامل کی روح جہاں بھی ہو ہماری روح میں سے فیض پاتی ہے اور پا سکتی ہے۔ جس طرح اویس قرنیؓ نے حضور اکرمؐ سے کبھی بالمشافہ ملاقات نہیں کی لیکن دور رہ کر بھی آپؐ سے فیض پایا اور اسی طرز پر اعلیٰ حضرتؒ نے حضرت اللہ دین مدنیؒ سے سلوک سیکھا جو حضرت عبدالرحیمؒ کے شیخ تھے اور وفات پا چکے تھے۔''

تمام سلاسل سلوک میں سب سے پہلے رابطہ شیخ کرایا جاتا ہے جب یہ مضبوط ہو جاتا ہے تو اسی رابطے پر فنافی الرسول کی بنیاد رکھی جاتی ہے یہ صرف سلسلہ عالیہ ہے کہ جس میں سالک کو تصور شیخ سے اور رابطہ شیخ سے نکال کر براہ راست فنافی الرّسول کرایا جاتا ہے۔

4- تصور شیخ غلط ہے یا درست:۔

اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''تصور شیخ جو سلاسل کراتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یکسوئی پیدا کی جائے. پھر بعد میں یہی یکسوئی شیخ سے ہٹوا کر اس کی جگہ اللہ کا تصور دے دیتے ہیں۔''

''تو چونکہ تصور شیخ کو ایک رابطے کے طور پر استعمال میں لا کر وہی مقصد حاصل کیا جاتا ہے تو یہ غلط تو نہیں ہے لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ تصور سے انعکاس نہیں ہوتا (یعنی برکات سالک کے قلب پہ منعکس نہیں ہوتیں بلکہ) وہ عملی طور پر ذکر کرنے سے ہی ہوتا ہے۔''

''سلسلہ عالیہ میں جب کسی کو لیا جاتا ہے تو داخل کرنے (یعنی بیعت کرنے) سے مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ توجہ اسکے لطائف پہ منعکس کی جائے. اب اس کی ابتدا ہو گئی تو اس کے بعد (سالک اور شیخ کا) ایک ربط قائم ہو گیا. اب آپ کہیں بھی چلے جائیں جب ذکر کریں گے تو وہ توجہ منعکس ہو کر آپ کے قلب تک پہنچنا شروع ہو جائے گی. اس کیلئے آپ کو تصور کرنے کی ضرورت نہیں۔''

(کنز الطالبین)

گویا تصور شیخ کا مقصد صرف یکسوئی حاصل کرنا ہے اس سے فیض نہیں پایا جا سکتا ہے۔ فیض پانے کی صورت ذکر الٰہی ہی ہے۔ ذکر کرنے سے برکات شیخ کے قلب سے طالب کے قلب پہ منعکس ہوتی ہیں۔ دراصل برکات کے انعکاس کا سلسلہ کچھ یوں ہے کہ

از روئے شیخ المکرّم: شیخ المکرّم

''یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آپ جب بھی کہیں بھی بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں تو قلبِ اطہر رسول سے انوارات قلبِ شیخ پر مترشح ہوتے ہیں اور آگے منعکس ہو کر مرید کے قلب پر پڑتے ہیں۔ اس کا جان لینا اور اس پر یقینِ کامل ہونا کافی ہے مزید کچھ تصور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

(5) حقیقی صوفیاء کے کردار کے ثمرات:۔

شیخ المکرّم معاشرے میں حقیقی صوفی کی موجودگی کے اثرات و ثمرات کچھ یوں بیان فرماتے ہیں کہ

''عام مسلمانوں کے اعمال میں اصلاح کا مدار اس دور کے صوفی کے کردار پر منحصر ہوتا ہے۔ طلب رکھنے والے لوگ تو مستفید ہوتے ہی ہیں وہ بھی غیر معلوم طریقے سے بلا ارادہ مستفیض ہوتے رہتے ہیں جو طلب سے محروم ہوں۔''

وہ اگر چہ صوفی نہیں ہوتے مگر متعلقینِ صوفیاء ضرور ہوتے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے جو برکات اہل تصوف کے سینوں میں آتی ہیں وہ ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ تمام امتِ مسلمہ کی امانت ہوتی ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنے دل میں ایمان کا ذرہ رکھتا ہو بغیر جانتے ہوئے بھی ان برکات سے مستفیض ہوتا رہتا ہے اور خود شیخ کو بھی (اس کی) خبر نہیں ہوتی۔ بالکل سورج کی طرح وہ نہیں جانتا کون اس سے کہاں کہاں مستفیض ہو رہا ہے۔''

☆ اب ایسے میں تصورِ شیخ کی ضرورت ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے نیز سلسلہ عالیہ میں اعلیٰ حضرتؒ نے تصورِ شیخ سے منع فرما دیا کیونکہ لوگوں کے شرک میں پڑنے کا خطرہ تھا۔

☆ جیسا کہ حضرت سلطان باہوؒ فنافی الشیخ کے ضمن میں ایک جگہ یہ بات بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مقام فنافی الشیخ یہ ہے کہ جب صورت شیخ کا تصور کرے تو وہ طالب کو جس مقام پر چاہے پہنچا دے ورنہ صرف صورت شیخ کا تصور کرنا بت پرستی میں داخل ہے''۔

(مجالسۃ النبی)

(6) ایک تنبیھہ:۔

گو کہ تصورِ شیخ پہلے سلسلہ عالیہ میں بھی مشروع تھا جسے پھر اعلیٰ حضرتؒ نے بت پرستی سے مماثلت اور عام لوگوں کے شرک میں پڑنے کے ڈر سے ممنوع قرار دیا۔

لیکن شیخ المکرّم کی ایک تنبیہہ سب اہل سلسلہ پیش نظر رکھیں نیز حضرت کے ارشاد میں کتنا درد ہے اسے بھی پیش نظر رکھا جائے۔

وہ فرماتے ہیں۔

''گو کہ تصورِ شیخ ممنوع ہے لیکن اب میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ جہاں اس کے نقصانات تھے وہاں ایک فائدہ بھی تھا۔ اور وہ یہ کہ سلسلہ میں شامل ہونے والا ہر بندہ ذہنی طور پر اپنے شیخ سے وابستہ ہو جاتا ہے اور تصورِ شیخ سے اس بندہ کو شیخ سے براہِ راست وابستگی کا احساس رہتا ہے۔''

اب بہت سے لوگ دعوت دینے والے، ذکر کرانے والے یا صاحب مجاز پہ ہی رک جاتے ہیں وہ محسن تو ہو سکتے ہیں شیخ نہیں۔ اس سے ان دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ آنے والا شیخ سے محروم رہتا ہے اور درمیان والا خود شیخ بن جاتا ہے۔ اور یہ وہم نہ صرف اسے لے ڈوبتا ہے بلکہ سامنے کی بات ہے کتنے کتنے لوگوں کو اس کے ساتھ ڈوبتے دیکھا ہے۔

(7) نفع نہ محسوس ہو تو دوسرا شیخ تلاش کرے:۔

کسی بھی شیخ سے نسبت حاصل کرنے کا مقصد اللہ تک پہنچنا ہے اس شیخ تک پہنچنا نہیں ہے۔ اس لئے نفع نہ محسوس ہونے پر دوسرا شیخ تلاش کرنا ضروری ہے۔

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ایک مدت تک کسی شیخ کی خدمت میں حسنِ اعتقاد کے ساتھ رہے اور پھر بھی کوئی تاثیر محسوس نہ کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شیخ سے کنارہ کشی اختیار کرلے اور دوسرا پیر تلاش کرلے ورنہ اس کا معبود و مقصود شیخ بن جائے گا نہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اور یہ شرک ہے۔''

(ارشادالطالبین)

☆ حضرت علیؒ رامیتنی قدس سرہ جو سلسلہ نقشبندیہ کے پیر گزرے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

''جب تو کسی پیر کی صحبت اختیار کرے اور تیرے نفسانی میلانات جیسے کے ویسے رہیں تو اس پیر کی صحبت کو ترک کردے۔''

1۔ شیخ سے حسنِ ظن :۔

حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ

''یہ ضرور ہے کہ اس شیخ سے جس سے فیض نہ پہنچا اس کے بارے میں بھی حسنِ ظن رکھے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ خود تو کامل ہو لیکن اس کے پاس اس شخص کا حصہ نہ ہو۔''

شیخ المکرّم اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ

''ضروری نہیں کہ ہر صوفی میں یہ استعداد بھی ہو کہ جو کچھ اسے ملا وہ آگے بھی پہنچا سکے۔ اور شیخ یا پیر بننے کا اہل صرف وہ شخص ہوتا ہے جو منازل سلوک طے کرا سکتا ہو۔''

2۔ بیعت کے لئے شرط:۔

نیز شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

بیعت تصوف کیلئے کم از کم شرط (بیعت اصلاح کوئی بھی عالم دین جو باعمل ہو لے سکتا ہے) صوفیاء کے نزدیک یہ ہے کہ اس شخص کی بیعت کی جائے جو دوسرے کو فنافی الرسول کرا سکتا ہو۔ اگر اس کا اہل نہ ہو تو اسے تصوف میں بیعت نہیں لینی چاہیے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کے گرد ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہوں کہ اس کی صحبت سے ہمیں فنافی الرسول نصیب ہوا۔ ورنہ خود دعویدار تو کوئی بھی ہوسکتا ہے۔

اور اگر ایسا شخص نصیب ہو جائے تو پھر اس سے مکمل طور پر خود کو وابستہ کردے اور جہاں تک منازل وہ کرا سکتا ہو ضرور کرائے۔

3۔ شیخ کی وفات:۔

اگر شیخ کامل میسر تو آئے لیکن فوت ہو جائے اور مرید ابھی درجہ تکمیل کو نہ پہنچا ہو تو مرید کیا کرے؟

اس ضمن میں قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

''اس مرید پر واجب ہے کہ وہ دوسرے شیخ کی صحبت ڈھونڈھے کیونکہ مقصود تو خدا ہے'' (اور اس تک رسائی ہے)

(ارشادالطالبین)

☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ

''صحابہ نے رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ سے بیعت کی۔ اس بیعت کا مقصد محض دنیوی امور (یعنی سیاسی و اجتماعی مصلحتیں) نہیں تھیں بلکہ باطنی کمالات کا حاصل کرنا بھی (اس میں شامل) تھا۔''

(ارشادالطالبین)

وصال شیخ کے بعد فیض

اگر کوئی کہے کہ اولیاء کا فیض تو ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے اس لئے دوسرے شیخ سے رجوع کرنا بے معنی ہے تو (اس کے جواب میں) کہا جائے گا کہ

''اولیاء کا فیض ان کی وفات کے بعد اس قدر موثر نہیں رہتا کہ ناقص کو درجہ کمال تک پہنچادے (کیونکہ ناقص روح سے رجوع کس طرح کرے گا) بجز اس کے کہ کبھی ایک آدھ بار ایسا ہوا ہو۔''

دلیل:۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ

''اگر مرنے کے بعد بھی فیض کی نوعیت وہی رہتی جیسے کہ حیات ناسوتی میں تھی تو اس وقت جتنے بھی اہل مدینہ ہیں وہ (فیض یابی میں) صحابہ کے برابر ہوں گے اور کوئی بھی شخص اولیاء کرام کے فیضان صحبت کا محتاج نہیں رہے گا۔''

(نیز) مردہ کا فیض زندہ کے برابر کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ فیض پہنچانے اور فیض پانے والے میں مناسبت شرطِ ضروری ہے (یعنی دونوں ایک ہی جہان میں ہوں) جو وفات کے بعد باقی نہیں رہتی۔

قبر سے فیض

''ہاں فنا بقا کے بعد جب باطنی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے تو بزرگان دین کی قبروں سے فیض اٹھایا جاسکتا ہے مگر وہ بھی اتنا نہیں جتنا کہ ان کی زندگی میں ممکن ہے۔''

(ارشاد الطالبین)

(8) نفع محسوس ہو تو شیخ کو کبھی نہ چھوڑے:۔

اگر کسی کا نصیب یاوری کرے اور اسے شیخ کامل نصیب ہو جائے تو

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ

''اگر کسی کی ولایت ثابت ہو اور مرید اس کی صحبت کی تاثیر (یعنی نیکی سے رغبت اور گناہ سے بے رغبتی) کو اپنے اندر محسوس بھی کرلے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی صحبت کو غنیمت جانے اور اس کے فیض کا دامن مضبوط پکڑے اور اس کے عشق کو، محبت کو اپنے دل میں پیوست کرلے اور اللہ سے اس (شیخ) کی محبت کے راسخ ہو جانے کی درخواست کرے۔''

کیونکہ خود رسول پاک ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے اس لئے کسی کو قاضی صاحب کے اس جملہ پر اعتراض نہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے جہاں اللہ سے اس کی محبت طلب فرمائی وہاں یہ بھی دعا کی کہ

واسلک حب من یحبک	(اور میں تجھ سے اس کی محبت طلب کرتا ہوں جو تجھ سے محبت رکھتا ہو

نیز قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

''اور اس کے حکم (کردہ اعمال واشغال) کی بجا آوری کرے اور منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کی پوری پوری کوشش کرے اور ہمیشہ اس کی خوشنودی کا طالب بنا رہے اور (اس بات کی) احتیاط برتے کہ اپنی طرف سے کوئی حرکت ایسی نہ ہونے پائے جو اس کی ناراضی کا موجب ہو جائے کیونکہ اس کی خوشنودی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور ترقیات روحانی کا سبب ہے اور اس کی ناراضگی سے غیض (ربانی) اور فتوحات

(باطنی) کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔''

(ارشاد الطالبین)

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ

''پیر کامل کا مل جانا محض بخشش رب ہے''

(مقامات تصوف)

(9) علم لدنی:۔

علم لدنی سے مراد الہامی علوم ہوتے ہیں جو اولیاء کے قلوب میں بہ طفیل انبیاء وارد ہوتے ہیں یہ وہ علوم ہوتے ہیں جو درس وتدریس سے حاصل نہیں کئے جاسکتے بلکہ جس کو اللہ چاہے اپنے پاس سے عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کے اس ارشاد سے علم لدنی کی حقیقت کافی واضح ہو جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ

''جب کوئی تصورِ تصوف میں مشغول ہوتا ہے تو تجلیات الٰہی اس پر ظاہر ہوتی ہیں اور جو کچھ وہ چاہتا ہے لوح ضمیر سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ اور علم ظاہری اور باطنی الہام اور علم لدنی بھی لوح ضمیر سے (اس پہ) کشادہ ہوتے ہیں (یعنی کھلتے ہیں) اور یہ مراتب عارف مبتدی کے ہیں۔

(مجالسۃ النبی)

اس سے متعلق حضرت شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں کہ

''علم لدنی سے مراد وہ علوم ہوتے ہیں جو اللہ کے نبیوں کے واسطے سے نصیب ہوتے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت دل میں راسخ ہو جاتی ہے اور عجز و نیازمندی دل میں در آتی ہے''

ایک اور جگہ فرمایا۔

''صحابہ حضور کی محفل میں یوں بیٹھتے تھے کہ گویا پتھر ہوں چاہے پرندے ان کے سروں پر آکر بیٹھ رہیں۔ کسی صحابی نے بے باک نگاہ سے رخِ انور کو نہیں دیکھا دست بستہ مودٔب خاموش لیکن یہ خاموشی انھیں اتنا کچھ پڑھا گئی کہ وہ کائنات کے معلم بن گئے۔ یہ علم لدنی ہوتا ہے۔ جو الفاظ، کتب اور اساتذہ کا محتاج نہیں ہوتا اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے لیکن جتنا علم انبیاء کو عطا ہوتا ہے ولی اس کے کروڑویں حصے کو بھی نہیں پا سکتا۔ اسے ہضم کر سکتا ہے نہ برداشت''۔

قرآن و حدیث سے دلائل:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جو کہ اسی علم کی جانب اشارہ کرتی ہے فرماتے ہیں کہ

''مجھے رسول اللہ ﷺ سے دو علم پہنچے ہیں ایک تو وہ علم جسے میں نے تم تک پہنچایا (یعنی حدیث) اور دوسرا وہ علم کہ اگر اس کو میں ظاہر کروں تو خلق خدا میرا حلق کاٹ ڈالے''۔

(از مقاماتِ تصوف)

اس ضمن میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بھی بطور دلیل پیش کیا گیا ہے

صاحب مقامات تصوف فرماتے ہیں کہ

''اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم ظاہر کے مقابلے میں ایک اور علم بھی ہے جسے علم لدنی یا علم باطن کہتے ہیں چنانچہ قرآن اس کی خبر دیتا ہے۔''

دلیل قرآنی۔

فوجدا اعبدا من عبادنا آتیناہ رحمة من عندنا و علمنا من لدنا علما o	پس موسیٰ اور ان کے ساتھی دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس پر ہماری رحمت نازل ہوئی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے خاص علم عطا فرمایا تھا۔

پس اگر شریعت موسوی کے سوا اور کوئی علم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ کو حضرت خضرؑ کی پیروی کی کیا ضرورت تھی جبکہ از روئے عقیدہ حضرت موسیٰ کا مقام اعلیٰ و برتر ہے اور آپ حامل تورات تھے۔

پس صاف معلوم ہوا کہ علم شریعت کے علاوہ ایک علم لدنی بھی ہے جو حضرت خضرؑ کو حاصل تھا جس کے باعث حضرت موسیٰ نے انکی تابعداری کی۔

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مقالہ ''الدینیہ فی النصیحۃ الوصیۃ'' کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

''طالب کو چاہیئے کہ علم لدنی کی طلب اور نسبت صوفیاء کی تلاش میں رہے نیز اہل دل و شیخ کامل کی جستجو کرے''

شیخ المکرم اور علم لدنی:۔

حضرت شیخ المکرم سے متعلق یہ بات سلسلہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے کہ **1973** میں حج کے دوران اعلیٰ حضرت کی معیت میں انھیں قرآن فہمی کا علم حاصل ہوا جس کے نتیجے میں آپ نے تفسیر ''اسرار التنزیل'' لکھی جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور جس کا ایک ایک نقطہ حیات آفریں ہے۔

اور اس بات کی میں خود شاہد ہوں کہ حضرت شیخ المکرم کا وطیرہ یہ تھا کہ تفسیر کا کام صرف رمضان المبارک میں کیا کرتے تھے اور سارا سارا دن کرتے تھے۔ آخر میں صرف ایک پارہ رہ گیا اور رمضان المبارک ختم ہو گیا۔

حضرت نے چاہا کہ صرف ایک پارے کے لئے آخری جلد پورا ایک سال لیٹ نہ ہو اور آپ نے غیر رمضان میں لکھنا چاہا تو تین دن میں ایک صفحہ لکھا گیا تو آپ نے اس کام کو چھوڑ دیا اور آئندہ رمضان میں مکمل کیا۔ اور رمضان میں یوں برکت شامل حال ہوتی کہ سال بھر کا کام مہینے بھر میں مکمل ہو جاتا اور خاص بات یہ ہے کہ آپ نے آج تک کسی مدرسے یا عالم سے ایک حرف تک نہ سیکھا صرف تزکیہ باطن کی غرض سے ایک ہستی کامل کے قدموں میں زانوئے تلمذ تہہ کئے اور انھیں کی دستگیری سے سب کچھ پایا۔ آج بھی شیخ المکرم کا درس قرآن جو ایک مرتبہ سنتا ہے تو پھر کسی دوسرے کی بات مزہ ہی نہیں دیتی۔

شائد یہی بات حضرت سلطان باہوؒ بھی ارشاد فرما رہے ہیں کہ

''جس کے وجود میں اسم اللہ جاری ہو گیا اور قرار پکڑ گیا تو پہلے اسے علم لدنی حاصل ہوتا ہے''

(نور الہدیٰ)

4۔ صوفی و غیر صوفی میں فرق:

امام قشیریؒ علم ظاہر اور علم لدنی کو صوفی و غیر صوفی کے مابین فرق قرار دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ

''مرید کے لئے یہ امر قبیح ہے کہ وہ صوفیاء کے مذہب کے سوا کسی اور مذہب (یعنی مسلک) کی طرف منسوب ہو۔ اور کوئی صوفی صوفیاء کے طریقہ کو چھوڑ کو مختلف مذاہب (مسالک) میں سے کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو تو اس کا سبب صوفیاء کے طریقہ سے جہالت کے سوا

اور کچھ نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ صوفیاء کے مسائل کے دلائل دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہیں ان کے مذہب کے اصول دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں۔''

(رسالہ قشیریہ)

وجہ:۔

آ گے امام صاحب اس کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ

''دیگر لوگ یا تو نقل وروایت کے مالک ہیں یا عقل وفکر کے مالک ہیں مگر اس گروہ کے شیوخ ان سب چیزوں سے بلند ہیں کیونکہ جو چیز اوروں کے لئے غیب ہے وہ ان کے لئے ظاہر چیز ہے اور جو معرفت کے امور لوگ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے (پہلے ہی) موجود ہوتے ہیں۔''

لہٰذا یہ لوگ اہل وصال ٹھہرے اور دیگر اہل استدلال۔صوفیاء کی مثال تو یہ ہے۔

لیلی بوجھک مشرق وظلامه فی الناس ساری فالناس فی سدف الظلام ونحن فی ضوء النهار.	''میری رات تمہارے چہرے کی بدولت روشن ہے حالانکہ اسکی ظلمت لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے چنانچہ لوگ تو تاریکی میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں''

علمائے ظاہر کا علمائے باطن سے رجوع:۔

اسی علمی فوقیت کی بناء پر علمائے ظاہر نے علماء باطن سے اکتساب فیض بھی کیا

چنانچہ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ

''ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں اس گروہ کا کوئی نہ کوئی ایسا شیخ نہ ہوا ہو جسے علم توحید اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو۔یہی نہیں بلکہ علماء میں سے آئمہ وقت نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے اور انہیں باعث برکت سمجھا ہے اگر (خود) انھیں کسی قسم کی فضیلت حاصل ہوتی تو معاملہ برعکس ہوتا۔''

(۵) مثالیں:۔

امام صاحب اس ضمن میں چند مثالیں بھی پیش فرماتے ہیں جن سے صورت حال واضح ہوجاتی ہے۔چند ایک کا یہاں پہ اعادہ کرتے ہیں۔

۱۔ ابو عمران فقیہه اور شبلیؒ:۔

فرمایا ہے کہ جامع منصور میں اکابر فقہا میں سے ایک فقیہہ ابوعمران کا اور شبلیؒ کا حلقہ ساتھ ساتھ تھا جب شبلیؒ گفتگو کرتے تو اس فقیہہ کا حلقہ منتشر ہوجاتا۔

ابوعمران اور ان کے شاگردوں نے شبلیؒ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان سے حیض سے متعلق کوئی سوال کیا۔شبلیؒ نے اس مسئلہ میں فقہا کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ابوعمران نے بے ساختہ اٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا اور کہا۔

''اے ابوبکر! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کئے ہیں جنھیں میں نے کبھی نہ سنا تھا جو کچھ آپ نے فرمایا ان میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔''

۲۔ عبداللّٰہ بن سعید اور جنیدؒ:۔

کسی نے عبداللہ بن سعید سے کہا کہ آپ ہر شخص کے کلام پر جرح کیا کرتے ہیں یہاں جنیدؒ نامی ایک شخص ہے کیا آپ اس پہ بھی اعتراض کرسکتے ہیں۔

چنانچہ عبداللہ، جنیدؒ کے پاس ان کے حلقہ میں گئے اور ان سے توحید کے متعلق سوال کیا اور انھوں نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ حیران رہ گئے اور کلام دہرانے کی درخواست کی۔ حضرت جنیدؒ نے بات دہرائی مگر عبارت بدل کر اس پر عبداللہ نے کہا یہ تو کوئی اور ہی بات ہے جو مجھے نہیں آتی ذرا پھر دہرائیں۔ انھوں نے پھر عبارت بدل کر بات کو دہرایا۔

عبداللہ نے کہا ''جو کچھ آپ فرما رہے ہیں مجھے یاد نہیں رہ سکتا مجھے لکھ دیجئے۔''

اس پر جنیدؒ نے کہا۔

''اگر آپ سلوک کا راستہ طے کر چکے ہوں تو میں لکھ دیتا ہوں۔ اس پر عبداللہ نے کھڑے ہو کر ان کی فضیلت کا اعتراف کیا''

۳۔ ابو بکر رازیؒ کو شبلیؒ سے فرماتے سنا گیا کہ

''ایسے علم سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جسکے سامنے علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔''

٤۔ جنیدؒ کو فرماتے سنا گیا کہ

''اگر مجھے علم ہوتا کہ اس علم کے مقابلے میں جس میں ہم اپنے اصحاب سے گفتگو کرتے ہیں کوئی اور علم دنیا میں افضل ہے تو میں اسکو حاصل کرنے کا ضرور قصد کرتا۔''

(رسالہ قشیریہ)

(10) مسائل بیعت:

بیعت کے جائز ہونے اور بیعت طریقت کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکا ہے اب دیگر پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ تکرار بیعت:۔

نوٹ: اس ضمن میں ہمارے پاس کچھ معلومات ایک سے زائد مرشد اختیار کرنا اور نفع محسوس نہ ہونے پر دوسرا شیخ اختیار کرنا کے تحت موجود ہیں گذشتہ اوراق سے استفادہ کیا جائے۔ مزید یہ ہے کہ اسلام میں بیعت یہ ہے کہ شریعت کی کسی بات کو اللہ کے حکم سے انجام دینے یا کسی خاص دینی مسئلہ پر عمل کرنے کا عہد لیا جائے۔ اب بیعت متعدد مقاصد کیلئے بھی کی جاتی ہے اور مقصد جب تک پا نہ لیا جائے تکرار بیعت جائز ہے کیونکہ مقصد صرف بیعت کرنا نہیں ہے جس کام کے حصول کیلئے عہد کیا اس کو پانا ہے۔

☆ اس ضمن میں ''مقامات تصوف'' میں ہے کہ

بعض صورتوں میں تکرار بیعت جائز اور بعض حالات میں ضروری ہے لیکن اس زمانے میں بعض پیر طمع نفسانی اور کسر شان کی وجہ سے اپنے مریدوں کو طریقت کا غلط مسئلہ بتاتے ہیں کہ

''اب ہمارے سوا کسی بزرگ کی طرف رجوع نہ کرنا۔ تم اب ہمارے جھنڈے کے نیچے آ چکے ہو اس لئے اب دوسری جگہ بیعت نہیں ہو سکتے ورنہ تمھارا نام ہم مریدوں کے دفتر سے کاٹ دیں گے اور تمھاری شفاعت نہ کریں گے۔''

غرض اس قسم کی لغو باتیں جاہلوں کو سکھاتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ محض ان خود غرض اور حریص پیروں کی شرارت نفس ہے اور ناواقف مریدوں کو دھوکہ دینا ہے۔''

☆ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے تمام مریدوں سے فرمایا:

''خدا نے ایک سے ایک اچھے انسان پیدا کئے ہیں تم مجھ سے بہتر شیخ تلاش کرلو۔''

اس پر اکثر مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کو چھوڑ کر ہم کہیں نہیں جائیں گے اور کچھ اشخاص نے تلاش کے بعد واپس آ کر عرض کیا کہ آپ جیسا بزرگ ہم کو نہیں ملا۔
درحقیقت یہ حضرت خواجہؒ کی کمال بے نفسی کا ثبوت ہے کہ جن کی ایک توجہ سے نان بائی آپ کا ہم شکل بن جائے اور قرب حق میں درجہ کمال کو پہنچ جائے اور جن کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے حضرات ہوں ان کا ایسا فرمانا بے نفسی کی دلیل ہے اسی وجہ سے آپ کو خواجہ بے نفسی بھی کہا جاتا ہے۔

(مقامات تصوف)

☆ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ فرماتے ہیں

''جو شخص میرے پیر (مجدد الف ثانی) کی طرح کامل پیر رکھتا ہو اس کو دوسرے پیر کے پاس نہیں جانا چاہیے (ہاں) مگر پیر ناقص سے ضرور علیحدہ ہو کر دوسرے پیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی خدمت اور صحبت میں بیٹھا جائے بلکہ ایسے پیر کی صحبت میں بیٹھنا اپنی استعداد کو ضائع کرنا ہے۔''

☆ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب 'قول الجمیل' میں فرماتے ہیں کہ

''تکرار بیعت جناب رسول ﷺ اور صوفیاء سے منقول ہے۔''

۲۔ نابالغ کی بیعت:۔

ماں باپ جہاں خود بیعت ہوں عموماً وہ اپنے بچوں کو بھی وہاں بیعت کرا دیتے ہیں اور بعض اوقات بچے کمسن اور نابالغ ہوتے ہیں تو ایسی بیعت سے متعلق کیا حکم ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔
'اکمال الشیم' جو کہ 'تبویب الحکم' کی شرح ہے میں ایک جگہ حضرت علی بن حسان الدین المتقیؒ کا ایک بیان رقم ہے جو انہوں نے اپنی موت سے قبل ارشاد فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں کہ۔

''یہ فقیر جب بچہ تھا تو میرے والد نے شیخ بزرگ باجنؒ قدس سرہ کا مرید بنایا اور جب میں حق و باطل کے درمیان تمیز کی عمر کو (بلوغت کو) پہنچ گیا تو میں نے اپنے اختیار سے سابقہ بیعت کو قائم رکھا (اور یہ) اہل تصوف کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے کیا کہ:۔

''چھوٹی عمر کا بچہ جب کسی کا مرید ہو جائے تو بعد از بلوغ اسے سابقہ شیخ کی بیعت رکھتے ہوئے اسی کا مرید رہنے یا کسی دوسرے شیخ سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔''

''اس لیے میں نے اپنے والد کے شیخ سے موافقت رکھی اور جب میرے والد اور شیخ دونوں کا انتقال ہو گیا تو میں نے ایسے شیخ کا قصد کیا جو مجھے طریق حق میں زیادہ مستقیم کر دے تو میں نے ملتان کا قصد کیا۔''

☆ حضرت شیخ المکرم کی خدمت میں جب یہ سوال پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

''نابالغ کی بیعت یہ تو نہیں کہ ناجائز ہے لیکن وہ صرف برکت کیلئے ہوتی ہے چونکہ اس میں بچے کے اپنے فیصلے اور سوجھ بوجھ کو دخل نہیں ہوتا اس لئے بالغ ہونے پر وہ مجاز ہے کہ آیا اسی بیعت کو برقرار رکھے یا جو بہتر سمجھے وہ کرے''۔

۳۔ عورت کی بیعت :

عورت بھی انسان ہونے میں بمثل مرد ہے اس لئے اسے بھی ہدایت و برکات کی ویسے ہی ضرورت ہے اور آخرت میں جواب دہی اس سے بھی ہونا ہے۔ اللہ کریم نے دونوں کے دائرہ کار الگ الگ مقرر فرمائے ہیں باقی تو کچھ فرق نہیں ہے اس لیے اس کا بھی بیعت کرنا جائز اور درست ہے۔

بیعت کرنے کا طریقہ:۔

عورت کو بیعت کرنے کا طریقہ مرد سے الگ ہوتا ہے کہ مرد کو ہاتھ پکڑ کر یا اگر زیادہ لوگ ہوں تو بیعت کرنے والے ایک دوسرے کے کندھے پہ ہاتھ دھر کر یا بڑا کپڑا پکڑ کر بیعت ہوتے ہیں لیکن خواتین کو بیعت کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ

''خاتون ایک ہو یا زیادہ ہوں کپڑا پکڑ کر ہی بیعت کیا جائے گا''۔

یہی طریقہ سلسلہ میں رائج ہے اور اس کی ہی تصدیق جا بجا کتب تصوف میں ملتی ہے مثلاً

☆ ''معیار السلوک' میں ہے کہ

''عورت صاحب پردہ ہو اور اس سے بھی الفاظ کہلوائے جائیں جو مردوں سے کہلوائے جاتے ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ ہاتھ نہ پکڑا جائے اور اگر عورت کا محرم داخل سلسلہ ہے تو اس کو پاس بٹھا لیا جائے''۔

مسئلہ:۔

نیز عورت کا بحالت حیض و نفاس بھی بیعت کرنا درست ہے کیونکہ مقصود توبہ اور تزکیہ نفس ہے۔

(معیار السلوک)

٤۔ بیعت کی قسمیں:۔

بیعت کی کئی اقسام ہیں مثلاً

1۔سیاسی مقاصد کے لیے: مثلاً خلافت وحکومت کیلئے۔

2۔احکام شریعی کی پابندی کے لئے: جیسے حضورﷺ نے بیعت عقبہ اولیٰ وثانی اہل مدینہ سے لی تھی۔

3۔موت پہ بیعت: جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان ہوئی تھی

4۔خاص مقاصد کے لئے بیعت: مثلاً

حضورﷺ نے کبھی ہجرت و جہاد پر، کبھی ارکانِ اسلام میں ثابت قدمی پر، کبھی اتباع سنت و اجتناب بدعت پر، کبھی عبادت میں شائق ہونے پر، کبھی نوحہ نہ کرنے پر، کبھی سوال نہ کرنے پر غرض متعدد مقامات پر بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔

☆ چنانچہ مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''پس بیعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے نیز جو فعل حضورﷺ نے عبادت واہتمام کے طور پر کیا نہ کہ عادت کے تو وہ مسنون ہوتا ہے چنانچہ طریق بیعت بھی سنت نبویﷺ ہے۔''

(مقامات تصوف)

☆ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ

''علم باطن فرض طلب طریقت واجب اور بیعت ہونا سنت ہے اور ہزار ہا علماء وصلحا نے سلسلہ طریقت میں بیعت کی ہے''

(ارشاد الطالبین)

صوفیاء میں بیعت کی اقسام:۔

☆ مقامات تصوف میں ہے کہ

''یوں تو شریعت میں بیعت کی بہت سی اقسام ہیں لیکن صوفیاء کے یہاں تین قسم کی بیعتوں کا رواج ہے۔''

۱۔ بیعت توبہ عن المعاصیہ

۲۔ بیعت توسل و تبرک: (یعنی برکت حاصل کرنے کے لئے سلسلہ صالحین میں داخل ہونا)۔

بیعت توبہ وتوسل میں مرید کے لئے ضروری ہے کہ کبائر سے اجتناب کرے اور صغائر پر اصرار نہ کرے فرائض، واجبات اور سنن کا پابند رہے ورنہ بیعت شکن سمجھا جائے گا۔

۳۔ بیعت کسبِ سلوک:

''اس کا مقصد قرب حق اور تزکیہ نفس ہوتا ہے اس کو بیعت حقیقت بھی کہتے ہیں اس میں (مرید کے لئے) ضروری ہے کہ اپنے مرشد کی تعلیم وتلقین کے مطابق اذکار واشغال، مراقبے، مجاہدات اور ریاضتیں کی جائیں یہاں تک کہ قلب میں نورانیت وطمانیت اور کیفیت شہود پیدا ہوجائے''۔

(مقامات تصوف)

☆ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے ''رسالہ بیعت'' میں اقسام بیعت کی اس طرح تصریح فرمائی ہے

(نوٹ: اصل عبارت فارسی میں ہے جس کا ترجمہ حضرت شیخ المکرّم کی مدد سے کیا گیا ہے) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

صوفیاء کے نزدیک بیعت کی چار قسمیں مقبول ومعتبر ہیں اور ہر قسم کی شرائط اور ثمرات الگ ہیں۔

۱۔ بیعت وسیلت

۲۔ بیعت شریعت

۳۔ بیعت طریقت

۴۔ بیعت حقیقت۔

اس کے علاوہ جو حصول مالِ یا دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لئے مرشد سے کی جائے درحقیقت اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱۔ بیعت وسیلت:

نوٹ: یہ بیعت کی وہی قسم ہے جسکا ذکر پہلے بیعت توبہ وتوسل کے تحت ہوچکا ہے یعنی کسی کے ہاتھ پر توبہ کرکے ظاہری احکام شریعت کا علم حاصل کرنا اور اصلاح احوال کیلئے کوشش کرنا وغیرہ اس کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے)

۲۔ بیعت شریعت:

مختصراً فرماتے ہیں کہ ضرورت ہے کہ کوئی آدمی علم وتقویٰ کے علاوہ دو صفتیں رکھتا ہو۔ ایک عمل بالمعروف ونہی عن المنکر میں سستی نہ کرے اور نہ منافقت اور دوسرا یہ کہ طالب کے حال سے اس طرح واقف ہو کہ اس کے لئے آسان اور افضل کام کا انتخاب کرے۔ اس (بیعت) کا ثمر آخرت میں نجات کلی پانا ہے۔

۳۔ بیعت طریقت:

اس میں شاہ صاحب مفصل بیان فرماتے ہیں کہ

''اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی باہمت انسان اولیاء اللہ کے فضائل ومناقب یا ان کے عجیب وغریب تصرفات کے بارے میں علم

حاصل کرے جیسا کہ تصرف (دلوں پر) اور مرنے والوں کے احوال کا کشف، مستقبل کے حالات کا کشف، ارواح طیب سے ملاقات جوفوت ہوچکی ہوں (وغیرہ) جیسی سنے اور اس کے دل میں ان کے حصول کا شوق غالب ہو جائے تو یہ چیز معروف ہے۔ کہ کوئی سند بغیر اس پر محنت اور کسی صاحب حق سے حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور ایسی چیز جو کسی کے اختیار میں نہ ہو وہ اپنے آپ کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔''

لہذا جس کو ان اعمال میں کمال اور مہارت حاصل ہو اور اس کا وجود ان کے آثار ظاہر کرتا ہو تو اس سے حصولِ مراد آسان ہوتا ہے۔ ایسے استاد سے حق کی متابعت کر کے مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس کا پھل روح کو صاف کرنا کدورت جسمانی سے اور اسے منور و مکمل کرنا انوار روحانی سے اور اسمائے ربانی سے اور فیض کا مصدر بن جانا اللہ کے بندوں کے لئے۔

اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب بندہ وہ ہے جو اس کی عیال کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہو (نیز) فضیلت ومحبوبیت کا مستحق بن کر زمرہ اولیاء میں شامل ہو جانا اور ان کے فضائل میں شریک ہو جانا اور ان سے مناسبت پیدا کرنا ہے''۔

۳۔ بیعت حقیقت:۔

فرمایا

''اس کی شرائط فنائے وجود، دنیاوی لذات اور دنیوی چیزوں سے تعلقات قطع کرنا اور مال و جاہ سے کوئی تعلق نہ رکھنا ہیں اور اس کا پھل یہ ہے کہ نور تجلیات الٰہی سے پر ہونا اور وجود کے ظلماتی حجابات کا فنا ہو جانا'' (رسالہ بیعت)

☆ بیعت ظاہری و روحانی:

روحانی بیعت کسے کہتے ہیں؟ اور بیعت ظاہری و روحانی میں کیا فرق ہے؟ یہاں اب اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) ظاہری بیعت:۔

بیعت کی جتنی بھی اقسام اوپر بیان ہوئی ہیں وہ سب ظاہری بیعت کے زمرے میں آتی ہیں اب بیعت جس کام کے لئے کی گئی اس پر اس لحاظ سے شرائط عائد ہوتی ہیں نیز اسی اعتبار سے نتائج و ثمرات کی توقع کی جاتی ہے (یا وارد ہوتے ہیں)

☆ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''ظاہری بیعت کی جو قسم اصلاح کے لئے ہے وہ آپ ہر اس آدمی کے ہاتھ پر کر سکتے ہیں جو امور شرعی سے پوری طرح واقف ہو اور آپ کی راہنمائی کر سکتا ہو۔ اتنا جاننے والے سے بیعت اصلاح کی شرعاً اجازت ہے''۔

سلسلہ عالیہ اور ظاہری بیعت:۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں ہمارے سلسلہ میں ظاہری بیعت کا طریقہ رائج نہیں تھا بلکہ ہر وہ شخص سلسلہ کا ساتھی شمار ہوتا تھا جو اس طریقۂ ذکر کو اپناتا تھا ظاہری بیعت شرط نہیں تھی'

وجوہات:۔

شیخ المکرّم اس کی دو وجوہات بیان فرماتے ہیں کہ

''مشائخ عظام فرماتے تھے کہ جو کام ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے جو شریعت کا جاننے والا ہے اور اس کی شرعاً اجازت بھی ہے اور لوگوں کو اپنے قریب سے میسر بھی آ سکتا ہے تو ہم انھیں اتنا دور آنے پہ کیوں مجبور کریں اور اپنے ساتھ الجھائے رکھیں اس لئے مشائخ سلسلہ، بیعت

ظاہری کوعلمائے ظاہر کے لئے چھوڑ دیتے جولوگوں کی اصلاح کرتے تھے۔''

دوسری وجہ یہ تھی کہ مشائخ سلسلہ صرف ان لوگوں کو ساتھ رکھتے تھے اور بیعت کرتے تھے جوفنافی الرسول کے متمنی ہوتے تھے۔اور فنافی الرسول میں بیعت ہونے کا ارادہ وعزم رکھتے اوراس کے لئے محنت کرتے (یعنی بیعت روحانی کیلئے) کیونکہ یہ اورکہیں سے ملنا ناممکن کے قریب ہے۔ (کنزالطالبین)

بیعت ظاہری کا حکم:۔

اب سلسلہ عالیہ میں بھی بیعت ظاہری رائج ہے اور یہ کب اور کیسے جاری ہوئی اسکی تفصیلات سلسلہ کے مطبوعہ ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

☆ حضرت شیخ المکرّم کے اس ضمن میں مفصل بیان کو سامنے رکھتے ہوئے مختصراً بتایا جاتا ہے کہ

وجوہات بیان کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ

پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اب وہ زمانہ گذر گیا ہے (جب بیعت اصلاح عوام کے لئے کافی تھی) اب بیعت ایک کاروبار بن گئی ہے بدکار اور پیشہ ور لوگ بیعت لینے لگے ہیں اور صرف عمل ہی نہیں سادہ لوح عوام کے عقائد بھی خراب کرتے ہیں اور بیعت ہونا لوگوں کی گمراہی کا سبب بن گیا ہے۔

یہ مسئلہ مشائخ عظام کی خدمت میں (برزخ میں) پیش ہوا اور بڑھتے بڑھتے اپنی آخری منزل بارگاہ نبوت تک گیا تب یہ فیصلہ کیا گیا کہ ''ظاہری بیعت لی جائے اور اسی وقت یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جو بھی آئے اس کو ذکر بھی سکھایا جائے اور لطائف بھی کرائے جائیں''۔

اور حضرت فرماتے ہیں کہ 'تب اٹھارہ بیس سال ذکر کرنے کے بعد ہم سب احباب نے بھی جو انگلیوں پہ گنے جاسکتے تھے 1976-77 میں اعلیٰ حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت کی (ظاہری) اس کے بعد یہ سلسلہ عام ہوا۔

(کنزالطالبین)

۲۔ روحانی بیعت:۔

ا۔ تعریف:۔

''فنافی الرسول کے مراقبات میں حضورﷺ کے دست اقدس پر روحانی طور پر شرف بیعت حاصل ہونا روحانی بیعت کہلاتا ہے''

فنا فی الرسول کیا ہے؟

دراصل فنافی الرسول سلوک میں اولین وآخرین منزل ہے سلوک کی ابتدا بھی یہی ہے اور انتہا بھی۔

فنافی الرسول یہ ہے کہ انسان کی روح میں یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ اسے بارگاہ نبوی کی حضوری نصیب ہو جائے یعنی اس کے مراقبات مسجد نبوی تک ہو جائیں۔

☆ حضرت شیخ المکرّم فنافی الرسول کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں کہ

''یہ ایک مراقبہ ہے اور اس میں جسم کا ہر ہر عضو الگ ہو کر ذکر کرتا ہے۔یہ کیفیات نہ سمجھائی جاسکتی ہیں نہ ان کے (بیان کے) لئے الفاظ ہیں اس لئے لکھی پڑھی اور بیان نہیں کی جاسکتیں جس کو حضورﷺ کی حضوری نصیب ہوتی ہے وہ چاہے دنیا کا کوئی کام بھی کر رہا ہو اس کا وہ حال قائم رہتا ہے۔رفتہ رفتہ فنا کی صورتیں بدل جاتی ہیں مدارج بدل جاتے ہیں بالآخر اپنی ذات بھی اپنی نہیں رہتی صرف حضورﷺ کی صحبت اور کامل اتباع رہ جاتا ہے''۔

۲۔ روحانی بیعت کا ثبوت:۔

☆ اس ضمن میں اعلیٰ حضرتؒ نے 'دلائل السلوک' میں حضرت شاہ ولی اللہ کا قول قلمبند فرمایا ہے جس میں انہوں نے اپنی بیعت روحانی کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔اعلیٰ

حضرتؒ نے اس کو بطور ثبوت بیان فرمایا ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

''جب یہ معرفت میرے دل میں جاگزیں ہوئی تو حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر اٹھایا اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا۔ یہ فقیر اٹھا، اپنے زانو حضور اکرم ﷺ کے زانوؤں سے ملائے اور اپنے دونوں ہاتھ حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی۔ بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے آنکھیں بند فرمالیں''۔

(الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ)

اسی طرح اس کا ثبوت متقدمین صوفیاء سے بھی ملتا ہے۔ اور اس کا ذکر علامہ ابن حجرؒ نے 'فتاویٰ الحدیثیہ' میں جابجا فرمایا ہے۔

۳۔ بیعت روحانی یا فنا فی الرسول کی ضرورت و اهمیت:۔

فنافی الرسول یوں تو ہر پہلو سے خیر ہی خیر ہے لیکن دو ایسی باتیں ہیں کہ جن سے اس کی اہمیت صحیح طور پر واضح ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ جوں جوں اس مراقبہ میں وقت گزرتا جاتا ہے اس کی برکات کے نتیجے میں انسان کی اپنی ذات حضور ﷺ کی ذات میں فنا ہوتی جاتی ہے اور آخر کار صرف محبت رسول ﷺ اور آپ ﷺ کا کامل اتباع باقی بچ جاتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ فنافی الرسول پر ہی آگے کے تمام منازل منحصر ہیں۔ کیونکہ یہاں سے وہ برکات ملتی ہیں جو مزید آگے جانے کیلئے پٹرول کا کام دیتی ہیں بلکہ بارگاہ نبویؐ میں قرب نبویؐ سے ہی آگے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور یہ قرب بارگاہ نبویؐ میں حضوری اور بیعت روحانی کے باعث ملتا ہے۔

٤۔ بیعت روحانی اور فنا فی الرسول کی استعداد:۔

☆ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''فنافی الرسول کی استعداد پیدائشی اور تخلیقی طور پر ہر انسان میں ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر کسی کی استعداد الگ ہوتی ہے۔''

پھر جس میں طلب ہوتی ہے وہ اس استعداد کو بروئے کار لاتا ہے اور جتنی طلب صادق ہوگی اللہ کریم اسباب پیدا فرماتے چلے جاتے ہیں۔

۵۔ فنا فی الرسول اور بیعت روحانی کیلئے اهلیت:۔

☆ اس کے لئے حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''جسے فنافی الرسول کا شوق ہو وہ اپنا محاسبہ کرے یہ صرف انہی کو نصیب ہوتا ہے جو مخلوق خدا کی ایذا کا سبب نہ بن رہے ہوں اور اللہ کے بندے ان کے شر سے محفوظ ہوں۔ کیونکہ حقوق اللہ کی معافی بہت آسان ہے اور حقوق العباد اللہ معاف نہیں فرماتا۔ جس کا حق ضائع کیا وہی معاف کرسکتا ہے۔''

کم از کم ہم یہ کوشش تو کرسکتے ہیں مرتے دم تک خلوص کے ساتھ کہ حقوق العباد ادا ہوں پھر اللہ ہمت وتوفیق عطا فرما دیتا ہے۔

☆ ایک اور جگہ فرمایا:

''روحانی بیعت کے لئے (اشد) ضرورت صرف دو باتوں کی ہے کہ یا تو اپنے منازل نظر آتے ہوں، یا اپنی روح نظر آتی ہو یا اپنے منازل اور روح دونوں نظر آتے ہوں۔ یہ نہیں تو کم از کم وجدان اس قدر پختہ ہو کہ بظاہر دیکھنے سے قوی ہو، تاکہ کل وہ یہ نہ کہے کہ پتہ نہیں بیعت ہوئی یا نہیں کیونکہ اس صورت میں تہمت کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے اور آدمی اپنا بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے اس کی تباہی کے لئے یہ کافی ہے''۔

٦۔ بیعت روحانی کرانے کی اہلیت:۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:

''اہل تصوف کا یہ قانون ہے کہ بیعت تصوف لینے والے میں کم ازکم اتنی اہلیت ہونی چاہیے کہ سالک کو بیعت روحانی کرا سکے اور اسے فنا فی الرسول کے مراقبات کرا سکے''۔ (کنز الطالبین)

(11) مشائخ کے بتائے ہوئے وظائف:۔

مشائخ کی طرف سے اکثر مریدین کو وظائف کی تلقین ہوتی رہتی ہے جو فضائل کو حاصل کرنے میں اور رذائل سے پیچھا چھڑانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یوں تو وظائف بہت طرح کے ہوتے ہیں بہت سی کتب تو مشتمل ہی وظائف اور مسنون دعاؤں پر ہوتی ہیں بلکہ مسنون دعاؤں کا تو یہ عالم ہے کہ ہر ہر موقع کے لئے دعا موجود ہے۔

مثلاً:۔ وضو کے ایک ایک عضو کیلئے الگ دعا ہے، سونے جاگنے کھانا کھانے لباس پہننے اور گھر سے نکلنے کی، خوف کی، پہلی کا چاند دیکھنے کی، غرض ہر ہر عمل کیلئے دعا موجود ہے جس سے ایک عام روزمرہ کا فعل بھی عبادت بن جاتا ہے اور ہماری زندگی کو بابرکت بنا دیتا ہے۔

پھر ایک قسم ہے وظائف کی جو مشائخ مختلف وقتوں میں بتاتے ہیں۔ وہ قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں جائز مقصد کیلئے ہوتے ہیں اور مفید ہوتے ہیں۔

وظائف سے متعلق آداب:۔

ا۔ وظائف وہی پڑھے جائیں جو مستند ہوں، جائز ہوں اور جائز مقصد کے لئے پڑھے جارہے ہوں۔

2۔ وظائف اپنے شیخ کی اجازت کے تحت پڑھنے چاہئیں۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''آدمی سارے وظیفے پڑھتا رہے، تسبیحات پڑھا کرے لیکن کچھ (حقیقی فائدہ) نہ ہوگا۔ لیکن اگر شیخ ایک چیز پڑھنے کو کہہ دے تو اس سے بہت فائدہ ہوگا''۔

3۔ مسنون وظائف اور دعائیں کہیں زیادہ بابرکت ہوتی ہیں۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ۔

''اگر شیخ ایک چیز کہہ دے پڑھنے کو اور اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے تو اگر خود حضور ﷺ کہہ دیں کہ یہ پڑھو تو اندازہ کریں کہ کس قدر فائدہ ہوگا۔ تو کیوں نہ وہ درود شریف پڑھے جائیں جو مسنون ہیں۔''

4۔ درود شریف کی فضیلت:۔

مسنون دعاؤں میں سب سے زیادہ افضل درود شریف ہے۔ اس سے متعلق قرآن وحدیث کی گواہی بین ہے۔ ایک حدیثِ پاک ہے جسکا مفہوم کچھ یوں ہے کہ۔

الحدیث:۔

''ایک دفعہ ایک صحابی نے اپنے اس فعل پر حضور ﷺ سے تصدیق چاہی کہ وہ دن بھر میں تین حصے دیگر وظائف پڑھتے ہیں اور ایک حصہ صرف درود شریف پڑھتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ''درود کو اور بڑھا لو''

صحابی نے عرض کی کہ کیا آدھا حصہ دیگر وظائف اور باقی نصف میں صرف درود شریف پڑھ لوں۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا: درود کو مزید بڑھا لو۔

صحابی نے عرض کی، کیا تین حصے درود شریف پڑھ لوں اور ایک حصہ دیگر وظائف کے لئے رہنے دوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اس سے بھی بڑھا لو۔

صحابی نے عرض کی اگر میں سارا وقت صرف درود شریف پڑھا کروں تو کیسا ہے۔؟

حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے حق میں یہ بہت بہتر ہے۔

☆ درودِ سلسلہ پڑھنے کی فضیلت:۔

سلسلہ عالیہ میں ذکرِ الٰہی اور درودِ نبی ﷺ کے علاوہ اور کوئی وظیفہ نہیں بتایا اور سکھایا جاتا۔ شیخ المکرّم کو میں نے یہی ایک وظیفہ بتاتے سُنا ہے کہ ''سلسلے کا درود شریف پڑھو جتنا زیادہ ہو سکے''۔

حکمت:۔

اس درودِ پاک کے پڑھنے کی فضیلت دو باتوں کی وجہ سے ہے۔

1۔ ایک تو یہ کہ یہ ایک مسنون درودِ پاک ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ مشائخ سلسلہ کی طرف سے متعین کردہ ہے اس لئے اس کے پڑھنے سے مشائخ کی توجہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو حصولِ فیض کا باعث بنتی ہے۔ بلکہ حضرت شیخ المکرّم تو فرماتے ہیں کہ

''درود شریف ساری مصیبتوں سے نجات کا آسان حل ہے اور یہ دو عالم کی حاجات کیلئے سب سے اچھا وظیفہ ہے۔''

☆ درودِ سلسلہ:۔

اللھم صل علی محمد ن النبی الامی وعلی الہ و اصحابہ و بارک و سلم

نوٹ:۔ فنافی الرسول کے مراقبات میں شیخ المکرّم اسی درود شریف کی تاکید فرماتے ہیں۔ وہاں درود شریف پڑھتے ہوئے وقت گزرے تو اور کچھ مانگنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ہاں مگر زبان کو حرکت نہ دی جائے دل میں پڑھا جائے۔

نوٹ:۔ نیز ذکر کے بعد سلسلہ کا شجرہ مبارک پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے اس سے بھی مشائخ کی توجہ اور برکات حاصل ہوتی ہے۔

5۔ وظائف اور شیخ کی اجازت:۔

''معیار السلوک'' میں ہے کہ

''جو کچھ وظائف مرید بیعت سے پہلے پڑھتا ہوان سب کو پیر پر ظاہر کر دے۔ جس چیز کے واسطے پیر منع کر دے اس کو چھوڑ دے اور جس کی اجازت دے اس کو پڑھے۔ اس سلسلہ میں بار بار پوچھنا یا اپنی مرضی سے اس معاملہ کو طے کرانا مرید کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ (کیونکہ) مرید مثلِ بیمار کے ہے اور شیخ حکیم دانا کے۔ لہذا وہ جو دوا اور پرہیز بتائے اُسی پر عمل کرنا چاہئے۔ پیر کے کہے میں اپنی طرف سے کمی یا زیادتی نہ کرے۔''

اگر ذکر یا وظائف میں خود سے کمی یا زیادتی کرے گا تو ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ جو سمجھ نہ آئے دریافت کر کے اس معاملہ میں سختی سے اتباع کرے۔

☆ اسی طرح ''مقاماتِ تصوّف'' میں ہے کہ

''سالک کو چاہئے کہ شیخ کے تلقین کردہ ذکر سے اپنے قلب کو آباد رکھے غفلت ہو یا بُرا خیال آئے تو شیخ کی طرف رجوع کرے۔ اسی

طرح اگر کبھی غلطی ہو جائے تو شیخ کے حکم پر عمل کرے۔''

6۔ نفلی عبادت:۔

نفلی عبادات میں یعنی یہ جو لوگ مختلف حاجات کے ۔لئے قرآن کی مختلف سورتوں کا تعین کر کے اور خاص تعداد مقرر کر کے نفل ادا کرتے ہیں ۔تو حضرت شیخ المکرّم اس سے منع فرماتے ہیں کیونکہ آپ کے مطابق' توجہ تمام کی تمام گنتی کی طرف چلی جاتی ہے یا تو ایسا خشوع وخضوع حاصل ہو جائے کہ گنتی ثانوی حیثیت اختیار کر جائے اور نماز میں خلل واقع نہ ہو۔تو ایسا ہر کس و ناکس کے اختیار سے باہر ہے تو اس لیئے بہتر ہے کہ بیٹھ کر اللہ اللہ کر لی جائے یوں بھی اللہ کا ذکر سب سے افضل عبادت ہے۔نیز ایک ضرب ''اللہ ہو' 70 نوافل کے برابر ہے۔تو کس میں ہمت ہے کہ ستر نوافل پڑھے۔اور وہ بھی پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اور ایک لمحے میں۔

7۔ حاجات کے لئے وظائف پڑھنا۔

مختلف لوگ مختلف طرح کے وظائف پڑھتے ہیں' کوئی رزق کے لئے' کوئی اولاد کے لئے' کوئی ملازمت مانگتا ہے تو کسی کو امتحان میں کامیابی چاہئے ہوتی ہے۔غرض ہر کوئی اپنی اپنی غرضوں کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

یہ غلط یا ناجائز تو نہیں ہے لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ مانگنا تو اُسی سے ہے اور دنیا بھی اُسی کی ہے لیکن اس کی عبادت صرف اپنی غرض سے نہ کی جائے۔ بلکہ اس لئے کی جائے کہ وہ لائق عبادت ہے۔اس کی رضا جوئی کے لئے دست بستہ کھڑا ہوا جائے اور سجدہ ریز ہوا جائے۔

یہاں کوئی جنت کا طالب ہے تو کوئی دوزخ سے یا عذاب قبر سے خلاصی کا خواہاں' کسی کو گناہ سے چھٹکارا چاہئے تو کسی کو ثواب کے پہاڑ۔مگر اس کا جو ہر شے پر قادر ہے کوئی طالب نہیں ہے۔تو یہ چیز ناپسندیدہ ہے۔سوالی کا سوال کرنا اللہ کو بہت پسند ہے وہ تو حکم دیتا ہے مجھ سے مانگو۔اس لئے ہر چھوٹی بڑی حاجت کیلئے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔

مگر صرف حاجت کے وقت ہی نہیں آگے پیچھے بھی اُسے یاد کیا جائے۔اس کی عبادت اس کا حق ہے اور ہم پر واجب ہے۔

☆ حضرت رابعہ بصریؒ سے متعلق ایک حکایت ملتی ہے کہ۔

ایک دفعہ آپ اس حال میں جارہی تھیں کہ'' آپ کے ایک ہاتھ میں آگ۔اور دوسرے میں پانی تھا۔''لوگوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے۔

فرمایا:''آگ لے کر جارہی ہوں کہ جنت کو جلادوں اور پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کردوں۔تاکہ لوگ جنت کے لالچ میں اور دوزخ کے ڈر سے عبادت کرنا چھوڑ دیں۔اور اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کے لیے کریں۔''

☆ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''یہ مذاہب باطلہ کا خاصہ ہے کہ لوگوں کو دنیوی منفعت کا لالچ دے کر اپنے جال میں پھنسایا جاتا ہے اور یہ ہندوانہ رویہ ہے کہ کسی بت سے رزق ملتا ہے' کسی سے اولاد وغیرہ وغیرہ۔اب ہم نے بھی یہی کام شروع کر دیا ہے کہ اتنے وظیفے پڑھ لو تو اتنے حج کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا۔یہ چلہ کاٹ لو تو حوریں تمھاری باندیاں ہوں گی۔یہ تسبیح کروا تنے گنا ثواب زیادہ ہو گا۔فلاں وظیفے سے رزق کی برسات ہو جائے گی فلاں سے اولاد فرمانبردار بن جائے گی' فلاں سے اتنے روزوں کا ثواب مل جائے گا اور جانے کیا کیا۔''

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر یہی سارا دین ہوتا تو مجھے کچھ اور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔کہ تیس پینتیس سال ہو گئے ہیں اللہ اللہ کرتے اور اگر میں ثواب ثواب جمع کرنا شروع کردوں تو میرے پاس ثواب کا پہاڑ بن جائے گا۔''

لیکن مجھے اس وقت سے ڈر لگتا ہے جب میں ثواب کا یہ پہاڑ گھسیٹتا ہوا روزِ قیامت اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گا اور جنت کے امیدواروں میں سے ہونگا۔ اور ایک طرف سے کسی بچی کی آواز آئے گی۔

''اے اللہ! تیرا یہ بندہ قصوروار ہے۔ جب میری عزت لٹ رہی تھی اس وقت یہ کیا کر رہا تھا؟ اسے تو ثواب جمع کرنے سے فرصت نہیں تھی'' اور اللہ ثواب کا ڈھیر میرے منہ پر دے مارے گا کہ لے جا مجھے تیرا ثواب نہیں چاہئے۔ تو اسلام صرف وظیفے پڑھنے اور ثواب جمع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک عملی مذہب ہے اور مومن اگر اسلام کے مطابق زندگی گزارے تو اس کی دنیا بھی دین ہے۔''

(12) جنات کا عقیدت مند ہونا۔

1۔ تخلیق جنات و شیاطین:۔

جنات کی تخلیق سے متعلق قرآن میں ہے کہ

خلقنه من قبل من نارا سموم	میں نے جنوں کو انسان سے پہلے آگ کے شعلے یا پیپ سے پیدا کیا۔

گویا زمین پر انسان کے آنے سے پہلے صرف جنات آباد تھے۔ جیسا کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت اللہ کریم سے فرشتوں کی بحث سے بھی اندازہ ہوتا ہے۔ شیطان علمائے حق کے مطابق جنوں ہی میں سے ہے لیکن صرف تخلیقی اعتبار سے لیکن اپنی حیثیت میں بالکل الگ ایک نوع اور خلق ہے۔ اس نے جنات میں سے ہوتے ہوئے اسقدر عبادت کی کہ فرشتوں کی صف میں جا شامل ہوا اور اسے آسمانوں پہ رہنے کی اجازت دی گئی اور تخلیقِ آدم کے وقت نافرمانی پہ سزاوار ہوا تو اب اِسے قیامت تک چھوٹ حاصل ہے اور یہ اپنا سارا زور مخلوق کو گمراہ کرنے پہ لگاتا ہے۔

۲۔ جنات اور انسانوں میں فرق:۔

انسانوں کی طرح حیات جنوں میں بھی ہے۔ مکلف جنوں کو بھی بنایا گیا ہے۔

اعمال کی پرسش ان سے بھی ہوگی۔ لیکن جنوں اور انسانوں میں فرق یہ ہے کہ۔

۱۔ جنوں میں نبوت نہیں ہے۔

۲۔ جنوں کیلئے اطاعت پر عذابِ الیم سے چھٹکارے کا وعدہ ہے جنت کا وعدہ نہیں ہے۔

۳۔ روح انسانی کی طرح جنوں کی حیات کو دوام نہیں ہے۔

(3) نفع روح

حضرت شیخ المکرم کی تحقیق کے مطابق چونکہ نبوت کی بنیاد نفخ روح پر ہے جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا۔

ونفخت فيه من روحي فقعوا له سجدين.	اور جب اس میں: میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سارے کے سارے اس کے سامنے سربسجود ہو جانا۔

فرشتے اور جنوں کی تخلیق کے ساتھ نفخ روح کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہی نفخ روح وہ شے ہے جس کی بنیاد پہ نبی براہِ راست اللہ کی ذات سے آشنا ہوتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے جنات میں نبوت نہیں ہے۔

☆ جنات اور عذاب و ثواب:۔

نفخ روح کی بنیاد پر ہی روح انسانی کو دائمی حیات نصیب ہوتی ہے۔

اور جنوں سے فقط اس قدر وعدہ ہے کہ اگر اطاعت کرو گے تو

يؤجر كم من عذاب اليم	تم عذابِ الیم سے بچ جاؤ گے۔

اور ان سے جنّت کا وعدہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ حیاتِ دائمی کی صفت ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ اطاعت گزاری نہ کرنے والے کو اپنے حصے کا عذاب بھگتنے کے بعد ختم کر دیا جائے گا۔ اور اطاعت گزار اس عذاب سے بچ جائے گا۔

٤۔ جنات کا مذہب:۔

چونکہ جن بھی مکلّف مخلوق ہیں اس لئے اُن کا مختلف مذاہب پر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی اطاعت جس زمانے میں وہ ہیں اس زمانے کے نبی کے تحت ہو گی۔ چونکہ جنات میں نبوت نہیں ہے اس لئے تخلیق آدم سے قبل مفسرین کے مطابق جنات پر انہیں میں سے کوئی اطاعت گزار جن بادشاہ یا امیر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ پھر اگر یہ شرانگیزی کرتے یا امیر کو قتل کر کے فساد برپا کرتے تو اللہ آسمان سے فرشتے بھیج دیتا جو بعض کو قتل کرتے اور بعض کو قید۔ اور پھر کسی اچھے حکمران کو مقرر کر دیتے۔ لیکن تخلیقِ آدم کے بعد جن بھی انسانوں کے نبی کے مکلّف ہوتے ہیں۔

مثلاً

☆ جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہوا۔

☆ یا ایک ضعیف جن نے حضورِ اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا۔ وہ اُن کے زمانے میں موجود تھا اور چونکہ جن و شیاطین کئی کئی سو سال عمریں پاتے ہیں اس لئے وہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ تک زندہ رہا اور حضرت موسیٰ کا پیغام دیا کہ

اگر تم نبی آخر الزمان کے زمانے کو پاؤ تو میرا اسلام خدمتِ عالی میں عرض کرنا۔

☆ اسی طرح سورۃ جن میں کہ ایک گروہِ جنات حضور پاک ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے اور وہ پورا گروہ آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

☆ ایک اور واقعہ میں ایک صحابی نے سانپ مارا جو کہ جن تھا۔ اور جنوں نے اس صحابی کی جان لے لی۔ تو آپ ﷺ نے تمام جنوں کو حکم دیا کہ آئندہ اگر کوئی جن کسی دوسرے بھیس میں ہوگا اور انسان اسے اپنی حفاظت کیلئے مار دے گا تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

ایک واقعہ:۔

اسی حدیث کے سلسلہ میں ایک واقعہ ضمنی طور پر بیان ہے کہ

''شاہ عبداللطیف دہلوی کے زمانہ میں کسی نے کتاب کھولی جس میں سے سانپ نکلا اور اس نے سانپ کو مار دیا۔''

وہ سانپ دراصل جن سردار کا بیٹا تھا۔ جنوں نے اس شخص کو پکڑ لیا۔ اور مقدمہ چلایا۔ فیصلے کے لئے شاہ صاحب کو بلایا۔

اس شخص کا موقف تھا کہ اس نے سانپ کو مارا تھا جن کو نہیں۔ تو شاہ صاحب نے مندرجہ بالا حدیث پیش کی کہ یہ آدمی قابل مواخذہ نہیں ہے۔ جب آپ نے یہ حدیث بیان کی تو ایک معمر جن آگے بڑھا اور بولا' مجھے ضعف نے بھلا دیا تھا ورنہ میں نے خود یہ ارشادِ پاک ﷺ اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ آپ نے دہرایا تو اب مجھے یاد آ گیا ہے۔

پس مقدمے کا فیصلہ اس شخص کے حق میں ہو گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ گروہ جنات اطاعت گزار تھا۔

اسی واقعے کی بنا پر شاہ صاحب خود کو تابعی مانتے تھے کہ انہوں نے ایک صحابی کی زیارت کی ہے۔

۵۔ جنوں کی تعداد:۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

50 کی دہائی کے اواخر میں کشمیر سے واپسی پر اعلیٰ حضرتؒ سے جب استفسار کیا تھا تو آپ نے فرمایا۔

''جنوں کی تعداد انسانوں سے دس گنا زیادہ ہے(کیونکہ یہ انسان سے پہلے کے دنیا میں آباد ہیں'انکی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں اوران کی اولاد کثیر ہوتی ہے)''

مزید فرمایا:۔

''اور شیطان'جن وانس کو ملا کر جو تعداد بنتی ہے اس سے دس گنا زیادہ ہیں۔''

6۔ جنات کا عقیدت مند ہونا:۔

پس جب جنات کا مکلّف ہونا ثابت ہے۔مسلمان اور کافر ہونا ثابت ہے تو یقیناً جنات عقیدت مند بھی ہو سکتے ہیں۔مثلا

☆ علامہ شیخ علی المتقی سے متعلق ان کے شاگرد نے ایک رسالہ میں یہ بات بتائی ہے کہ۔

''شیخ کی وفات سے دو ماہ قبل جنات کے دو گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جن میں سے ایک گروہ شیخ کا عقیدت مند تھا۔اس نے آپ سے فوائدِ کثیرہ اور بہت سے نصائح حاصل کیں اور پائے مبارک کو بوسہ دے کر چلا گیا۔''

جبکہ دوسرا گروہ منکر تھا وہ کبھی نصاریٰ اور کبھی فساق وفجار کی شکل میں نظر آتا۔اور بغیر کلام کئے واپس چلا گیا۔

(اکمال الشیم)

☆ حضرت شیخ المکرّم سے متعلق ایسے ہزاروں واقعات سامنے ہیں۔ایک دفعہ تو یوں ہوا کہ حضرت شمالی علاقہ جات کے دورے پر تھے۔وہاں آپ کی ملاقات شاہِ جنات سے ہوئی جو خود انہیں پہاڑوں جتنا بڑا تھا۔اور وہ آپ کا عقیدت مند بن گیا۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک دشمن نے حضرت شیخ المکرّم کی شان میں گستاخی کی اور جان کے درپے ہوا تو شاہِ جنات نے اس پر دس جنات رات اور دن میں مقرر کر دیئے۔ایک چھوڑتا تو دوسرا پکڑ لیتا۔بالآخر حضرت کے قدموں میں آ کر اس کی جان چھوٹی۔

7۔ جنات اور سلوک۔

چونکہ جنات میں نبوت نہیں ہے اس لئے یہ انوارات وبرکات کو وصول نہیں پا سکتے بلکہ یہ ان سے جلتے ہیں جیسے کوئی آگ سے جلتا ہے۔

سوال:۔ تو پھر جنات کی صوفیاء کے عقیدت مند ہونے کی کیا صورت ہے۔اور کیا یہ ذکر اللہ کر سکتے ہیں؟۔

جواب:۔ جب یہ سوال حضرت شیخ المکرّم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

''جنات اس طرح مکلّف نہیں ہیں جس طرح انسان ہیں۔نہ ہی ان کا حساب کتاب اس انداز میں ہوگا جسطرح انسانوں کا ہوگا۔بلکہ ان کے لئے تو موٹے موٹے اصول ہوتے ہیں مثلاً توحید ورسالت پہ ایمان'حلال وحرام'شر اور فساد سے پرہیز وغیرہ وغیرہ۔''

نہ ہی وہ کسی ایسی عبادت کے مکلّف ہیں جس سے انواراتِ الٰہی حاصل ہوتے ہوں۔ان کی عبادت کے بھی یہی اصول ہیں۔اس لئے وہ ذکر اللہ کے مکلّف ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ انوارات کو برداشت کر ہی نہیں سکتے۔

کسی ولی یا صوفی سے ان کے عقیدت مند ہونے کی بھی یہ صورت ہوتی ہے کہ اس سے وہ پند ونصائح حاصل کرتے ہیں۔اور دین سے متعلق علم سیکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرتؒ کے پاس کئی جن آیا کرتے تھے۔ مگر وہ دور بیٹھ کر آپ سے مسائل سیکھتے تھے یا نصیحت حاصل کرتے تھے اور بس۔ اسی طرح کئی مجھ سے رابطہ رکھتے ہیں لیکن جنات کو انسانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔

8۔ جنوں کا انسانوں کو تنگ کرنا:۔

جن ایک شریر قوم ہیں۔ شرارتوں سے باز نہیں رہ سکتے۔ اکثر اوقات انسانوں کو تنگ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ

''جب جن انسانوں کو مس کرتے ہیں تو اس کو انسان برداشت نہیں کر پاتا۔ یہ کرنٹ کی طرح رگ و پے میں دوڑ جاتے ہیں۔ جس سے انسانی خلیات تباہ ہوتے ہیں' صحت اور دماغی حالت پر اثر پڑتا ہے۔''

اس سلسلے میں بہت سے لوگ تعویذ لینے کے لئے حضرت شیخ المکرم کے پاس آتے ہیں۔ تعویذ استعمال کرتے اور ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں لیکن حضرت ایک شرط لگاتے ہیں کہ۔

''میرے تعویذ صرف اسی صورت میں اثر کریں گے (چاہے وہ صحت کے لئے ہوں' جنوں کیلئے یا کسی اور غرض سے) جب ساتھ میں ذکر بھی کیا جائے گا۔ اور تعویذ اور تعویذ دینے والے دونوں پہ یقین بھی ہوگا۔ تب یہ اثر کریں گے۔ کیونکہ یہ کوئی جادوئی کلمات تو ہیں نہیں' یہ تو برکات کا سلسلہ ہے' جو بھی دُعا کراتا ہے یا تعویذ لیتا ہے' اسے وہ برکات مجھ سے ملتی ہیں جن کے اثر سے تکلیف دور ہو جاتی ہے۔''

اب جب تک وہ اللہ اللہ کرتا رہے گا تو وہ سلسلہ برکات جاری رہے گا اور ذکر چھوڑ دے گا یا بدگمانی کا شکار ہوگا تو تعویذ سے ایک دم اثر ختم ہو جائے گا۔ نیز وہ پاک صاف رہے اور نماز پنجگانہ ادا کرے۔

9۔ جنوں کا صوفیاء سے دور بھاگنا:۔

اعلیٰ حضرتؒ نے ایک جگہ ''ابن تیمیہ'' کی کتاب ''کتاب النبوۃ'' سے نقل کیا ہے کہ

''ناقص العقیدہ لوگوں کو جن و شیاطین خبریں پہنچایا کرتے ہیں۔ ہاں' ان کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ ارباب ایمان' اصحاب توحید اور روشن ضمیر لوگ جن کے دل انوارِ خداوندی سے منور ہوں' ان سے شیاطین واقف نہیں ہو سکتے۔ اہلِ ایمان و مخلص لوگوں پہ شیاطین غالب نہیں آ سکتے بلکہ ان سے دور بھاگتے ہیں۔''

اس کی تشریح اعلیٰ حضرتؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

''جس شخص کے لطائف منور ہو کر راسخ ہو جائیں پھر مراقباتِ ثلاثہ راسخ ہو جائیں تو جنات اس پر قابو نہیں پا سکتے اور شیاطین اس سے دور بھاگتے ہیں کیونکہ اس وقت عارف کا سینہ آسمان کی مانند ہو جاتا ہے اور لطائف کے انوار ستاروں کی مانند ہو جاتے ہیں۔ تو جس طرح اللہ نے ''ستاروں کو رجوماً للشیاطین'' بنایا ہے اسی طرح سینہ عارف جب ذکر اللہ سے منور ہو جاتا ہے تو شیاطین اور جن اس سے دور بھاگتے ہیں۔''
(دلائل السلوک)

10۔ رؤیتِ جنات و شیاطین:۔

آیا جنوں یا شیاطین کو دیکھا جا سکتا ہے؟

اس ضمن میں اعلیٰ حضرتؒ نے کافی دلائل و براہین جمع فرمائے ہیں جن سے نتیجۃً آپ یہ ثابت فرماتے ہیں کہ

''رویت جنات وشیاطین ممکن ہے لیکن عادت کے طور پر نہیں بلکہ کرامت کے طور پر، روحانی اور قلبی آنکھ سے انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔
نبی کا جنات کو دیکھنا معجزہ ہوا اور ولی کا کرامت ہوا۔''

(دلائل السلوک)

جبکہ جنات کے بارے میں تو خود قرآن میں ہے کہاس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

انه یراکم هو قبیله من حیث لا ترونهم.	شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں اس جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''چونکہ یہ ایک غیر مرئی مخلوق ہیں اس لئے انہیں اس شعبہ (تصوف) کے لوگوں کی واقفیت بہت جلدی ہو جاتی ہے اور یہ مخلوق صوفیاء کو سب سے زیادہ جانتی ہے۔ کیونکہ انہیں انوارات و برکات نظر آ جاتی ہیں۔''

(13) شیخ کا بیک وقت متعدد جگھوں پر پایا جانا:۔

صوفیاء میں کئی طرح کی کرامات پائی جاتی ہیں۔ جو سب اتباع نبی ﷺ کے طفیل معجزہ کی جگہ پر انہیں حاصل ہوتی ہیں۔
انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی شیخ کو ایک ہی وقت میں متعدد جگھوں پر متفرق لوگوں نے دیکھا۔
مثلاً

☆ ''شیخ ابن عطاء اللہ سکندریؒ'' کے حالات میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جو کہ ان کی کرامات میں شمار ہوتا ہے۔

''ایک دفعہ شیخ کے تلامذہ میں سے ایک صاحب حج پہ گئے تو انہوں نے شیخ کو مطاف میں پایا۔ حالانکہ وہ انہیں اپنے مقام پہ چھوڑ کر گئے تھے۔ پھر آگے چل کر مقام ابراہیم میں دیکھا اس کے بعد صفا مروہ میں دیکھا۔ اس کے بعد عرفہ میں بھی دیکھا۔''

حج سے واپس آ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا میرے بعد شیخ بھی حج پہ چلے گئے تھے تو لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔
استادِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا۔
''سفرِ حج میں کن کن لوگوں کو دیکھا؟''
عرض کی: ''حضرت آپ کو بھی دیکھا''
تو جواب میں فقط مسکرا دیئے۔''

(اکمال الشیم)

☆ اسی سے ملتے جلتے واقعات کئی مرتبہ حضرت شیخ المکرّم سے متعلق بھی پیش آئے ہیں۔ مثلاً

''ایک مرتبہ سلسلہ عالیہ کے ایک ساتھی عمرہ کی غرض سے گئے تو انہوں نے حضرت کو وہاں پہ طوافِ کعبہ میں دیکھا۔ جبکہ وہ حضرت شیخ المکرّم سے مل کر رخصت ہوئے تھے اور حضرت کا عمرہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

انہوں نے واپس آ کر احباب سے دریافت کیا کہ میرے بعد حضرت بھی عمرہ کی غرض سے گئے تھے۔ تو احباب نے بتایا کہ نہیں وہ تو تمام وقت یہیں تھے۔
اسی طرح ایک مرتبہ احباب کو طوافِ کعبہ میں ملے ان کے ساتھ سلام دعا ہوئی' ان کے کھانے کی دعوت بھی قبول کی' کھانا کھایا اور پھر ان سے رخصت ہو کر واپس حرم تشریف لے گئے اور دوبارہ تلاش کرنے پر بھی انہیں وہاں نہیں ملے۔ جب وہ وطن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ اس دوران حضرت تو ملک سے باہر تشریف ہی نہیں

لے گئے تھے۔

آخر یہ کیا سلسلہ ہے؟ اور کس طرح ممکن ہے؟

اس کے جواب میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''اس کو ''دواشکال'' کہتے ہیں۔ چونکہ فی زمانہ شیخ کی ذات برکاتِ نبوی کو تقسیم کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اس کی ذات سے جہاں جہاں برکات پہنچ رہی ہوتی ہیں بعض اوقات وہاں وہ شیخ کی صورت میں متشکل ہو جاتی ہیں۔ یعنی شیخ تو ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوتا ہے۔ مگر جہاں جہاں اس کی ذات سے برکات پہنچ رہی ہوں وہاں وہ برکات صورتِ شیخ میں نظر آنے لگتی ہیں۔''

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ آئینہ دیکھتے ہیں تو آپ کی شکل آئینے میں منعکس ہو جاتی ہے۔ آپ تو آئینے کے سامنے ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر بھی ہوتے ہیں۔

☆ نیز یہ ضروری نہیں ہے کہ خود شیخ کے علم میں بھی ہو کہ وہ اس وقت کہاں کہاں دیکھا جا رہا ہے۔ بعض اوقات اس کے علم میں ہوتا ہے اور بعض دفعہ نہیں۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی بھی مرید چاہے کہیں بھی ذکر کرے وہ اپنے شیخ کے ذریعے برکات حاصل کرتا ہے۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ شیخ کو بھی علم ہو کہ کس وقت کون کون اس سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ جیسے سورج کو علم نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی اس وقت کہاں کہاں پڑ رہی ہے اور اس سے کون کون فائدہ اٹھا رہا ہے۔

حضرت مزید فرماتے ہیں کہ

''اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو صاحبِ کشف ہوتے ہیں جب وہ ذکر کرتے ہیں تو انہیں ایسا نظر آتا ہے جیسے شیخ ان کے پاس بیٹھا ہے یا انہیں ذکر کرا رہا ہے۔''

تو یہ وہ برکات متشکل ہو کر نظر آتی ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ واقعی شیخ وہاں پہ موجود ہوتا ہے۔

پس یہ جان لیا جائے کہ یہ چیزیں عقل وخرد سے نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اللہ کا اپنا نظام ہے جب، جہاں، جیسے چاہتا ہے اپنی برکات لٹاتا ہے۔

(14)۔ کیا ولی مادر زاد ہوتا ہے۔؟

اکثر اولیاء کے تذکروں میں یہ جملہ عام پایا جاتا ہے کہ ''وہ مادرزاد ولی تھے۔''

اس میں کتنی حقیقت ہے آئیے دیکھتے ہیں۔

مادرزاد ولی ہونے سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ ولی ہمیشہ سے ولی ہوتے ہیں۔ پیدا ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ولایت وہبی ہوتی ہے، کسبی نہیں، یعنی اللہ کی طرف سے اس کی دین ہوتی ہے کوئی بندہ اپنے طور محنت کر کے ولی نہیں بن سکتا۔ تو ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

☆ ولایت کسبی ہے:۔

ولایت کسبی ہے کیونکہ صرف نبوت وہبی ہوتی ہے۔ اور نبی اپنی پیدائش سے پہلے عالمِ ارواح میں بھی اور رحمِ مادر میں بھی نبی ہوتا ہے۔ کوئی شخص اپنی محنت ومجاہدے کے بل بوتے پر نبی نہیں بن سکتا۔ جبکہ ولایت میں تو بات ہی ساری ارادے سے شروع ہوتی ہے۔

ا۔ جیسا کہ حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں۔

''فیصلہ کرنا ہمارا اپنا ذاتی کام ہے جب تک ہمارا اپنا فیصلہ اس قوت کا نہیں ہوتا کہ ہماری ذات کو، کردار کو اور ہماری سوچ کو متاثر کرے

تب تک اس پر ہدایت مرتب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اللہ کا یہ قانون نہیں ہے کہ کسی سے زبردستی فیصلہ کروائے' انسان کو اس نے یہی تو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ نہاں خانہ دل میں یہ طے کرلے کہ مجھے اللہ کا قرب چاہئے' اس کی رضا چاہئے تو پھر اہل اللہ اس کے اس طرح کام آتے ہیں کہ جو درد ان کے دل میں ہوتا ہے وہ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جو خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا ہے تو پھر اس کے کام کوئی نہیں آ سکتا۔''

۲۔ اسی طرح ایک حدیثِ قدسی ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ

''انسان مجھے پانے کا ارادہ کرتا ہے تو میں بڑھ کر اسے تھام لیتا ہوں وہ ایک قدم چل کر آتا ہے میں دس قدم چل کر آتا ہوں وہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

لیکن ''ارادہ کرنا'' اللہ کو پانے کا، اس کی رضا کو پانے، کا یہ شرط اولین ہے۔ پھر وہ ایسا کریم ہے کہ ہدایت کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔

۳۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ولی بچپن سے ہی صالح مزاج اور نیک طبیعت رکھتا ہو یا اسے اپنے گھر سے ہی نیک اور صالح ماحول میسر آ گیا ہو۔ اور اس کی تمام عمر ہی اطاعت و ہدایت میں بسر ہوئی ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مادر زاد ولی تھا بلکہ آپ اسے اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ

''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔''

۴۔ ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ ہمیشہ یہ ضروری بھی نہیں رہا کہ ایک ولی اوائل عمری سے ہی نیک اور صالح رہا ہو۔

کتنے ہی صوفیاء کے تذکروں میں اگر ابتدائی حالات کا جائزہ لیا جائے تو کسی کو شراب و شباب کی زندگی سے (جیسے بشر حافی) کسی کو کفن چوری سے' کسی کا قتدار و امارت سے (جیسے ابراہیم بن ادھم)' کسی کو ڈکیتی سے (جیسے حضرت فضیل بن عیاض) وغیرہ جیسے غیر صالح پیشوں اور حالات سے نکال کر کسی ایک لمحے میں کسی چھوٹی سی بات کو وجہ بنا تا اور ہدایت بخش دیتا ہے۔ پھر اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے جو گناہ میں دلیر ہوتے ہیں جب اللہ انہیں ہدایت دیتا ہے اور ایسے لوگ اگر غلط راہ سے پلٹ آئیں تو پھر یہ نیکی کی راہ میں بھی اُسی قدر دلیری اور عزمِ صمیم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۵۔ ولایت کسبی اثرات وھبی:۔

ولایت کے کسبی یا وہبی ہونے کے سلسلہ میں حضرت شیخ المکرم ایک اور بہت خوبصورت نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ

''ولایت اصولاً کسبی چیز ہے کہ یہاں بات محنت سے زیادہ طلب کی ہے' بات انابت کی ہے' جستجو کی ہے۔ وہ آرزو جو طالب کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ بندے کے کرنے کا کام ہے لیکن چونکہ دیتا وہی ہے اور کسی محنت کے معاوضے کے طور پر نہیں دیتا۔ تو اس لحاظ سے یہ وہبی ہوتی ہے کہ اس کے ثمرات وہبی ہوتے ہیں۔ ورنہ ہم تو اتنی محنت بھی نہیں کرسکتے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکیں تو دیتا تو وہی ہے بس انسان اس کے اکتساب کا مکلف ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
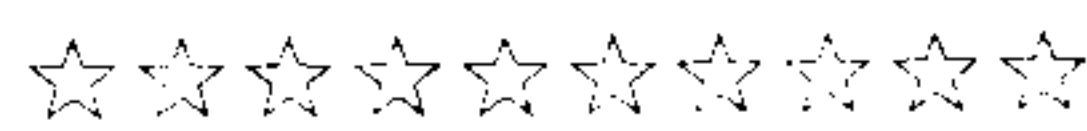
آداب شیخ

جب شیخ سے متعلق عقائد درست ہو گئے تو اگلا قدم عملاً آدابِ شیخ پہ پورا اُترنے کا ہے کہ دل میں شیخ کا جو مقام ہے وہ آپ کے عمل سے، اٹھنے بیٹھنے سے بات کرنے سے سوال کرنے اور جواب دینے سے اور غیاب وحضوری میں' سفر وحضر میں' قیام میں غرض ہر ہر حالت میں اس عقیدت کا اظہار ہو، احترام نظر آئے اور سالک کی نگاہ' زبان اور اعضاء و جوارح اس بات کی گواہی دیں کہ دل میں کس پائے کی محبت اور عقیدت ہے۔

☆ اعتقادات برائے مریدین میں باطن کی اصلاح پیشِ نظر تھی۔ تاکہ دل میں جڑ پکڑ جانے والے عقیدے کی صحیح تراش خراش ہو سکے۔ خصوصاً جب وہ سلوک اور شیخ سے متعلق ہو۔ اس لئے آدابِ شیخ میں سب سے پہلے ان اعتقادات کا ازالہ کیا گیا جن کی بنیاد پہ شیخ سے رشتہ (روحانی) استوار ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل تو عقیدے کا مرہونِ منت ہوتا ہے اگر عقیدہ ہی غلط ہوا تو عمل کیسے درست ہو سکتا ہے۔

☆ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ جانا جائے کہ بظاہر سالک کا اپنے شیخ کے ساتھ کیا رویہ ہو گا۔

ان کی محفل میں نگاہ کہاں رکھنا ہے؟ آواز کس درجہ پست اور کس درجہ بلند کرنا ہے؟ بیٹھنا کہاں ہے' کیسے ہے اور کتنی دیر ہے؟ وغیرہ وغیرہ بلکہ اس سے بھی زیادہ زیرک نظری سے اپنے عمل کو جانچنا ہو گا۔ قلب' عقل اور عمل کو ایک لائن میں کھڑا کرنا ہو گا۔

☆ شیخ المکرّم کا اس ضمن میں بہت ہی خوبصورت اور جامع ارشاد ہے کہ:

> ''آدابِ شیخ تھری وے سسٹم ہے' تین طرح سے رابطہ رہتا ہے اگر ایک بھی تار کٹ جائے تو سرکٹ نامکمل ہو جاتا ہے' سب سے پہلے شیخ کے ساتھ عقیدت رکھنا کہ اس کے بغیر فیض کا رابطہ نہیں ہوتا۔ دوسرا مضبوط رشتہ اطاعت کا ہے اور تیسرا رشتہ ادب کا ہے۔ یہ تینوں باتیں جتنی مضبوط ہوں گی رابطہ اتنا مضبوط ہو گا' فیض اُسی قدر زیادہ پہنچے گا۔''

ادب رہ گیا تو اطاعت کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا تو دراصل یہ سارا معاملہ ہی حقوق کی حفاظت کا ہے۔ پورے خلوص سے کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ ان تینوں کے تقاضوں کو مکمل طور پر ادا کیا جا سکے۔

آئیے اب دیکھتے ہیں ان کے تقاضے کیا ہیں۔

☆ آداب شیخ کے تقاضے:۔

آدابِ شیخ کو موثر انداز میں سمجھنے کے لئے مزید دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ آدابِ شیخ و آدابِ رسول ﷺ

۲۔ آدابِ اکتسابِ فیض

۱۔ آدابِ شیخ و آداب رسول ﷺ کی حقیقت۔

آدابِ شیخ اور آدابِ رسول ﷺ کو یکجا کیوں کیا گیا ہے پہلے اس کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔

دراصل راہِ سلوک میں پیر یا شیخ کو جو مقام حاصل ہے وہ نائبِ رسول ﷺ کا ہے۔ کیونکہ نبوت تو حضور ﷺ پہ ختم ہوگئی۔ تو آپ ﷺ سے بعد کے زمانوں میں آپ ﷺ کی برکات اور کیفیات کو پہنچانے کے لئے ہر زمانہ میں آپ ﷺ کے نائبین رہے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں اور آپ ﷺ کے مابین بطور ایک واسطہ اور رابطہ کے کام آئے اور اسی وسیلہ کی تلاش کا حکم اللہ کریم دیتے ہیں۔

(۱) ☆ فنا فی الشیخ وفنا فی الرسول ﷺ:۔

تصوف کی زبان میں فنافی الشیخ اور فنافی الرسول ﷺ کہتے ہیں۔ کہ سالک کی اپنی مرضی ومنشا' پسند وناپسند' الگ سوچ' جذبات غرض اپنا آپ فنا ہو جائے اپنے شیخ کی ذات کے سامنے اور محبوبِ خدا حضرت محمد ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے سامنے۔ اور یہی وہ راستہ ہے جو فنافی اللہ پر منتج ہوتا ہے۔

☆ حضرت سلطان باھوؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

''مقامِ فنا فی الشیخ و مقامِ فنا فی الرسول ﷺ کی شناخت و پہچان:۔

جاننا چاہئے کہ مقامِ فنافی الشیخ و مقامِ فنافی الرسول ﷺ و مقامِ فنافی اللہ کی کیا شناخت ہے اور ان مقامات کو کس طرح پہچاننا چاہئے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مقامِ فنافی الشیخ یہ ہے کہ:

> ''جب طالبِ اللہ صورتِ شیخ کا تصور کرے صورتِ شیخ حاضر ہو کر طالب کو جس مقام پر چاہے پہنچا وے۔ ورنہ صرف صورتِ شیخ کا تصور کرنا بت پرستی میں داخل ہے۔''

مقامِ فنافی الرسول یہ ہے کہ

> ''جب طالب اسم محمد ﷺ کا تصور کرے تو فوراً مجلس محمدی ﷺ میں حاضر ہو جائے اور جناب سرور کائنات ﷺ کی ملازمت سے مُشرَف ہو اور اس کے اخلاق وعادات میں خُلقِ محمدی ﷺ کی خُوبُو پیدا ہو جائے۔ اور اس کا نفس باطل سے بالکل جُدا ہو جائے۔''

اور مقامِ فنافی اللہ یہ ہے کہ:

> ''طالب اللہ جب اسم اللہ کا تصور کرے تو اسم اللہ اس کے وجود میں ایسا اثر کرے کہ اس کا وجود سر سے پیر تک معرفتِ الٰہی سے پُر ہو جائے۔ اور اس میں وحدتِ مطلق جلوہ گر ہو' اور اگر معرفت کے دریا میں غوطہ لگائے تو ازل سے ابد تک مدہوش رہے۔ یہ بھی عطائے مرشدِ کامل سے ہے۔ جو شخص کہ اس راہِ باطن میں شک کرے گا راندہ درگاہ ہوگا۔ نعوذ باللہ منہ' اور جو شخص کہ اس طریقہ سے راہِ باطن (درست) نہ جانے وہ ناحق اور باطل پر ہے۔''

(مجالستہ النبی)

(2) اولیاء اللہ نائبین رسول ﷺ:۔

اولیاء اللہ پر آدابِ رسول ﷺ اس لئے بھی صادق آتے ہیں کہ یہ نائبین رسول ﷺ ہوتے ہیں اور اس ضمن میں بہت سی مقتدر ہستیوں کے مستند اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً

1۔ حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''پیر اُسے کہتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی پیروی کرے اور ان کی حضوری میں پہنچا دے۔ اور حضور ﷺ (کی ذات) تک پہنچنا کوئی

عیب نہیں یہ سیدھی راہ اور بڑا بھاری طریقہ ہے۔ مرشد اور کامل پیر حضرت محمد ﷺ کی مانند ہے۔ اور اللہ کی راہ کو نہ علم سے تعلق ہے نہ جہالت سے یہ تو محض محبت اور اخلاص کی راہ ہے۔''

(نورالہدیٰ)

۲۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:

''آدابِ شیخ میں کوتاہی حرام ہے۔ اور چونکہ پیر نائبِ پیغمبر ﷺ ہے اس لئے وہی آداب اس کے ساتھ بھی ملحوظ رکھے۔ چنانچہ پیغمبر ﷺ کی محبت اس لئے فرض ہے کہ وہ اللہ تک پہنچانے والے ہیں۔ اسی طرح پیر کی محبت اس لئے فرض ہے کہ وہ نائبِ پیغمبر ہونے کے سبب اللہ اور اس کی محبت تک پہنچانے والا ہے۔''

(ارشادالطالبین)

۳۔ مولانا اسماعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں:

''بیعت ہونا سنت ہے اور علمِ باطن کا حاصل کرنا فرض ہے۔ لہٰذا کسی مرشدِ کامل سے بیعت ہونے کے بعد حصول فائدہ کے لئے اس کی خدمت میں باادب رہنا ضروری ہے کیونکہ مرشدِ حقیقی درحقیقت نائبِ رسول ﷺ ہے۔''

(مقاماتِ تصوف)

۴۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں:

''مشیخت کا مرتبہ تصوف کے اعلیٰ مراتب سے ہے اور دعوتِ الی اللہ کے سلسلے میں نیابتِ نبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے شیخ کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو دعوتِ عام دے۔''

(عوارف المعارف)

۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''بزرگوں میں اصل بات جو دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ سے متابعت میں کتنا حصہ ملا ہے۔ اصل چیز یہی ہے کہ انہیں حضور ﷺ سے کس درجہ کی مناسبت ہے اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ۔ (ورنہ) یوں دو چار دن کے لئے تو اطاعت سب کر سکتے ہیں۔''

(کمالاتِ اشرفیہ)

۶۔ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ کا کام بہ نیابتِ نبوت اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت و تزکیہ ہوتا ہے اور شاگردوں کا کام بہ اتباعِ صحابہ وہ آداب ملحوظ رکھتے ہوئے اکتسابِ فیض کرنا ہے۔''

(دلائل السلوک)

۷۔ حضرت شیخ المکرم مشائخ کا نائبینِ رسول ہونے کی حقیقت اور اس کے پیچھے کارفرما حکمتوں سے یوں پردہ سرکاتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ سے کیفیات و برکات، صحبتِ رسول ﷺ کے ذریعہ صحابہ کرام نے حاصل کیں۔ ان کی صحبت سے تابعین اور تابعین کی صحبت سے تبع تابعین نے حاصل کیں۔ یہاں تک سلسلہ برکات کا ذریعہ پورے پورے طبقے پر محیط تھا۔ لیکن تبع تابعین کے بعد خال خال

احباب ان برکات کے امین ہوئے۔''

جنہیں ہم اولیاء اللہ یا مشائخ عظام کے نام سے جانتے ہیں۔ گویا قرونِ اولیٰ کے بعد اہل اللہ کی صحبت سے ان برکات وفیوضات کو حاصل کیا جاتا رہا اور کیا جاتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں ہر ارشادِ نبوی ﷺ کے ساتھ روایت کا سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے یہ حدیث پاک سنی اُس نے فلاں فلاں سے' بالآخر وہ روایت حضور ﷺ تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح برکاتِ نبوی کا بھی سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے یہ برکات حاصل کیں اُس نے فلاں سے حتی کہ یہ سلسلہ بھی بارگاہِ اقدس تک پہنچ جاتا ہے۔

اسے شجرہ مبارک کہتے ہیں اور یہ تمام سلاسل میں سند ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں جو برکاتِ نبوی کے امین ہوتے ہیں یعنی نائبینِ رسول ﷺ ہوتے ہیں اور ہمیں حصولِ فیض کے لئے ان کے پاس جانا پڑتا ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے تعلیماتِ نبوی کے لئے علمائے ظاہر کے پاس زانوئے تلمذ تہہ کئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ علمائے دین ہمارے اور دین اسلام کے مابین حائل ہیں بلکہ وہ تو ایک ذریعہ ہیں ہم تک دین کو منتقل کرنے کا' اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ بغیر کسی ذریعے یا سبب کے کچھ بھی نہیں ہوتا' ہر حرکت کی پیٹھ پہ محرک کا ہونا لازمی امر ہے۔

اسی طرح صوفیاء بھی بہ نیابتِ نبوت ہم تک برکاتِ نبوی پہنچانے کے مکلّف ہیں اور ایک ذریعہ ہیں جس کے باعث ہم چودہ صدیوں بعد بھی برکاتِ نبوت ﷺ سے واصل ہو سکتے ہیں۔ اور اسی لئے ان کے لئے وہ آداب لازم آتے ہیں جو خود پیغمبرِ خدا کیلئے اللہ نے تعلیم فرمائے ہیں کہ نائب اصل کا قائمقام ہوتا ہے۔

حصہ اول:۔ آدابِ شیخ و آدابِ رسول ﷺ:۔

☆ آداب رسول ﷺ پہ اصرار

آدابِ رسول ﷺ کی اہمیت جان لینا نہایت ضروری ہے۔ مختصراً قرآن وحدیث سے اس ضمن میں استفادہ کرتے ہیں۔

۱۔ ☆ آدابِ رسول ﷺ ازروئے قرآن:۔

۱۔القرآن:۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ.	اور جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔

۲۔القرآن:۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم	اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

۳۔القرآن:۔(الحجرات' ع۱)

لا ترفعوآ اصوتکم فوق صوت النبی.	''اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو ورنہ اللہ تمہارے اعمال سلب کرلے گا اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔''

۴۔ القرآن:۔(حشر۔ع۱)

وما اتکم الرسول فخذوہ، وما نھکم عنہ فانتھواo	''اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔''

۵۔ (القرآن (الفتح۔ع۱)

انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا لنو منوا باللّٰہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ.	''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا' خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور تعظیم اور توقیر کرو رسول اللہ ﷺ کی۔''
فالذین امنوا بہ وعزروہ و نصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون.	''پس جو لوگ ایمان لائے اُن ﷺ پر' اور تعظیم کی اُن کی' اور مدد دی اُن ﷺ کو' اور پیروی کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے اُن ﷺ کے ساتھ (یعنی قرآن) یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔''

(عراف۔ع۹)۲۔

آدابِ رسول ﷺ ازروئے حدیث:۔

۱۔ الحدیث:۔حضرت جلال الدین سیوطی ''جامع الصغیر'' میں یہ مستند حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو تین باتوں کی تاکید کرو' ایک اپنے نبی سے محبت رکھنا' دوسرے اہلِ بیت سے محبت رکھنا' تیسرے قرآن مجید پڑھنا۔''

۲۔ الحدیث:۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین' اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

۳۔ الحدیث:۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

٤۔ الحدیث:۔

حضور ﷺ نے فرمایا:۔

''بڑا بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

3۔ تعظیم و تکریمِ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ:۔

اس ضمن میں بے شمار واقعات و امثلہ موجود ہیں لیکن یہاں استفادہ کیلئے فقط ایک جامع واقعہ کا انتخاب کیا گیا ہے جس سے صحابہ کرام کے معیارِ ادب کی واضح تصویر کشی ہوتی ہے۔

☆ امام بخاریؒ ''کتاب الشروط'' میں قصہ حدیبیہ کی ایک طویل حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

عروہ بن مسعود رئیسِ مکہ نے آپ ﷺ کی مجلس سے مکہ واپس جا کر لوگوں سے بیان کیا کہ:

''اے میری قوم! واللہ میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں' قیصر و قصریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں' واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر صحابہ محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔''

واللہ! وہ جب تھوک پھینکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پہنچتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب آپ ﷺ ان کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وضو کا پانی لینے کے لئے گویا لڑ پڑیں گے۔ اور جب آپ ﷺ کلام فرماتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپ ﷺ کے سامنے پست کر لیتے ہیں۔ اور وہ لوگ آپ ﷺ کی طرف تیز نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

☆ آدابِ رسول ﷺ کی روشنی میں آدابِ شیخ:۔

اس ضمن میں بنیادی کلیہ ہم ایک دفعہ پھر سے دہراتے ہیں تاکہ ناپختہ اذہان میں کسی قسم کے شکوک و شبہات نہ اُبھریں۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ کا کام بہ نیابتِ نبوت اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت اور تزکیہ کرنا ہوتا ہے اور شاگردوں کا کام صحابہ کرام کے اتباع میں حصولِ فیض ہوتا ہے اس لیئے تصوف و سلوک میں یہی آداب (یعنی آدابِ رسول) اصل اور سند کی حیثیت

رکھتے ہیں۔''

(دلائل السلوک)

۱۔ آنحضرتﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت:۔

القرآن:۔ (الحجرات۔رکوع ۱)

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصوتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون.	''اے ایمان والو! بلند نہ کرواپنی آوازوں کو نبیﷺ کی آواز سے اور نہ رسولﷺ کے ساتھ بہت زور سے بات کرو۔جیسے زور زور سے بات کرتے ہوایک دوسرے سے۔ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔''

☆ شانِ نزول:۔

''صحیح بخاری کے مطابق اس آیت کی شانِ نزول میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنی تمیم پر امیر مقرر کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہو جانے پر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی باہم آواز بلند ہوگئی اور اسوقت حضورﷺ محفل میں موجود تھے۔جس پہ انتباہ کے طور پر آیت نازل ہوئی۔''

☆ حقیقت:۔

''درحقیقت قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی آدابِ رسولﷺ سے متعلق آیات آئی ہیں ان کا مقصد تمام مسلمانوں کو آدابِ رسولﷺ سکھانا ہے۔صحابہ چونکہ اولین مخاطب ہیں اس لئے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ آداب فقط ان کے ملحوظ رکھنے کے لئے تھے۔''

نیز چونکہ خود نبی اکرمﷺ کا خلق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ خود قرآن گواہی دیتا ہے۔

انک لعلی لخلق عظیم .	''بے شک آپﷺ سب سے بڑے خلق پہ ہیں۔''

آپﷺ کے اسی خلق اور تواضع کے باعث آپﷺ صحابہ کو دست بوسی یا تعظیم میں اُٹھ کھڑے ہونے وغیرہ سے خود منع فرما دیتے تھے۔

یوں مسلمانوں کو شرعاً یہ آداب معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔جس کے باعث خود اللہ کریم نے اپنے کلام میں حکماً آدابِ رسولﷺ بیان فرما دیئے۔اسی سلسلے میں یہ وعید سنائی گئی ہے کہ جو کوئی حضورﷺ کے سامنے بلند آواز میں یا پکار پکار کر بات کرے گا تو میں اس کے تمام اعمال ضائع کر دوں گا۔پس عقلمند کو چاہئے کہ اس حکم کو تعظیم کے دیگر پہلوؤں پہ قیاس کرلے۔

(استفادہ از آدابِ رسولﷺ)

☆ صحابہ کا عمل:۔

صحابہ کی اس حکم کے بعد یہ حالت تھی کہ:

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ اب میں حضورﷺ کے سامنے ایسی آہستہ بات کہوں گا جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے۔

☆ ابنِ زبیرؓ کا قول ہے کہ

''پھر تو حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ ہو گیا تھا (کہ وہ اس قدر رازدارانہ بات کرتے تھے کہ) جب تک حضورﷺ پوچھ نہ لیتے تھے کہ تم نے کیا کہا۔عمرؓ کی کوئی بات سمجھ نہ سکتے تھے۔''

☆ دورِ حاضر کے تناظر میں ایک ضمنی مسئلہ:۔

اگراس حکم کے تناظر میں ہم اپنے آج کے رویہ کو دیکھیں تو کس قدر ڈرنے کا مقام ہے کہ وہ تو صحابی تھے جنہیں اوّلین اوّلین یہ حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اس قدر درشتی سے کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز اونچی ہو جانے کی یہ سزا ٹھہرائی گئی کہ تمہارے تمام اعمال حبط وا کارت کر دوں گا اور عمل بھی ایسے کہ جن کے ایک عمل کے برابر ہمارے عمر بھر کے اعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ:

''اگر کوئی شخص کوہِ احد کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابی کی ایک بلکہ آدھی مد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ (جسکا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے) اور اس پہ طرہ یہ کہ تمہیں اپنے نقصان کی خبر بھی نہ ہوگی کہ ازالہ ہی کر سکو۔ یہ اس سے بری گرفت ہے۔ اور کہاں ہم اس دورِ ظلمت کے درماندہ امتی' کہ عمل تو عمل' ایمان کی سلامتی خطرے میں ہے اور اس برتے پہ ہماری دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے اور ہماری جہالت کا یہ کرشمہ ہے کہ ہر مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے پانچوں وقت اذان سے قبل یا بعض اوقات دیگر اوقات میں بھی اس قدر زور و شور سے درود وسلام کا ورد جاری ہوتا ہے کہ گویا یہ حضرات اسبابِ ظاہری کے ذریعہ یہاں سے مدینہ المنورہ سلام پہنچانا چاہتے ہیں۔''

اوّل تو اذان سے پہلے اور مابعد کوئی مشروع کلمات نہیں ہیں حتیٰ کہ جب مؤذن اذان کا آخری کلمہ **لا الـٰه الا الله** ادا کرتا ہے تو سننے والا کلمہ کو مکمل نہیں کر سکتا۔ یعنی ''محمد رسول اللہ'' نہیں کہہ سکتا (جیسا کہ عام لوگوں کا وطیرہ ہے کیونکہ اس کی صورت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا آپ نے اذان کو مکمل کیا۔ ہاں آپ پورا کلمہ طیبہ ادا کر سکتے ہیں اور یہ اذان کے کلمات کے جواب کا قائم مقام بھی تصور ہو جاتا ہے)۔ اب خود اندازہ کر لیجئے کہ ہم اصل کو چھوڑ کر سابقوں' لاحقوں پہ کس قدر اصرار کرتے ہیں۔ جو نہ اللہ کا حکم ہے نہ سنتِ رسول ﷺ۔ اس حکم کے تناظر میں چاہئے تو یہ کہ بیانِ حدیث میں یا درود وسلام کے ورد میں شانِ ادب کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔

کیونکہ

ع ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

☆ شیخ کے سامنے بلند آواز میں گفتگو کرنے کی ممانعت:۔

مختلف کتبِ تصوف میں اس ضمن میں کچھ اس طرح کی تعلیمات پائی جاتی ہیں کہ۔

۱۔ ''معیار السلوک'' میں حضرت فریدالدین عطارؒ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ

''پیر کی خدمت میں زیادہ کلام نہیں کرنا چاہئے بلکہ خاموش رہنا افضل ہے۔''

۲۔ ''تعلیمات رحیمی'' میں ہے کہ:

حضرت پیران پیرؒ کا ارشاد ہے کہ،

''مرید کے آداب میں سے ہے کہ شیخ کے روبرو بلاضرورت گفتگو نہ کرے بلکہ شیخ سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ اس کے جواب سے بخوبی واقف ہو تب بھی خاموش رہے۔ چاہے شیخ بیان میں کچھ قصور کرے تب بھی اعتراض نہ کرے اور شیخ کے روبرو بہت نہ بولے۔''

۳۔ ''صاحبِ عمدۃ السلوک'' لکھتے ہیں کہ:

''پیر سے جب گفتگو کرے تو نرمی اختیار کرے' بلند آواز سے نہ بولے نہ ہی پیر کے روبرو قہقہہ لگائے' پیر کے روبرو بے ہودہ باتیں نہ کرے اور نہ کسی کے عیب بیان کرے۔''

۴۔ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ کی مجلس میں توجہ شیخ کی ذات پہ مرکوز رہے۔ خیالات اور نگاہ ادھر اُدھر نہ بھٹکتی پھرے' کان اس طرف لگے رہیں کہ جانے کس وقت کوئی بات مرکزِ توجہ زبان سے نکلے اور سُن کر پلے باندھ لی جائے۔''

۵۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں تربیت کے لئے آنے والوں کے لئے پابندی لگا دیتا ہوں کہ وہ بولا نہ کریں اس لئے کہ ذوق کے بغیر بولنے سے مناظرہ کی صورت پیدا ہوتی ہے جو اس طریق (سلوک) میں سخت نقصان دہ ہے۔''

(کمالاتِ اشرافیہ)

6- حضرت علی ہجویریؒ بولنے اور چپ رہنے کے آداب کے بیان فرماتے ہیں کہ:

''مرید کو لازم ہے کہ پیروں کی بات میں دخل اور تصرف نہ کرے اور عبارت عجیب اور پراگندہ نہ رہے۔ جسے زبان سے کلمہ شہادت کہا ہے اور اقرار توحید کیا ہے اُسی طرح جھوٹ اور غیبت نہ کرے اور مسلمانوں کو رنج نہ دے اور درویشوں کو صرف نام سے بلائے۔''

(کشف المحجوب)

2- آنحضرتؐ سے پیش دستی کرنے کی ممانعت :۔

کسی بھی حالت میں حضورؐ سے سبقت لے جانے کی ممانعت ہے۔

القرآن:۔ (الحجرات 1)

یایھا الذین امنو لا تقدمو بین یدی اللّٰہ ورسولہ و اتقو اللّٰہ.	یعنی اے ایمان والو! پیش دستی نہ کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کے روبرو اور اللہ سے ڈرو

☆ شان نزول :۔

''اس آیت کا شان نزول اس طرح ہے کہ چند لوگوں نے عید الاضحیٰ کو رسول اللہ کے قربانی کرنے سے پہلے قربانیاں کرلیں اس امر کی مخالفت میں یہ آیت نازل ہوئی اور حضور پر سبقت لے جانے سے منع فرمایا گیا۔''

(آداب رسول)

☆ حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ:

''اے ایمان والو! تم اپنے نبی کے قربانی کرنے سے قبل قربانی نہ کرو اور نہ روزہ رکھو تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے۔''

☆ اس حکم کے پیش نظر صحابہ کرام نے کبھی حضورؐ سے پیش دستی نہ کی اگر مسجد نبوی میں کوئی کچھ دریافت کرتا تو منتظر رہتے کہ رسولؐ اللہ کیا جواب دیتے ہیں حتیٰ کہ آپ تعلیم کرنے کی غرض سے بھی اگر کچھ دریافت فرماتے تو صحابہ عرض کرتے ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔''

☆ شیخ سے قول و فعل میں سبقت لے جانے کی ممانعت :۔

بالکل اسی طرز طریقت میں شیخ پر سبقت لے جانا ممنوع ہے چاہے چلنے میں ہو یا بات کرنے میں، کوئی کام کرنے میں ہو یا اونچا کھڑا ہونے میں۔

1- اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:

''چلتے وقت شیخ کے آگے نہ چلے۔''

کما قال تعالی

لا تقدمو بین یدی الله ورسوله و اتقوالله	اللہ اور اس کے رسولؐ کے روبرو اور اللہ سے ڈرو

یعنی اپنے مربی کا عزت واحترام اللہ رسولؐ کا احترام ہے۔

(دلائل اسلوک)

-2 حضرت اسماعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''چلتے ہوئے پیر سے آگے نہ بڑھے ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے پر پڑتا ہو یا سائے پر پڑتا ہو۔ پیر کے مصلے پر پاؤں نہ دھرے اور ہر چھوٹے بڑے کام میں پیر کی پیروی کرے۔''

ایک اور جگہ ہے کہ:۔

''جو شخص بیعت میں اس سے بلند ہو اس کے مصلی سے اونچا مصلی نہ بچھائے اور نہ اس کے قریب مگر اجازت سے اور صرف وقت نماز اور نماز کے بعد فوراً لپیٹ دے۔''

-3 ''آداب المریدین'' میں ہے کہا:

''شیخ کی صحبت میں اس طرح رہنا چاہیئے جیسا کہ صحابہ آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے اور قرآن میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کے ادب اس طرح بتائے گئے کہ۔

لا تقدمو بین یدی اللّٰه ورسوله و اتقواللّٰه.	اللہ اور اس کے رسولؐ کے روبرو اور اللہ سے ڈرو

-4 حضرت جنیدؒ سے متعلق احکامات ہے کہ:

بعض احباب نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت جنیدؒ نے اس کا جواب دیا اور وہ اس کے متعلق حجت کرنے لگے تو آپ نے یہ آیت پڑھی

فان لم تو منو لی فاعتزلون.	اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ کو چھوڑ دو

(3) حضور ﷺ کو نام سے پکارنے کی ممانعت:۔

سابقہ امتیں اپنے نبی کو نام لے کر پکارتیں تھیں۔

مثلاً بنی اسرائیل نے کہا (البقرہ 7)

یموسی لن نصبر علی طعام واحد.	اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کریں گے

یا

یعیسی بن مریم هل (الخ) من السماء.	اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمہارے پروردگار سے ہو سکے گا کہ ہم پر آسمان سے بھرا خوان اتارے اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرینگے

☆ بلکہ خود اللہ کریم نے نام لے کر نبیوں کو مخاطب فرمایا۔

مثلاً

یا آدم اسکن (اعراف)

یا نوح اھبط (ھود)

☆ لیکن اللہ کریم نے اپنے حبیب کی توقیر و تعظیم کیلئے امت محمدیہ کو حضورؐ کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا :۔

القرآن (النور 94)

لا تجعلو دعآ ء الرسول بینکم کدعآ بعضکم بعض.	یعنی مسلمانو! رسولؐ کے بلانے کا وہ طریقہ اختیار نہ کرو جیسے آپس میں تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو

☆ شان نزول

تفسیر دُرِّ منثور میں مرقوم ہے کہ

ابو نعیم عبداللہ بن عباسؓ سے آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں کہ :۔

''پہلے لوگ رسولؐ اللہ کو ''یا محمدؐ'' یا ''یا ابا القاسم'' (یعنی صرف نام یا کنیت سے) کہہ کر بلاتے تھے۔ پھر اللہ نے اپنے نبی کی تعظیم کی خاطر نام سے پکارنے سے منع فرمایا تب سے صحابہ کرام نے کہنا شروع کیا۔''

یا نبی اللہ　　یا　　یا رسول اللہ

مقصود یہ کہ عجز و نیاز کے ساتھ پکاریں جس سے حضورؐ کی تعظیم و تکریم ظاہر ہو اللہ کو آپ کو نام سے پکارنا بھی سخت نا گوار گزرا

☆ شرعی مسئلہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ :

''رسول اللہ کو نام مبارک لے کر پکارنا نہ صرف منع ہے بلکہ حرام ہے۔''

(آداب رسول)

☆ خود رب کریم نے حضورؐ کو ذاتی نام سے پورے قرآن میں مخاطب نہیں کیا بلکہ قرآن ہر جگہ آپ کو صفات کمالیہ سے یاد کرتا ہے۔

1- یا یھا المزمل　　اے چادر اوڑھنے والے　　(مزمل)

2- یا یھا النبی　　اے نبی　　(الاحزاب)

3- یا یھا المدثر　　اے لحاف میں لپیٹے ہوئے　　(مدثر)

القاب کیسے کیسے خدا نے کئے عطا!　　حضرت رسول پاکؐ کو قرآن میں جابجا

یسٰین کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا　　حٰم و نون اور کہیں والشمس و الضحیٰ

ایک ضمنی مسئلہ:۔

اس حکم کے تناظر میں ہمارا موجودہ رویہ نا قابل فہم ہے کہ جب ہم لاؤڈ سپیکر کے فل والیئم پر چیخ چیخ کر یا محمدؐ! یا محمدؐ کہہ رہے ہوئے ہیں اور ہماری نعتوں میں جابجا حضورؐ کو نام لے پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ ڈرنے کا مقام ہے کہ کہیں ثناء کرتے کرتے خطا نہ کر بیٹھیں کہ یہاں تو محبت بھی تب قبول ہے جب باادب ہو کر آئے۔

☆ مشائخ اور القابات

جہاں تک مشائخ کا تعلق ہے تو ان کے لئے بھی خوبصورت القابات سے یاد کرنا اسی قدر ضروری ہے کہ جتنا امراؤ و سلاطین، علماء و اساتذہ اور والدین کے لئے ضروری ہے۔ جس طرح ہم ان حضرات کو نام لے کر نہیں پکارتے اسی طرح شیخ کو بھی نام سے نہیں پکارا جاتا۔ بلکہ شیخ کا درجہ امراؤ و سلاطین سے بلند ہے اس لئے کہ اس کی سلطنت

ماوراء ہے وہ علماء واساتذہ سے بڑھ کر ہے کہ وہ روحانی استاد ہے اور وہ والدین سے مقدم ہے کہ وہ روحانی باپ بھی ہے اور روزِ قیامت خون کے رشتے کام نہیں آئیں گے۔

☆ شیخ المکرّم کا قول ہے کہ:

''یوم حساب سب سے مشکل حساب کتاب مشائخ کا ہوگا کہ ہر کوئی صرف اپنے عمل کا جوابدہ ہوتا ہے لیکن ایک شیخ اپنے ہاتھ پہ بیعت کرنے والے ہر ایک شخص کا ذمہ دار ہوتا ہے ور جب تک ایک ایک بندہ بھگت نہیں جاتا شیخ فارغ نہیں ہوتا۔''

☆ شیخ کا اصل مقام جاننے کے لئے یہ حدیث کافی ہے۔

الشیخ فی قومه کالنبی فی امته	شیخ (پیر کامل) اپنی قوم میں ایسے ہیں جیسے نبی اپنی امت میں۔

☆ مشائخ کے لئے مستعمل القابات :۔

مشائخ کے لئے استاد، شیخ، پیر، صوفی، ولی اللہ، مجدد طریقت یا امام طریقت جیسے القابات ہمیشہ سے رائج ہیں۔

بلکہ ''کشف المحجوب'' اور ''حیات الصوفیہ'' جیسی مستند کتب تصوف میں بھی کہیں حضرت اور کہیں شیخ کا استعمال کیا گیا ہے۔

☆ ایک ضمنی مسئلہ :۔

''یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر کام مسنون طریق پر اور جائز حدوں میں درست ہوتا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارا وطیرہ یہ ہو چلا ہے۔ کہ القابات سے نوازنے میں اس قدر غلو برتتے ہیں کہ نام دو سطروں میں بھی پورا نہیں آتا اور سابقے لاحقوں کے بیچ اصل نام تلاش کر پانا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔''

خود صحابہ کرام اور مشائخ عظام کن کن صفات سے متصف نہیں تھے لیکن ان کے صفاتی ناموں کی بھر مار ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ ہاں کسی ایک صفت کا کبھی مشہور زمانہ ہو کر نام کے ساتھ جڑ جانا الگ بات ہے۔ غلو کسی بھی بات میں ہو ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ ورنہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے ہر کام کیا جا سکتا ہے۔

☆ کشف المحجوب میں ہے کہ: ''مرید کو لازم ہے کہ درویشوں کو فقط نام سے نہ بلائے۔''

4- عشق و محبت رسول ؐ :۔

حضورؐ کی محبت واجب اور جزوِ ایمان ہے۔

☆ حب رسول ازروئے قرآن :۔

سارا قرآن ہی حضورؐ کی محبت اور توصیف سے مزین ہے اور قرآن جابجا آپ کی تعلیم کے اسلوب سکھاتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ اللہ کے نزدیک حضورؐ کی شان کیا ہے۔

1- ایک جگہ قرآن پسندیدگی کے انداز میں فرماتا ہے کہ

النبی اولی بالمومنین من انفسهم و ازواجه امهتهم	نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ اور اس کی ازواج ان کی مائیں ہیں۔

2- جو شخص آپؐ کی ہجو کرتا ہے قرآن سے وعید سناتا ہے۔

ان الذین یوذون اللّٰه ورسوله لعنهم اللّٰه فی الدنیا والاخرة واعد لهم عذابا مهینا.	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو لعنت کی اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب

والذین یئوذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم.	جولوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسولؐ کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

☆ دراصل حضورؐ کو ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے چنانچہ :۔

کنز العمال میں ہے کہ

الحدیث :

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

''فرمایا رسولؐ اللہ نے کہ جس نے میرے ایک بال کو ایذا پہنچائی اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی یقیناً اس سے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔''

☆ ایذاءِ رسولؐ پر عذاب کی جو وعید ہے اس کا عملی نمونہ ابولہب کی صورت میں موجود ہے جس کا ذکر سورۃ تبت میں موجود ہے۔

☆ عشق رسولؐ ازروئے حدیث :۔

1- الحدیث :۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی کہ

فرمایا رسول اللہؐ نے ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اسکے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

2- الحدیث :۔

جلال الدین سیوطیؒ ''جامع الصغیر'' میں یہ مستند حدیث بیان کرتے ہیں کہ :۔

''فرمایا رسول اللہؐ نے ، اپنی اولاد کو تین باتوں کی تادیب کرو۔ ایک اپنے نبی سے محبت رکھنا ، دوسرے ان کے اہل بیت سے محبت رکھنا اور تیسرے قرآن مجید پڑھنا۔''

3- الحدیث :۔

صحیح ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے :

''جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

4- صحیح بخاری میں عبداللہ بن ہشام سے مروی ہے کہ

''حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے۔''

رسول اللہ نے فرمایا کہ

''تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں خود اس کے نفس سے بھی زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔'' حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی ، آپؐ میرے نزدیک اس نفس سے زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے۔''

رسول اللہ نے فرمایا۔" بس اب بات ٹھیک ہوئی۔"

☆ صحابہ اور عشق رسول

1- بخاری شریف میں ہے کہ

"صحابہ کا یہ عالم تھا کہ حضور کو تھوک زمین پر نہ گرنے دیتے اور اپنے بدن اور منہ پر مل لیتے نیز حضورؐ جب وضو کرتے تو جو پانی گرتا اس کو حاصل کرنے کے لئے جھپٹ پڑتے۔"

2- مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو رسول اللہ کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا اور پھر اُس کو اپنے منہ پر مل لیا۔

3 مستدرک میں عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضورؐ کی طرف سر نہ اٹھاتا۔

4- حضورؐ کے روبرو تو اس قسم کا ادب ہوتا ہی تھا لیکن وہ حضرات جب حدیث شریف کے حلقوں میں بیٹھتے تو اس خشوع وخضوع کے ساتھ سر جھکائے بیٹھتے تھے کہ گویا گردنوں پر سر نہیں ہیں۔ چنانچہ مستدرک میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن قرطؓ ایک مرتبہ مسجد میں گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں اور ایک صاحب حدیث شریف بیان کررہے تھے جو غور سے ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت حذیفہؓ تھے۔

5- صحابہ کا عشق مثالی تھا۔ غزوات مبارکہ میں ان کی جانثاری کا حال جان کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کوئی کسی سے اس درجہ بھی محبت کرسکتا ہے۔

غزوہ احد میں جس طرح چند صحابہ کرام نے کفار کے نرغے میں حضورؐ کا دفاع کیا سیرت کی کتابیں اس پر گواہ ہیں۔

نوٹ: کوئی دیکھنا چاہے تو سیرت کی بہترین کتاب "الرحیق المختوم" سے استفادہ کرے جو سیرت کے موضوع پر دنیا بھر میں اول نمبر پر آنے والی کتاب ہے۔

4- وصال رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے منہ سے جلے کی بو آیا کرتی اور جب استفسار کیا گیا تو فرمایا۔ "فراق حزاف رسولؐ میں مل جل کر کلیجہ سوختہ ہوگیا ہے۔"

حالانکہ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے عمر فاروقؓ کے ہاتھ سے تلوار چھینی تھی جو حضور کے وصال کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور کا وصال ہوگیا میں اُس کا سر تن سے جُدا کردوں گا۔

غرض صحابہ جتنی محبت آج تک کسی نے کسی سے نہ کی ہوگی۔ ہم وہ نہیں ہوسکتے لیکن ان کی نقل تو کرسکتے ہیں، ان جیسا بننے کی کوشش تو کرسکتے ہیں۔

☆ مولانا اشرف علی تھانوی ایک بہت خوبصورت طریقہ وصولی اللہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

"حضورؐ کی اتباع میں خاص برکت ہونے کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپؐ کی ہیت میں اختیار کرتا ہے۔ اس پر خدا کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ پس یہ وصول الی اللہ کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔"

☆ محبتِ شیخ

محبت کی ایک پاکیزہ ترین صورت عقیدت ہے اور اپنے شیخ سے محبت وعقیدت رکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں ہمیں مشائخ کے اقوال درج ذیل طرز پر ملتے ہیں۔

1- مولانا اشرف علی تھانویؒ شاہ شجاع کرمانیؒ سے جو شیخ ابوتراب نخشبیؒ (المتوفی 248ھ) کے اصحاب میں سے تھے کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ۔

"کوئی عابد اس سے اچھی عبادت نہیں کرسکتا کہ ایسے اعمال اختیار کرے جن سے وہ اولیاء اللہ کی نظر میں محبوب ہوجائے کیونکہ جب اولیاء اللہ سے محبت کی تو (گویا) اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور اگر اولیاء اللہ نے اسے محبت کی تو (گویا) اللہ تعالیٰ ہی نے اس سے محبت کی۔" (روح تصوف)

2- حضرت اسماعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ

''مرید اپنے شیخ کا ادب جس قدر زیادہ کرے گا اتنی ہی محبت زیادہ بڑھے گی اور جیسے جیسے محبت زیادہ بڑھتی جائے گی اس کو کمال حاصل ہوتا جائے گا۔''

3- صاحب عمدۃ السلوک فرماتے ہیں:۔

''مرید کو چاہئے کہ شیخ کی محبت میں مخمور ہو جائے اور اپنی خواہش کو اس کی خوشی کے تابع کر دے۔''

(عمدۃ السلوک)

4- شاہ ہدایت علی نقشبندیؒ فرماتے ہیں:۔

''اور جس قدر پیر سے محبت زیادہ ہوگی اُسی قدر جلد ترقی ہوگی۔''

(معیار السلوک)

5- حضرت مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں کہ

''فقیر نے جو کچھ پایا وہ اپنے پیروں کے غلبہ محبت سے پایا۔''

6- حضرت شیخ داؤد کبیریا کے ملفوظات میں ہے کہ:۔

''مریدین کے قلوب پر انوار کی بارش کا ذریعہ مریدین کی (شیخ سے) محبت ہے۔یعنی مرید بقدر محبت شیخ سے نفع حاصل کرتا ہے۔''

(روح تصوف)

7- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے نہیں ہیں کہ:۔

''شیخ سے اس قدر عقیدت و عظمت مقصود اصل چیز جس کی ضرورت ہے وہ شیخ کے ساتھ غلبہ محبت ہے۔''

نیز ایک جگہ فرمایا:

''جس سے عقیدت ہو، اس سے سوال و جواب کی نوبت نہیں آنے دینا چاہئے بلکہ اپنی رائے اور مشورہ کو اس کی رائے اور مشورہ میں فنا کر دینا چاہئے۔''　(کمالات اشرفیہ)

8- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''محبت کے پیمانے دنوں اور گھڑیوں سے نہیں ناپے جاتے کیفیات سے ناپے جاتے ہیں۔کسی کو کتنا جنوں نصیب ہے یہ ہر تنفس کی اپنی ایک کیفیت ہوتی ہے ہر شیخ کے ساتھ جتنا بھی تعلق، جتنی بھی الفت، جتنی نسبت، جتنے لمحات نصیب ہوں ہر لمحہ اپنی ایک الگ قیمت رکھتا ہے سالک کو بھی بہت سے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں شیخ کے ساتھ چند لمحے بسر کرنے کے لئے۔''

(کنز الطالبین)

9- **الحدیث:۔**

المرء علی الدین خلیله فلینظر احد کم من یخالل	انسان اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے تو تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کون کس سے محبت ہے۔

کیونکہ اگر نیکوں سے اس کو محبت ہے تو وہ نیک ہے کہ اس کی محبت اسے نیک بنادے گی حالانکہ اگر چہ وہ برا ہو اور اگر وہ نیک ہے لیکن بروں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ برا ہے کہ اس کی صحبت اس کو برا بنادے گی

(5) صحابہ کرام و اہل بیت سے محبت

القرآن :۔ قرآن میں متعدد مرتبہ آیا ہے کہ

وازواجهم امهتهم	اور اس کی بیویاں ان کی مائیں

صحیح ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ :۔

''حضورؐ نے فرمایا اللہ سے اس لئے محبت رکھو کہ وہ تمہیں کھانے کو نعمتیں دیتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو اللہ سے محبت رکھنے کے سبب سے (یعنی جب اللہ سے محبت ہے تو میں اس کا رسول اور محبوب ہوں اس لئے مجھ سے بھی محبت رکھو) اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میرے ساتھ محبت رکھنے کے سبب سے (یعنی جب میں محبوب ہوں تو اہل بیت میرے ومنتسب ہیں اس لئے ان سے بھی محبت رکھو۔''

صحیح ترمذی میں عبداللہ بن منفغل سے مروی ہے کہ، فرمایا رسول اللہ نے

''میرے اصحاب کے بارے میں میرے بعد ان کو نشانہ (اعتراضات کا) نہ بنانا۔ جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت سے اُن سے محبت کرے گا اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی بہت جلد اس کو اللہ تعالیٰ پکڑے گا۔''

☆ شیخ کے احباب و قرابت والوں سے محبت رکھنا۔

پس شیخ کے احباب وقرابت داروں سے محبت وصلہ رحمی رکھنے کا بھی یہی جواز ہے کہ چونکہ وہ شیخ سے محبت رکھتا ہے تو شیخ بھی اپنے قرابتداروں سے محبت رکھتا ہے اور اگر وہ ان سے صلہ رحمی کا معاملہ نہیں رکھے گا تو شیخ کے موجب اذیت ہوگا اور اگر ان سے محبت رکھے گا تو شیخ کے لئے باعث فرحت ہوگا۔

1 عمدۃ السلوک میں ہے کہ :۔

''مرید کو چاہیئے کہ پیر کے قرابت داروں اور عزیزوں سے صلہ رحمی رکھے اور پیر بھائیوں اور طالبوں کے حق میں رعایت کرے پیر کی ہر چیز کا احترام کرے۔''

-2 معیار السلوک میں ہے کہ

''پیر کے معاملات خانہ داری واخراجات میں دخل نہ دینا چاہیئے اور اس کی جو عادات اس کی منشاء کے خلاف ہوں ان پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے''

-3 شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ

''مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بھائیوں کی خدمت کو غنیمت جانے۔''

نیز فرمایا! صوفی کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی خدمت کرے ان کی تکلیف کو دور کرے اور اگر اُن سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرے اور ان پر اعتراض نہ کرے بجز امور کے جو مخالف شرع ہوں اور ہر ایک کی قدر اس کے مرتبہ کے موافق کرے۔

-4 ''آداب المریدین''میں ہے

''مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بھائیوں کی خدمت غنیمت جانے اور اس کو نوافل پر مقدم رکھے۔ نیز ایک جگہ ہے کہ ''اخوان

طریقت کے ساتھ میل جول اس طرح ہو کہ ممکن حد تک ان کی شرع کے اندر رہتے ہوئے موافقت کی جائے اور مخالفت کو ترک کیا جائے اور کینہ وحسد سے پرہیز کیا جائے اور سلامتی اختیار کی جائے۔''

5- رسالہ قشیریہ میں مرید کے آداب کے تحت بیان ہے کہ

''جب مرید فقراء کی جماعت میں ہو تو اسے ظاہر میں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے نہ کھانے میں نہ روزہ رکھنے میں، نہ حرکت میں اور نہ سکون میں۔''

مزید لکھتے ہیں کہ

'' مرید کو ہر کسی کی بات برداشت کرنا ہوگی مرید کی ساری پونجی یہی ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو برداشت کرے اور جو کچھ اسے پیش آئے اسے رضامندی سے قبول کرے دکھ اور فاقہ پر صبر کرے کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے۔''

ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

''مرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے برادران طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور وہ خود اس سے محروم ہے۔ یاد رکھو تمام امور اللہ کی تقسیم ہیں۔ بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت نجات پا سکتا ہے جب وہ ذاتِ حق پر اکتفا کرے اور اللہ نے اگر کسی کو مقدم کیا تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے۔

لہٰذا اے مرید! جب تو دیکھے کہ اللہ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے تو تجھے اس شخص کا بردار ہو جانا چاہئے کیونکہ اللہ کے ارادت مندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور ہے۔''

(رسالہ قشیریہ)

6- حضور ﷺ کے گھر میں آواز دینے کی ممانعت

قرآن تعلیم فرماتا ہے کہ

ان الذین ینا دونک من ورآء الحجرات اکثر هم لا یعقلون ولو انهم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیر لهمo	جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف از خود نکلتا تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ (الحجرات ع1)

☆ شان نزول

قبیلہ بنی تمیم کے چند لوگ حضور کے مکان پر دوپہر کے وقت آپؐ سے ملنے کی غرض سے آئے۔ آپ اس وقت سو رہے تھے۔ ان لوگوں نے باہر سے یوں پکارنا شروع کیا کہ ''اے محمدؐ ذرا باہر آؤ'' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ تعلیم ادب اللہ کی طرف سے ہے کہ (جس طرح) حاکم وقت یا بادشاہ کو ان کے مکان سے اپنی غرض سے باہر نہیں پکار سکتا جب تک وہ خود دربار میں نہ آئے ایسی ہی رسالت کی تعظیم کرنی چاہئے۔ (آداب رسول)

☆ بے ادبوں کا بے وقوف ہونا :۔

قرآن جن کو بے وقوف کہہ رہا ہے وہ کوئی بے عقل، یا مجنون لوگ نہ تھے بلکہ بڑے ہوشیار اور مدبر لوگ تھے جو منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ حضور کے شاعر اور

خطیب پر سبقت لے جائیں اس کے باوجود وہ بے وقوف بنائے جا رہے ہیں۔

الحاصل، بے وقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اس وجہ سے ہوا کہ بارگاہ رسالت میں بے ادبی سے پیش آئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہوا تو غلط ہے کہ اس آیت میں کفر کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

ابن تیمیہ نے ''سارم المسلول'' میں لکھا ہے کہ :۔

''پس ثابت ہوا کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا بلکہ اس کا مدار محض بے ادبی پر تھا۔''

(آداب رسول)

☆ بلانے کا طریقہ ادب :۔

تفسیر روح البیان میں مرقوم ہے کہ

''صحابہ کرام کا یہ دستور تھا کہ اگر حضورؐ کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹاتے بلکہ اشد ضروری نہ ہوتا تو صحابہ کرام مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تا آنکہ حضورؐ خود اُن پر ظاہر ہوتے۔''

☆ صحابہ کا باھمی حفظ مراتب :۔

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں ''روح المعانی'' سے ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ :۔

''حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعب کے گھر جا کر قرآن کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے ان کا دستور یہ تھا کہ دروازہ نہ کھٹکھٹاتے باہر بیٹھ رہتے اور بلا اطلاع دیئے انتظار کرتے رہتے۔ حضرت ابی بن کعب کو یہ بات گراں گزری چنانچہ ایک روز انہوں نے فرمایا۔ ابن عباس دروازہ کھٹکھٹا دیا کریں۔''

انہوں نے جواب دیا کہ :۔

''ایک عالم اپنی قوم میں وہی مقام رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں اور اللہ نے اپنے نبی کے حق میں فرمایا۔''

ولو انهم صبر و احتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم	اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ وہ خود ان کی طرف سے نکلتا تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔

میں نے یہ قصہ بچپن میں دیکھا اور اپنے مشائخ کے ساتھ میں نے اسی کے مطابق رویہ اختیار کیا۔

☆ مشائخ کو بلانے کا طریقہ :۔

بزرگوں کی خدمت میں ادب سے بیٹھنا مدارج علیا تک پہنچاتا ہے چنانچہ بعض علماء کا یہ حال تھا کہ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھے رہتے جب تک کہ وہ خود بخود نہ نکلتے۔

2- ابوعبید قاسمؒ بن سلام فرماتے ہیں کہ :۔

میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا بلکہ جب بھی گیا تو انتظار میں بیٹھا رہتا۔ جب تک کہ وہ خود نہ نکلتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

ولو انهم صبر وا .... الخ

نوٹ: علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے کہ بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اس آیت سے استنباط کیا۔ پس معلوم ہوا کہ آیاتِ مبارکہ سے بزرگان دین کی تعظیم وتکریم کے سلسلے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

3- مولانا ابوالبشیر بے ادبوں کے بے وقوف ہونے کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی وہ بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی کیونکہ یہ صرف اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ	یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

4- معیار السلوک میں ہے کہ:۔

''پیر کے آرام کا یا سونے کا جو وقت مقرر ہو تب مرید اس سے علیحدہ ہو جائے کیونکہ وقت پر آرام نہ کرنے سے طبیعت مکدر ہوتی ہے اور دوسرے پچھلی شب کے اٹھنے میں کاہلی و سستی پیدا ہوتی ہے۔''

5- شیخ المکرّم متعدد جگہوں پر خود اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ

''ہم جب حضرت جی سے ملتے تھے تو بالکل ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جیسے پیاسے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا ہو۔ رفتہ رفتہ ہر دن اس میں تھوڑی سی کمی آتی جاتی اور پھر ایک وقت آتا ہے بے قراری سی لگ جاتی، تشنگی بڑھ جاتی تو پھر اٹھ کر چل پڑتے اور یہ کبھی جرات نہ ہوتی تھی کہ پیغام ہی بھیج دیں کہ حضرت ہم ملنے آئے ہیں بلکہ ہم آپ کی مسجد میں اذان کہتے جس سے حضرت کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں آیا ہے تو اگر آپ کی منشا ہوتی تو بلا بھیجتے۔ ورنہ جب آپ، حاجت کے لئے باہر جاتے تو ہم لوٹا اٹھا کر ساتھ چل پڑتے اور اس کے لئے باری مقرر کر لیتے تھے اور صرف اتنی ہی دیر بات ہوتی تھی۔ ورنہ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر کے یا پیچھے ذکر کر کے لوٹ آتے تھے۔''

(کنز الطالبین)

6- صاحب ''مقامات تصوف'' فرماتے ہیں:

''مرید کو اپنے شیخ کے سامنے اس طرح خائف اور لرزاں جانا اور بیٹھنا چاہئے کہ گویا چور کو سزا کے لئے لایا گیا ہے۔''

7- اعلیٰ حضرتؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

''شیخ سے ملاقات کی غرض سے شاگرد باہر آئے تو اس کے لئے ولو انھم صبروا اور عمل صحابہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا شروع کر دے بلکہ اس وقت تک انتظار کرے جب شیخ اپنے معمول کے مطابق باہر آ نکلے ہاں اگر کوئی ضروری عمل پیش آ جائے تو اندر اطلاع کرا دے پھر بھی آوازیں نہ دینے لگے نہ تقاضا کرے۔''

(دلائل السلوک)

نوٹ: اب دیکھتے ہیں اس تناظر میں ہمارا رویہ کیا ہے۔ ہمارا طریق یہ ہوتا ہے کہ ہم ہی دنیا کی مصروف ترین ہستی ہیں اور اتنی مشکل سے وقت نکال کر آئے ہیں اس لئے جوں ہی پہنچیں شیخ کو چاہئے کہ فوراً ہمیں وقت دے۔ انہیں فوراً بتایا جائے کہ ہم آ گئے ہیں اور اگر بتا دیا ہے تو اب تک انہوں نے وقت کیوں نہیں دیا۔

ہم اتنی سی بات نہیں سمجھ پا رہا ہے کہ ہم پیاسے ہیں اور شیخ کی حیثیت کنویں جیسی ہے اور پیاسا جب کنویں کے پاس جاتا ہے تو وہ کنویں پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ یہ مقام تو کنویں کا ہے جو ہر آنے والے کو سیراب کر رہا ہے۔

اگر کوئی پیاسا آتا ہے تو کنویں کو یہ خدشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی پیاس بجھانے سے ختم ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی پیاس بجھانے نہ آئے تب بھی کنواں سوکھ نہیں جاتا۔ اس لئے کوئی آئے تب بھی اور نہ آئے تب بھی کنویں کی حیثیت مسلمہ ہے اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس مثال کو مدنظر رکھ کر اپنی حیثیت پہچان لینی چاہئے تاکہ ہمیں اپنے لئے مناسب رویہ منتخب کرنے میں مدد مل سکے۔ (مئولفہ)

7- حضور ﷺ کی مجلس کے آداب :۔

☆ مشکوۃ شریف میں حضرت براابن عاذب سے مروی ہے کہ

قال فجلس النبی مستقبل القبلتہ و جلسنا معہ کان علی ر ؤسنا الطیر o	ایک مجلس میں نبی کریم قبلہ رخ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے مگر کیفیت یہی جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

☆ امام بخاری کتاب الشروط میں قصہ حدیبیہ کی ایک طویل حدیث نقل فرماتے ہیں کہ عروہ بن مسعود رئیس مکہ نے آپ کی مجلس سے واپس جا کر اہل مکہ سے یہ بیان کیا کہ

''اے میری قوم واللہ! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں۔قیصر وقصری اور نجاشی کے پاس گیا ہوں واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر صحابہ محمد کی کرتے ہیں۔واللہ! وہ جب تھوک پھینکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اور وہ اس کو اپنے بدن اور چہرہ پر مل لیتا ہے۔جب آپ ان کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں اور جب آپؐ وضو کرتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وضو کا پانی لینے کے لئے گویا اب لڑ پڑیں گے اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپؐ کے سامنے پست کر لیتے ہیں،اور وہ لوگ آپؐ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے تک نہیں۔''

☆ اگر قرآن کی رو سے دیکھا جائے تو آداب رسولؐ کے ضمن میں جس قدر آیات اوپر بیان ہو چکی ہیں ان سے آداب مجلس رسول کے سلسلے میں بھی روشنی لی جاسکتی ہے۔ احادیث میں صحابہ کرام کی یہ حالت تو بہت سی حدیثوں میں بیان ہے ان کو پیش نظر رکھ کر ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے قرآن کے احکام کو کس طرح عملی جامعہ پہنایا۔

☆ اعلیٰ حضرتؒ صحابہ کرام کی حالت وکیفیت جو صحبت نبویؐ میں ان کی ہوتی تھی کی توجیہ بیان فرماتے ہیں۔

''صحابہ کرام کی یہ حالت صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ وہ حضورؐ کو مصدر ہدایت سمجھتے اور اپنے آپ کو محتاج جانتے تھے اسی نظریہ کے تحت سالک کو اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھنا چاہئے۔''

شیخ کی مجلس کے آداب :۔

احادیث مبارکہ پیش نظر اعلیٰ حضرتؒ درج ذیل نقاط بیان فرماتے ہیں :۔

(1) شیخ کی مجلس میں توجہ شیخ کی ذات پر مرکوز رہے اپنے قلب کا رخ شیخ کی طرف ہو۔خیالات ونگاہ کو آوارہ ہونے سے بچائے۔

(2) کان اس کی طرف لگے رہیں کہ جانے کس وقت کوئی بات مرکز توجہ زبان سے نکلے اور سن کر پلے باندھ لی جائے۔

''سالک جو سلوک کی اعلیٰ منازل میں ہوں وہ اپنی آخری منزل پر توجہ کر کے بیٹھیں کہ شیخ کے سینے سے فیض انعکاسی عمل کے ذریعے پہنچ رہا ہے اور جو لطائف پر ہوں یہ خیال کر بیٹھیں جس طرح بیٹری چارج ہوتی ہے اسی طرح سالک اپنے قلب کا ربط شیخ سے جوڑ کر بیٹھے رہے تو قرب الٰہی کے کرنٹ سے قلب کی بیٹری چارج ہوتی رہے گی۔''

(دلائل السلوک)

2- شیخ ابوبکر واسطی کا قول ہے :۔

''میں نے اگر بادشاہ کی خدمت نہ کی ہوتی تو مشائخ کی خدمت نہیں کر سکتا تھا اور اگر مشائخ کی خدمت نہ کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی خدمت نہ کر سکتا تھا۔''

3- معیار السلوک میں ہے:۔

''پیر کی خدمت میں باادب رہنا چاہئے اور اس کی مجلس میں سوائے ذکر و فکر کے اور کسی سے مخاطب نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اپنے قلب پیر کے قلب کی طرف کر کے ہمہ تن اس خیال میں مصروف رہے کہ شیخ کے قلب سے میرے قلب میں نور باطن آ رہا ہے۔ اس سے جلد ترقی ہوتی ہے۔''

4- ''عمدہ السلوک'' میں ہے کہ:۔

''پیر کی خدمت میں ہر وقت باوضو رہے۔ پیر کے سامنے لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ ہو۔ اس کی مجلس میں نہایت ادب سے بیٹھے اور اپنی حیثیت سے اونچی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے اور جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے اپنے تئیں حقیر خیال کریں۔ اپنے دل کو تمام سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور اس کے حضور میں اس کے سوا اور کسی کی طرف توجہ نہ کرے۔ پیر کی خدمت میں بلا اجازت کے نوافل وظائف میں مشغول نہ ہو۔''

5- مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

''میرے یہاں بے تعلقی کو محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے اور اختلاط (یعنی میل جول) جرائم میں شامل ہے۔ کیونکہ اس میں ہزار نقصانات ہیں۔ بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔''

''نیز فرمایا! جس سے عقیدت ہو اس سے سوال جواب کی نوبت نہ آنے دینا چاہئے بلکہ اپنی رائے کو اس کی رائے اور مشورہ میں فنا کر دینا چاہئے۔ بزرگوں کے سامنے ردّ و کد کرنا بالکل خلاف ادب ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

''جب کوئی شخص گفتگو کر رہا ہو یا کسی کام میں مشغول ہو تو آنے والے کو چپکے بیٹھ رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ بیچ میں سلام کر کے لٹھ سی آ کر مارے اور مصافحہ کرنے لگے یہ بدتہذیبی کی بات ہے اور ایذا کا سبب ہے۔''

(تعلیمات حکیم الامت)

6- ''فوائد الفواد'' میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ہے کہ آپ آداب مجلس اور پیر کی خدمت میں حاضری اور بیٹھنے کے آداب اور جگہ حاصل کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

''ادب یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں آئیں تو جو جگہ خالی دیکھیں وہاں بیٹھ جائیں یعنی پیر کی خدمت میں آئیں تو اونچی یا نیچی جگہ کے خیال میں نہ رہیں جہاں بھی خالی جگہ دیکھیں بیٹھ جائیں کہ آنے والے کی جگہ وہی ہوتی ہے۔''

''فرمایا: ایک دفعہ حضور کسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور صحابہ حلقہ بنائے سرکار کے اطراف بیٹھے تھے (اتنے میں عام) تین آدمی حاضر ہوئے ایک کو دائرے میں جگہ مل گئی وہ فوراً آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے کو اس حلقہ میں جگہ نہ ملی تو وہ دائرے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرے نے وہاں سے منہ موڑا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ابھی جبرئیل آئے اور مجھے خبر دی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آیا اور اسے حلقے میں جگہ مل گئی اور وہاں بیٹھ گیا تو ہم اسے اپنی پناہ میں جگہ دیتے ہیں اور جس کو دائرے میں جگہ نہیں ملی اور وہ شرما کر حلقے کی پیچھے بیٹھ گیا ہم اس سے شرماتے ہیں اور کل قیامت کے دن اس کو رسوا نہیں کریں گے اور جو شخص منہ پھیر کر چلا گیا ہماری رحمت بھی اس سے منہ موڑتی ہے۔ پس ادب

یہ ہے کہ جو بھی آئے مجلس میں جہاں جگہ خالی پائے بیٹھ جائے اور اگر جگہ نہ ہو تو حلقے کے پیچھے بیٹھے۔ بیچ میں نہیں بیٹھنا چاہئے کہ جو بیچ میں بیٹھ جاتا ہے وہ ملعون ہوتا ہے۔''

7- حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ

''شیخ کی صحبت میں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہاں گپیں ہوں گی یا ہنسی مذاق ہوگا نہیں بلکہ شیخ کے پاس پہنچ جانا اور پھر خلوص سے بیٹھ رہنا اور توجہ کا حصول اصل مقصد ہے کہ براہ راست توجہ حاصل کر لی اور شیخ کے ساتھ ذکر نصیب ہو جائے اگر اتنی فرصت نہیں تو چند لمحے وہاں جہاں ذکر ہوتا ہے بیٹھنا نصیب ہو جائے تو بھی بڑی حد تک پیاس بجھ جاتی ہے۔ شیخ کی مجلس بھی عجب ہوتی ہے۔ جہاں شور بھی خاموشی ہی کا ہوتا ہے گیوں کا نہیں کیونکہ یہ کیفیات کا انعکاس ہے۔ ایک Tranisit کرنے کا عمل ہے اور یہ دلوں سے دلوں کی باتیں ہیں۔''

(کنز الطالبین)

8- اطاعت رسول

1-القرآن

یایھا الذین امنو اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول.	ایک مجلس میں نبی کریم قبلہ رخ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے مگر کیفیت یہ ہی جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں

2- القرآن

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ.	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

3-القرآن

وما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھو.	جو حکم دیں تم کو رسول اس کو قبول کرو اور جس چیز سے منع فرمادیں اس سے باز رہو (سورۃ الحشر۔ رکوع 1)

☆ صحابہ و اطاعت الرسولؐ :-

1- حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' ابن مسعود نے جب حضورؐ کی آواز سنی تو دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ حضورؐ کی نگاہ پڑی تو فرمایا ''آگے آجاؤ''

2- خصائص الکبریٰ میں ''علامہ سیوطی'' لکھتے ہیں۔

''جمعہ کے روز حضورؐ منبر پر بیٹھے تو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کے کان میں یہ آواز پڑی تو آپ اس وقت بنی غنیم میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔''

3- اعلیٰ حضرت ان روایات کی شرح فرماتے ہیں کہ :-

''ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں حضورؐ کے حکم کی تعمیل کا جذبہ کس درجہ تھا کہ بیٹھنے یا بٹھانے کی علت دریافت نہ کی نہ اس کی علت کے متعلق سوچا بس آواز سنی اور تعمیل کر دی۔''

(دلائل السلوک)

☆ شیخ کی اطاعت :۔

1- نیز اعلیٰ حضرتؒ مندرجہ بالا شرح میں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

''صحابہ کرام کے اس عمل پر ارباب تصوف نے یہ ادب سیکھا کہ اگر شیخ کا حکم نصوص کے خلاف نہ ہو تو علت دریافت کئے بغیر شاگرد کو تعمیل کر لینی چاہئے بعض اوقات شاگرد کے ذہن میں وہ علت نہیں ہوتی جو شیخ کے ذہن میں ہوتی ہے ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ و خضر کے قصہ میں موجود ہے۔''

(دلائل السلوک)

''اپنی خواہش کو پیر کی خوشی کے تابع بنا دے اور ہر چھوٹے بڑے کام میں پیر ہی کی پیروی کرے ۔ غرض یہ کہ ''الطریق کلہ ادب'' البتہ اگر کوشش کے باوجود کمی رہ جائے تو معاف ہے۔''

3- شیخ عبدالقادرؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ :۔

''مرید کا سچا اعتقاد اور اس ملک میں قرب الٰہی کے لئے کوئی شخص اس کے مرشد سے بہتر نہیں بس اس کے لئے جو کچھ شیخ اس کے حق میں فرما دیں وہ درست و راست ہے اور مرشد کے خلاف ہرگز نہ کرے ۔ کیونکہ مرشد کے خلاف کرنا سم قاتل ہے ۔ اور اس میں بڑا نقصان ہے، اپنے کسی احوال کو مرشد سے نہ چھپائے لیکن جو شیخ حکم کرے وہ کسی کو نہ بتائے اور جس کام کو شیخ کے کہنے پر ترک کر دیا ہے وہ دوبارہ ہرگز نہ کرے یہ امر طریقت میں گناہ کبیرہ ہے جس سے بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ شخص مثل کتے کے ہے جو قے کر کے چاٹے اور بس کاموں میں مرشد کے حکم کی تابعداری ضروری ہے۔''

4- مقامات تصوف میں ہے کہ

''مرید اپنے شیخ کے ہاتھوں میں ایسا ہو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے مرید شیخ کو برحق جانے اور اس کے حکم کو بلا توقف بجالائے۔''

5- حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں

''ایک اطاعت ہے لازمی اور ایک طاعت ہے متعدی ۔ لازمی تو وہ ہے جس کا فائدہ صرف کرنے والے کو پہنچتا ہے اور وہ ہے نماز و روزہ وغیرہ لیکن طاعت متعدی وہ ہے کہ جس سے فائدہ اور راحت دوسروں کو پہنچے، خرچ کرنے سے و شفقت برتنے سے جہاں تک ہو سکے دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے سے اور اطاعت لازمہ میں تو اخلاص ہونا چاہئے کہ قبول ہو جائے لیکن طاعت متعدیہ تو جس طرح سے بھی ہو اور جیسے بھی کی ہو اس کا ثواب ہے۔''

(فوائد الفواد)

6- مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

''شیخ کا مکمل اتباع و اطاعت مطلقہ نہ عقائد میں ہے نہ کشفیات اور نہ جمیع مسائل میں نہ ہی معاشی و معاشرتی معاملات میں (مثلاً شیخ طالب سے کہے کہ اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے کرو یا فلاں سے کرو) بلکہ اس کا اتباعِ تربیت، امراض کی تشخیص و تجویز و تدابیر اور ان مسائل سے ہے جو متفق علیہ ہوں۔''

نیز فرمایا کہ :۔

''اتباع کامل کے معنی یہ ہیں کہ جونفسانی مرض اس نے تجویز کیا ہے یا جو تدبیر اس نے تجویز کی ہے یا جو شرعی عمل شیخ و مرید کے درمیان متفق علیہ ہے تجویز کیا ہے ان چیزوں میں اس کا مکمل اتباع کیا جائے۔ اس معاملہ میں اپنی رائے کو ذرا بھی دخل نہ دیا جائے اور باقی معاملات میں اتباع مراد نہیں۔''

(تعلیمات حکیم الامت)

7- شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''تصوف کا یہ قانون ہے کہ شیخ کا کام ہے کہہ دے (یعنی نصیحت کرے) اور سننے والے کا یہ کام ہے کہ عمل کرے اسے فائدہ ہوگا اور جو نہیں مانے گا (یا تو ویلیں گھڑے گا) وہ اپنا نقصان کرے گا۔''

(کنز الطالبین)

9- تعظیم و توقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۔

القرآن

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا ونذیرا لتو منو با للّٰہ ورسولہ وتعزر وہ وتوقروہ	بیشک بھیجا ہم نے آپ کو گواہ بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تا کہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام پر اور تعظیم و توقیر کرو رسول علیہ السلام کی۔ (سورۃ فتح رکوع نمبر 1)

القرآن

فالذین امنو بہ و عزروہ و نصروھو اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون	پس جو لوگ ایمان لائے ان پر وہ تعظیم کی ان کی اور مدد دی ان کو اور پیروی کی ان کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے اس کے ساتھ (یعنی قرآن مجید) یہی لوگ نجات پانے والے ہیں''

''یہاں دو باتیں پتہ چلتی ہیں کہ آپ کو مبعوث کرنے سے آپ کی تعظیم و توقیر ایک قصد اصلی ہے اور دوسرے فلاح و نجات انہی کے لئے ہے جو آپ کی تعظم کرنے والے ہیں۔''

(آداب رسولؐ)

☆ صحابہ و تعظیم نبویؐ:۔

نسیم الریاض شرح الشفاء میں ہے کہ

''حضرت امیر معاویہ 60ھ میں شام میں فوت ہوئے جبکہ آپؓ وہاں کے حاکم تھے اور ان کے پاس حضور کی دو چادریں کچھ بال اور ناخن تھے، ناخن اور بال ان کے منہ اور ناک میں رکھ دیئے گئے اور یہ سب ان کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔''

عوارف المعارف میں ہے کہ :۔

''حضورؐ نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی کہ کعب کی طرف پھینک دی۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کا دور آیا تو آپؓ نے دس ہزار درہم میں یہ

چادر خریدنا چاہی تو حضرت کعبؓ نے جواب دیا میں اپنے آپؐ سے زیادہ کسی کو اس کا حقدار نہیں سمجھتا۔ان کی وضاحت کے بعد ان کی اولاد سے امیر معاویہؓ نے یہ چادر بیس ہزار درہم میں خرید لی۔ پھر یہ ہاتھوں ہاتھ چلتی آئی حتی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانہ میں خلیفہ مصر الناصر کے پاس پہنچی۔''

☆ تعظیم شیخ

1- اعلیٰ حضرتؒ مندرجہ بالا روایات کی شرح میں بیان فرماتے ہیں کہ

''ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کے لباس کی بھی تعظیم کرنی چاہیئے۔محبت اور ادب کا یہی تقاضا ہے۔''

(دلائل السلوک)

2- فتح الباری میں اور نسیم الریاض اور اوض الانف میں حضورؐ کے ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جو آپؐ نے ہرقل روم کے نام بھیجا تھا۔ ہرقل باوجود عیسائی ہونے کے آداب الانبیا سے واقف تھا اس نے اس خط کی حفاظت و تعظیم کی وصیت کر دی۔ جس کے باعث اس کو سونے کی نلکی میں رکھا ہوا تھا اور رومی بادشاہوں کے پاس یہ خط یکے بعد دیگرے ورثے میں آتا رہا اور ان کا یہ ماننا تھا کہ جب تک یہ خط ان کے پاس محفوظ رہے گا ان کی حکومت قائم رہے گی۔

اعلیٰ حضرتؒ اس سے یہ نکتہ اخذ کرتے ہیں کہ:۔

''اہل اللہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس طرح حضورؐ کے خط کی حفاظت و تکریم کے سبب ہرقل کی مادی حکومت قائم رہی اور خسرو پرویز،حضورؐ کے خط کی توہین کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔اسی طرح شیخ کے خط کی حفاظت و تعظیم سے سالک کی روحانی حکومت قائم رہتی ہے۔اسی وجہ سے مجدد الف ثانی کے خطوط کی سینکڑوں نقلیں محفوظ کر لی گئیں۔''

(دلائل السلوک)

نوٹ: اعلیٰ حضرتؒ پرویز نام رکھنے کی سختی سے مذمت فرماتے ہیں

''حیرت ہوتی ہے کہ آج کے مسلمانوں کو کیا سوجھی کہ بڑے شوق سے اپنے بچوں کے نام پرویز رکھتے ہیں تو جن کو اللہ نے (دینی) حمیت عطا کی ہے تو وہ اس نحوست سے بچ کر رہیں اور بچوں کے نام اسلامی رکھیں۔''

نوٹ:۔ شیخ المکرّم کو فرماتے سنا ہے کہ

''لاہور بادشاہی مسجد میں حضورؐ کا موئے مبارک رکھا ہوا ہے وہ برحق ہے اور اس کی زیارت کرنے والا صاحب نجات ہوگا۔''

3- کنز العمال میں یزید بن الاصمؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ابوبکر صدیقؓ سے استفسار فرمایا کہ میں بڑا ہوں یا تم؟ عرض کیا کہ آپؐ اکبر و اکرم ہیں اور میری عمر زیادہ ہے۔''

اسی طرح کی روایت ''بیہقی'' نے دلائل النبوتؐ میں ''ابی الحوارثؓ اکبر سے روایت کی ہے کہ عبدالملک بن مروان قبات بن اشیمؓ سے پوچھا کہ تم ایک ہو یا حضورؐ اکبر تھے۔''

قال رسول اللّٰه عليه وسلم اکبر منی و انا اسن منه	انہوں نے جواب دیا حضورؐ مجھ سے بڑے تھے اور میں عمر میں ان سے زیادہ ہوں

اس درجہ ادب کہ خود کو عمر کے معاملہ میں بھی حضورؐ سے بڑا ظاہر نہ کیا۔پس تعظیم شیخ میں یہ ادب ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ شیخ کے قدموں میں خود کو ہر بڑائی سے خالی کر کے حاضر ہوا جائے۔اپنے علم،عمر،تجربے سے اور ڈگری کو ایک طرف رکھ کر بالکل خالی ہو کر صرف کسب فیض کی طلب کے ساتھ شیخ کی خدمت کی جائے۔

4- اہل دین کی تعظیم گویا دین کی تعظیم ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

''دین تو بڑی چیز ہے اگر قلب میں دین اور بزرگوں کی عظمت موجود ہو تو اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے ایمان قوی ہوتا ہے۔ ایمان میں رسوخ ہوتا ہے کیونکہ عظمت کی نشانی دین ہے تو اہل دین کی تعلیم گویا دین کی تعظیم ہے کیونکہ یہ بالواسطہ دین ہی کی تعظیم ہے اور اس وقت معاشرے سے جو خیر و برکت رخصت ہوگئی ہے تو اس کا سبب یہی کہ دلوں سے دین اور اہل دین کی عظمت نکل گئی ہے بے عملی و بدعملی بری چیز سہی لیکن دین کی وقعت وعظمت کا نہ ہونا زیادہ خطرناک ہے کہ اس سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پس اس سے جلد از جلد توبہ کر لینی چاہئے۔''
(الافادۃ الیومیہ)

5- ''مقامات تصوف'' میں ہے کہ

''شیخ کے سجادہ پر پاؤں نہ رکھے اور بغیر اس کی اجازت اس کے کپڑے وغیرہ استعمال نہ کرے۔''

''شیخ محی الدین مغربی'' فرماتے ہیں۔

''مرید کو چاہئے کہ صرف اُسی کے ہاتھ پر بیعت کرے جس کی عزت اور عقیدت اس کے دل میں گھر کر جائے مجبوراً کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے۔'' (مقامات تصوف)

6- شیخ ضیاءالدین عبدالقادر سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ

''صوفیا کے آداب میں ہے کہ ہر ایک اپنی حالت اور لیاقت کے بموجب دوسرے کے ساتھ صحبت رکھے مشائخین اور بزرگوں کے ساتھ محبت ان کے احترام اور خدمت اور تعظیم وتوقیر اور ان کے کام انجام دینے سے ہوگی اور ہمسر اشخاص سے (محبت ان سے) کشادہ پیشانی اور خوشی ومسرت اور وموافقت کے ساتھ ملنے اور ان کے ساتھ بھلائی احسان اور ایسا برتاؤ کرنے سے ہوگی جو مناسب وقت ہو۔''

7- عمدۃ السلوک میں ہے کہ:۔

''پیر کی تعظیم مرید اس درجہ کرے کہ) اگر پیر کسی کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو مرید بھی اس کی پیروی کرے اور اٹھ کھڑا ہو۔''

8- حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''آپ مجھے دیکھ لیجئے بحمداللہ تیس سال سے اوپر کا مرحلہ جا رہا ہے سلسلہ عالیہ میں اور آج تک مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کوئی ذکر ایسا کیا ہو جس میں مشائخ سے اجازت طلب نہ کی ہو۔ حالانکہ تاریخ تصوف میں جو ذمہ داریاں مجھے عطا ہوئی ہیں شائد کسی کو نصیب ہوئی ہوں اور یہ اللہ کا احسان ہے مجھ پر کہ اگر کافر بھی اسلام قبول کر کے میرے ساتھ دس دن رہا تو اسے بھی فنافی الرسول حاصل ہو گیا۔''

لیکن میری کیا مجال کہ خود کو کچھ سمجھوں یا اپنے برتے پر اپنی پسند سے کوئی کام کروں۔ یہ سب کسی کی عطا ہے، کسی کے طفیل ہے اور اللہ کا کرم ہے ورنہ وہ کسی کو بھی بنا سکتا ہے۔

9- **ایک دقیق ادب:۔**

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''اہل اللہ سے اگر فائدہ حاصل نہ کر سکو تو ان کی تکذیب وتردید کا جرم بھی نہ کرو۔ اس لئے کہ دنیا میں جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں ان سے ہمیں برکات غیر شعوری طور پر بھی ملتی رہتی ہیں چاہے ظاہری اسباب (موجود) نہ ہوں۔''

یعنی تردید سے غائبانہ ملنے والی برکات سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ۔

''اہل اللہ کی تردید اگرچہ کفر تو نہیں لیکن ایسا کرنے والے مرتے عموماً کفر پر ہیں اس لئے کہ جب وہ اہل اللہ کی برکات سے محروم ہو

جاتے ہیں تو گناہ کرتے کرتے اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ خاتمہ کفر پر جا ہوتا ہے۔'' (کنز الطالبین)

10 - بے جا سوالات کی ممانعت :-

القرآن

یایها الذین امنو لا تسئلو عن اشیاء ان تبدلکم تسوکم و ان تسئلو عنها حین ینزل القرآن تبدلکم.	''اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو کہ یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گے (المائدہ رکوع 7)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

''اس آیت میں تنبیہ فرما دی گئی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق دور از کار کے سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح حلال حرام میں آپؐ کا فرمان موجب ہدایت ہے اسی طرح آپؐ کا سکوت بھی باعث رحمت وسہولت ہے۔ یعنی گنجائش وتوسیع رہتی ہے کہ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملتا ہے اور باقی عمل کرنے والے اس کے فعل وترک میں آزاد رہتے۔ اب اگر ایسی چیزوں کے بارے میں کھوج کرو گے تو ممکن ہے پھر آزادی عمل یا اجتہاد کی نوبت نہ رہے اور جو چیزیں تم نے مانگ کر لیں بعد میں خود ہی اس کو نباہ نہ سکو۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ذبح بقرہ والے قصے میں ایسا ہی ہوا۔''

☆ الحدیث

اس ضمن میں یہ حدیث مبارکہ بھی ملتی ہے کہ :-

''اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے کہنے پر کوئی سی بھی گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے تو قبول ہو جاتی۔ تو وہ جتنے سوال کرتے گئے اسی قدر حدود وقیود بڑھتی گئیں اور اگر وہ آخر میں انشاء اللہ نہ کہتے (جیسا کہ قرآن میں ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا اب یہ نشانی پوچھ دیں تو اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے) تو وہ ہرگز نہ راہ پاتے۔''

☆ نبی اکرمؐ نے فرمایا

''اے لوگو! خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔''

ایک شخص بول اٹھا:

'' ہر سال یا رسول اللہ؟''

آپؐ نے برہمی سے فرمایا:

''اگر میں ہاں! کہہ دیتا تو ہر سال تم پر حج واجب ہو جاتا اور پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ پس جس چیز میں تم کو آزاد چھوڑ دوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو۔''

☆ الحدیث

مسلمانوں میں وہ بڑا مجرم ہے جس کے سوالوں کی بدولت ایسی چیز حرام ہوگئی جو پہلے حلال تھی۔

شیخ اور بے جا سوالات:-

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر حضرت شیخ المکرم کی تفسیر ''اسرار التنزیل'' میں کچھ یوں بیان ہے کہ :-

''انسان سیکھنے کے لئے سوال کرتا ہے اگر پوچھے گا نہیں تو عمل کیسے کرے گا کہ عمل کے لئے جاننا شرط ہے اور جاننے کے لئے پوچھنا پڑتا ہے لیکن فضول کرید کرنا اور غیر متعلقہ سوالات کرنا درست نہیں یہاں نبی اکرمؐ سے فضول سوالوں کی ممانعت ہے۔''

اسی کے پیش نظر مشائخ کے ساتھ بھی زیادہ مین میخ نہیں نکالنا چاہئے۔ بلکہ سیدھا جو معنی سمجھ میں آئے وہ درست ہے اگر کرید کریں گے تو پابندیاں بڑھیں گی مثلاً شیخ نے فرمایا ''درود شریف پڑھو'' بات ختم۔کوئی سا بھی درود شریف پڑھو۔ایک تسبیح، دو تسبیح اپنی فرصت اور مزاج کے مطابق پڑھ لوانشاءاللہ وہی فائدہ نصیب ہوگا جس کا وعدہ ہوا۔اگر پوچھا کونسا پڑھوں تو پھر ایک خاص درود مقرر ہو گیا پوچھا کتنی بار روزانہ تو پھر ایک پابندی بڑھالی (یا کس وقت وغیرہ وغیرہ) اب ان پابندیوں سے نہیں پڑھے گا تو فائدہ نہیں ہوگا۔نتیجہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

(اسرار التنزیل)

اعلیٰ حضرتؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ :۔

''شیخ سے کوئی بات پوچھے تو سیکھنے کی غرض سے اور طالب علمانہ انداز میں پوچھے۔اعتراض کے طور پر سوال نہ کرے کیونکہ شیخ پر اعتراض مانع فیض ہے۔''

(دلائل السلوک)

3- ''عمدۃ السلوک'' میں ہے کہ :۔

''اس کی (پیر کی) باتوں کو کان لگا کر سنتا رہے اور اس کے کاموں اور باتوں پر اعتراض نہ کرے نہ ہی اپنے پیر سے بحث و مجادلے پر آجائے جو کچھ شیخ کرے اس پر حجت نہ کرے حتی الامکان تاویل سے کام لے اور جو پیر کہے اس کو حکم اور دلیل سمجھے۔''

4- مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریق کچھ یوں تھا کہ فرماتے ہیں :۔

''میں تربیت کے لئے آنے والوں کے لئے پابندی لگا دیتا ہوں کہ بولا نہ کریں اس لئے کہ ذوق کے بغیر بولنے سے مناظرہ کی صورت پیدا ہوتی ہے جو کہ اس طریق میں (راہ سلوک میں) سخت نقصان دہ ہے۔''

نیز آپ فرماتے ہیں کہ

''کثرت سوال کا مقصد کام نہ کرنا ہے کہ جس کو کام کرنا ہوتا ہے وہ تو ذرا سا حکم پا کر اس کی تعمیل میں لگ جاتا ہے بلکہ ڈرتا رہتا ہے کہ اگر سوال کروں گا تو کام میں دشواری نہ پیدا ہو جائے اور پھر مجھ سے کام نہ ہو سکے اور جسے کام نہیں کرنا ہوتا وہی تقریریں جھاڑتا ہے۔''

(کمالات اشرافیہ)

۵۔ شیخ ابراہیم وسوقی قرشیؒ (المتوفی 676) فرماتے ہیں

''مرید کے ذمہ واجب ہے کہ پہلے اتنا علم حاصل کرے جتنا اس کے ذمہ ادائے فرض و نفل کیلئے واجب ہے اور فصاحت و بلاغت میں مشغول نہ ہو۔کیونکہ یہ اس کو اپنی مراد سے غافل کرنے والے ہیں۔''

(روح تصوف)

۶۔ ''رسالہ آداب شیخ و مرید'' میں ''علامہ ابن عربی'' آداب شیخ کے ضمن میں اہم نکات کو ''شرائط'' کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔ایک جگہ شیخ سے مجادلہ کی کیفیت کو بیان فرماتے ہیں جس سے ہم بے جا سوالات کے ضمن میں ہدایت لے سکتے ہیں۔فرماتے ہیں :

''منجملہ شرائط شیخ ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں کلام کرے اور اس کے مقابلہ میں کوئی جھگڑا کرنے والا کھڑا ہو جائے تو (شیخ کو چاہیے کہ) اپنے کلام کو قطع کر دے۔ اس لئے کہ ان حضرات صوفیاء کا جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ کوئی کلام نہیں رہتا۔ کیونکہ ان کے علوم منازعت (جھگڑے) کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے کہ یہ علوم وراثت ہیں اور جب حضور علیہ السلام کے سامنے کسی بات میں جھگڑا (یعنی بحث) ہوتا تو آپ فرما دیتے کہ نبی کے سامنے منازعت مناسب نہیں اور یہ اس لئے کہ معارف الٰہیہ اور ارشادات لطیفہ ربانی احاطۂ عقول سے خارج ہیں یعنی عقل اپنی فکر و نظر سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتی'' نیز آپ بے جا سوالات واعتراضات کرنے والوں سے متعلق لکھتے ہیں کہ ''جو شخص معائنہ و مشاہدہ کر کے کوئی بات کہے یا خبر بیان کرے تو سامع کو چاہیئے کہ اس سے کوئی منازعت (جھگڑا، بحث) نہ کرے۔ بلکہ احکام طریقت کے موافق اس پر دو چیزوں میں سے ایک واجب ہے۔''

یعنی اگر اس صاحب کشف کا مرید ہے تو اس کی تصدیق واجب ہے اور اگر مرید نہیں تو تسلیم واجب ہے۔ (تسلیم سے مراد یہ ہے کہ اگر تصدیق نہیں کر سکتا تو اس میں کوئی جھگڑا نہ کرے بلکہ سکوت و تسلیم سے کام لے، مترجم)

(مرید کے لئے اس لئے تصدیق واجب ہے کہ) اگر مرید اپنے شیخ کے قول کے سچا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو کہاں فلاح پا سکتا ہے اور جب تم دیکھو کسی شیخ کو کہ وہ مرید کو آزاد چھوڑ دے اور مرید اس کے مقابلہ میں (یعنی مخاطبہ میں) ادلۂ شرعیہ (شرعی دلائل) یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اس کو رجز وتو بیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اس لئے کہ مرید کیلئے بجز ان اشیاء کے جن کا مشاہدہ و معائنہ (کشفاً) کرے اور کسی چیز میں کلام کرنا مناسب نہیں (اور ابھی اس کو یہ درجہ نصیب نہیں ہوا پس وہ کلام نہ کرے) بلکہ اس کے ذمہ سکوت واجب ہے اور (شیخ سے متعلقہ امور میں) رائے و فکر اس پر حرام ہے اور دلائل پر نظر کرنا اس پر ممنوع ہے۔

پس جو شیخ اپنے مرید کو اس حال میں چھوڑ دے تو وہ اس کا مرشد نہیں۔ اور شیخ کیلئے یہ اولیٰ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل استعمال کر رہا ہے۔ اور شیخ نے جو کچھ اس کو بتلایا ہے اس میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتا تو اس کو اپنی مجلس یا خانقاہ سے نکال دے۔ اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کرے گا اور خود بھی کوئی فلاح نہیں پائے گا۔ اس لئے کہ مریدین تو عرائس اللہ (عروس کی جمع) یعنی دلہنوں اور حوروں کی طرح اپنے خیموں میں مقصور ہیں۔ ہر منظر و مجلس سے اپنی نظر بچانے والے ہیں سوا اس منظر کے جس کی طرف ان کا شیخ انہیں لے کر جا رہا ہے پس شیخ کیلئے واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے دل سے اس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی ہے تو اس کو اپنی فراست کے ذریعے اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

احذر عدوک مرة واحد زصد یقک الف مرة.	اپنے دشمن سے ایک مرتبہ ڈر اور دوست سے ہزار بار
فلو بما انقلب الصدیق فکان اعرف بالمغرة.	اس لئے بعض اوقات دوست منقلب ہو کر دشمن بن جاتا ہے اور وہ نقصان کے زیادہ راستے جانتا ہے۔

اور ایسے شخص کیلئے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال (مشغول ہونا) واجب ہے۔ اور ایسے مرید کے درمیان اور اپنے تمام متعلقین، اولاد و اعزہ کے درمیان دروازۂ آمد و رفت و میل جول بند رکھے۔ کیونکہ مرید کیلئے اس شخص کی صحبت سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں جو اس طریق (طریق صوفیاء) کا قائل یا پابند نہیں رہا (جیسا کہ بدر کردہ مرید ہو گیا۔ مترجم) (رسالہ آداب شیخ و مرید)

(11) صحبت و متعلقات صحبت

نوٹ:۔ ''اعتقادات برائے مریدین'' کے ضمن میں صحبت رسول علیہ السلام اور صحبت شیخ پر سیر حاصل بحث موجود ہے، گذشتہ صفحات سے استفادہ کیا جائے''

☆ **صحبت شیخ**

1۔ صحبت کی ضرورت و حکمت۔

''صاحب عمدۃ السلوک'' کے مصنف فرماتے ہیں:۔

پیر کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کرلے (کیونکہ) صحابہ عرض کرتے تھے

اجلس بنا ساعۃ لنومن.	''ہم آپ ﷺ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھیں کہ ہمارے ایمان تازہ ہوجائیں''

☆ اور یہی حضور ﷺ نے شیخ کی نشانی بیان فرمائی ہے کہ ''جس کے پاس بیٹھ کر خدا کی یاد آجائے''

☆ مولانا رومؒ کا شعر ہے کہ

ایک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا	یعنی ''سو سال کی بے ریا عبادت سے اولیاء اللہ کی ایک گھڑی کی صحبت اچھی ہے''

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ

''صحبت شیخ کے بغیر اگر کوئی لاکھ تسبیحیں پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت خود ذکر میں یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ کافی ہوجایا کرے، صحبت شیخ کی قید کیوں؟''

فرمایا: ''کام تو ذکر اللہ ہی سے ہوگا لیکن اللہ کا قاعدہ یوں جاری ہے کہ صحبت کے بغیر خالی ذکر کافی نہیں ہے اس کیلئے محبت شیخ شرط ہے جس طرح کاٹنے کا کام جب ہوگا تلوار ہی سے ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کے قبضہ میں ہو۔ ورنہ اکیلی تلوار کچھ بھی نہیں کرسکتی۔''

(کمالات اشرافیہ ص ۳۰۵)

نیز مولانا تھانویؒ ''الافادۃ الیومیہ'' میں فرماتے ہیں کہ ''تصوف کا حاصل، نفس کا تزکیہ ہے اور جس چیز سے تزکیہ (پاک) کیا جاتا ہے وہ دو ہیں، کبر اور شہوت اور اس کا علاج اہل اللہ کی صحبت ہے کیونکہ وہ اس راہ سے گزر چکے ہیں ان کو اس راہ کی تمام گھاٹیاں معلوم ہیں۔ وہ طالب کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے لے جا کر کھڑا کرتے ہیں طالب کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے۔ وہ جو تعلیم دے اس پر عمل کرے اور اس سے بالکل انحراف نہ کرے۔ آج کل جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ ساری بیماری خود رائی کی پیدا کردہ ہیں۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی	''کیف و عشق کی دنیا میں اپنی رائے اور اپنی فکر کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے، خود بینی و خود رائی اس راہ میں کفر ہے''

(الافادۃ الیومیہ ص ۳۱۲، جلد ۴)

مزید ایک جگہ فرماتے ہیں

''میں سچ عرض کرتا ہوں کہ جو اہل اللہ کے پاس نہیں رہے ان کے قلوب حقیقت کے ادراک سے بالکل مردہ (محروم) ہیں۔''

(الافادۃ الیومیہ ص ۲۹۹، جلد ۴)

(2) صحبت شیخ پہ اصرار:۔

روزمرہ کی حاضری و صحبت سے متعلق حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا یہ اصرار موجود ہے، فرماتے ہیں:۔

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن

نماز صحبت ما را نخواہد بود

''صاحب عمدۃ السلوک'' اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ:۔

''دراصل نماز کی قضا تو ہوسکتی ہے لیکن صحبت کی قضا نہیں ہوسکتی۔''

جبکہ'' صاحب معیار السلوک'' کہتے ہیں کہ

''ذکر حق چاہے قضا ہو جائے لیکن ہماری نماز صحبت قضا نہیں ہوتی۔''

نوٹ: آپ نماز حقیقت کی مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ:۔

''نماز حقیقت سے مراد ذکر حق ہے۔ نماز تہجد سے فجر تک اور ہو سکے تو اشراق تک مراقبہ و ذکر میں رہنا چاہئے اور بعد مغرب سے عشاء تک، کیونکہ یہ دونوں وقت خاص نزول فیضان والتفات ارواح طیبات پیران عظام کے ہیں'' یعنی ایک تو یہ افضل اوقات ہیں دوسرے ان اوقات میں مشائخ عظام کی خصوصی توجہ رہتی ہے۔''

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں

''شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسا ایک تو مریض طبیب کے پاس رہ کر علاج کرائے اور دوسرے یہ کہ دور سے خط و کتابت کے ذریعہ علاج ہو۔ ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

پھر فرمایا:۔

''صحبت میں طالب ذوقیہ طور پر اپنے اندر شیخ کے اخلاق کو لے لیتا ہے۔ صحبت کے بغیر محض خط و کتابت پر اکتفا کافی نہیں' خاص ثمرات کیلئے صحبت شیخ ضروری ہے۔''

3۔ مدت صحبت۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

''مرید کا شیخ کی خدمت میں ایک مدت خاص تک رہنا ضروری ہے' اس سے مقصود میں خاص سہولت ہو جاتی ہے۔ رہا یہ کہ کتنی مدت میں کام ہو جاتا ہے تو اس کا تعین مشکل ہے۔ اس کا مدار مناسبت پر ہے۔ اگر فرد صاحب استعداد ہوتا ہے تو بہت جلد کام ہو جاتا ہے۔''

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا اس وقت یہ فرمانا کہ'' ہم دے چکے، جو کچھ دینا تھا'' سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا، مگر پندرہ برس بعد معلوم ہوا کہ کیا دیا۔ اس پر خود ہی مزاحاً فرمایا کہ'' اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے۔

اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ'' ایسا مل جانے پہ فرماتے ہیں ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہونے میں لگ گئے''

4۔ اولیاء کی صحبت میں رہنے کا طریقہ

نیز مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

''یہ طریق بہت نازک ہے اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان، اپنے کمالات سب کو فنا کر دینا چاہئے اور مصلح کی ہر بات اور ہر تعلیم پر عمل کرنے کیلئے خود کو آمادہ کر لیا جائے۔ اس راہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ فرد بن جائے حتی کہ جوتیاں کھانے پہ آمادہ ہو جائے۔ اور جو شخص جوتیاں

کھانے پہ تیار ہو گیا اس نے گویا جوتیاں کھالیں اور اس کی اصلاح ہو گئی کہ آمادہ ہونا ہی تو مشکل ہے اور پھر آمادگی وہی معتبر ہے جو خلوص دل سے ہو اور ایسا وہی کر سکتا ہے جو اپنی شان نہ رکھتا ہو۔ کام کی چیز یہی ہے کہ اپنے آپ کو مٹا دیا جائے' فنا کر دیا جائے (ورنہ) جوتیاں کھانے سے بھی کیا ہوتا ہے۔''

آپ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ

''کسی کے پاس محض رہنے (صحبت سے) کیا ہوتا ہے جب تک کہ انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہ ہو۔''

(کمالاتِ اشرفیہ)

☆ حضرت مشاد دینوریؒ (المتوفی ۲۹۷ھ) کی ملفوظات میں ہے کہ:۔

''اولیاء کی صحبت میں رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس طرح گیا کہ اپنے قلب کو تمام نسبتوں اور علوم و معارف سے خالی کر کے گیا اور اس بات کا منتظر رہا کہ ان کی زیارت و کلام سے مجھ پر کیا برکات وارد ہوتی ہیں اور یہ اس لئے کہ جو شخص کسی بزرگ کے پاس اپنا ذخیرہ لے کر جاتا ہے تو اس ذخیرہ کی وجہ سے اس بزرگ کی زیارت و صحبت اور ادب و کلام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔''

(روحِ تصوف)

5۔ صحبت کے آداب۔

(۱) ہمہ وقت صحبت کے آداب۔

اگر کوئی شخص ہمہ وقت صحبت شیخ میں رہنا چاہے تو یہ اس کے حق میں موافق نہیں ہے کیونکہ:۔

''بعض باتیں پیر سے بوجہ بشریت ایسی صادر ہو سکتی ہیں کہ مرید کو اچھی معلوم نہ ہوں اور بہت سی باتیں مرید کی ایسی ہوتی ہیں کہ جس کے سرزد ہونے سے پیر کی منشاء کے خلاف عمل ہو جائے اور یہ دونوں باتیں صحبت فی اللہ میں فرق ڈالنے والی ہیں اور کمی محبت یا دل میں اعتقاد کے فرق سے طالب خود نورِ باطن سے محروم رہ جاتا ہے۔''

(معیار السلوک)

''پیر کے پاس سونا نہیں چاہیے کہ بعض وقت خراٹوں یا کھانسی کی آواز سے دوسرے آدمی کی نیند اچٹ جاتی ہے اور بعض وقت بوجہ بشریت اخراج ریاح شرمندگی کا باعث ہو سکتا ہے۔''

(معیار السلوک)

''نیز آرام کے وقت علیحدہ ہو جائے یعنی باتوں وغیرہ میں مصروف نہ رکھے۔''

(معیار السلوک)

(۲) ''بعض اوقات خواب میں شیطان پیر کی شکل میں آ کر ایسی برائیاں کرتا ہے کہ جس سے محبت میں فرق آ جائے۔ ایسی حالت میں (مرید) لاحول اور استغفار پڑھے''

(معیار السلوک)

(۳) ''پیر سے روپیہ قرض نہ لے اور نہ ہی پیر مرید سے قرض لے اگر بحالت مجبوری قرض لیا یا دیا جائے تو معاملہ کو صاف رکھا جائے

ورنہ خلوص ومحبت میں فرق آ سکتا ہے۔''

(معیار السلوک)

مرید کے لئے ضروری ہے کہ جو بھی نعمت ظاہری و باطنی اس کو کسی جگہ سے حاصل ہو اس کو اپنے پیر کے طفیل جانے اور اسی کا شکر گزار ہو چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

(۴) ''دولت ونعمت اگر چہ بظاہر کسی جگہ سے حاصل ہو مگر اس کو اپنے پیر کے ہی طفیل جانے (کیونکہ) وہ بہر کیف جامع جو تربیت بھی ظہور میں آتی ہے وہ درحقیقت اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔''

(مقامات تصوف)

(۵) ''اگر شیخ اس سے غصہ ہو اور ترش روئی کرے، منہ پھیرے تو مرید اس سے منقطع نہ ہو جائے اور چھوڑ نہ دے بلکہ اپنی خطا اور جس سبب سے شیخ غصے ہو اس کو معلوم کرے اور دور کرے پھر توبہ و استغفار کرے اور شیخ کے پاس آ کر عاجزی و خوشامد کرے اور آئندہ کیلئے فرمانبرداری کا وعدہ کرے۔''

(مقامات تصوف)

(۶) ''جو فیض اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر کے ذریعے سے سمجھے اور چاہے بظاہر فیض کسی اور بزرگ سے پہنچا ہو پھر بھی اس کو اپنے ہی پیر سے جانے اور یہ جان لے کہ وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس کی استعداد کے موافق پیر کے خاص فیض سے جاری ہوا۔''

(عمدۃ السلوک)

(۷) ''پیر کی اگر مالی خدمت کرے تو اس کا اظہار نہ کرے نہ ہی اس بات کی طمع یا مطالبہ کرے کہ پیر مجھ کو کچھ دے اور اپنا احسان شیخ پر نہ جتائے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے میری چیز قبول کر لی اور اسے رد نہیں کیا۔''

(عمدۃ السلوک)

(۸) ''اگر پیر کی جگہ کا فاصلہ زیادہ ہو اور آنا جانا بہت ہی کم ہو سکتا ہو تو خط و کتابت کو ضروری سمجھے یہ شیخ کی صحبت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور جہاں ہو وہاں بھی نیک لوگوں کے پاس بیٹھے ورنہ اکیلے رہنا یا سو جانا بہتر ہے'' جیسے عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔

''اکیلے رہنا بہتر ہے انسان کا برے ساتھی کی صحبت کی نسبتاً اور اگر ساتھی اچھا ملے تو یہ اکیلے رہنے سے بہتر ہے''

(عمدۃ السلوک)

(۹) ''شیخ کی عدم موجودگی میں شیخ کے مقرر کردہ خلیفہ کا احترام اسی طرح کرے جس طرح شیخ کا احترام ہے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ بالخصوص اصحاب مناصب کی عزت واحترام ضروری ہے مگر یہ ادب حدود شرعی کے اندر ہو۔'' (دلائل السلوک)

(۱۰) ''جو چیز اپنی ذات کیلئے محبوب ہے اسے اپنے شیخ کیلئے بھی محبوب جانے۔''

(دلائل السلوک)

(۱۱) ''شیخ کے آنے پہ اظہار ادب کیلئے کھڑے ہو جانا ایک مروت صورت ہے جیسے ''فتح الباری'' میں ہے کہ

''یہ بات جان لو کہ شیخ یا استاد کیلئے کھڑا ہونے کی اجازت ہے یا یہ مستحب طریقہ ہے بشرطیکہ وہ قابل احترام ہستی اس کی طرف آ رہی ہو

اور اگر بزرگ اپنے کسی کام سے جا رہا ہو تو پھر نہ اٹھے۔'' (دلائل السلوک)

(۱۲) ''استاد یا شیخ کے ہاتھوں کو چومنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ واقعی اس احترام کے لائق ہو۔ اظہار ادب کی یہ صورت مستحسن یا مستحب سمجھے۔ اپنی طرف سے اضافہ کر کے نئی نئی صورتیں اختیار نہ کرتا جائے اس کی اجازت نہیں ہے مثلاً شیخ کے سامنے انحناء یا سجدہ کرنا قطعاً حرام ہے۔''
(دلائل السلوک)

(۱۳) ''شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہو تو اس کے چہرے کی طرف آنکھیں پھاڑ کر نہ دیکھے بلکہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے۔ ذکر قلبی کرتا رہے یا اپنے منازل کی نگہداشت کرے۔ نیز اس کی محفل میں بات سننے کی نیت سے جائے سنانے کی نہیں۔ جس سے فیض لینا مقصود ہو اس کے پاس مدعی بن کر جائے اپنے کمالات کا اظہار نہ کرے۔'' (دلائل السلوک)

(۱۴) ''شیخ کے کلام میں جدال نہ کرے یعنی بحث نہ کرے۔ اہل طریقت کے نزدیک شیخ سے جدال کرنے والا مرید ہوائے نفس میں غرق ہے۔ نیز جس فصل مباح سے شیخ نے منع کیا ہو اس میں علماء کے اقوال سے حجت لانا مرید کی بدبختی کی علامت ہے۔ ایسا مرید فلاح نہیں پا سکتا۔''
(مقامات تصوف)

(۱۵) سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیائؒ فرماتے ہیں کہ

''جب کوئی شخص پیر سے وابستہ ہوتا ہے اور مرید بنتا ہے تو اس کو تحکیم کہتے ہیں یعنی وہ اپنے پیر کو اپنے اوپر حاکم بنا لیتا ہے۔ پس پیر جس بات کو بھی کہے اور مرید نہ سنے تو یہ تحکیم نہ ہوگی۔''

مزید فرمایا کہ:۔

''اگر پیر کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو غیر شرعی ہو تب مرید کیلئے گنجائش ہے کہ وہ یہ کام نہ کرے، لیکن پیر ہونا ہی ایسا چاہیے جو احکام شریعت و طریقت اور حقیقت کا عالم ہو۔ اور جب پیر ایسا ہوتا ہے تو وہ خود ہی کوئی غیر شرعی حکم نہیں دیتا۔ اور اگر مختلف فیہ حکم دیتا ہے یعنی بعض کے نزدیک جائز ہو اور بعض کے نزدیک ناجائز تو (ایسی صورت میں) مرید کو چاہیے کہ وہ کام کرے جس کیلئے پیر ہے کیونکہ پیر نے کسی کے قول (یا ترجیح) کی بنیاد پر ہی وہ حکم دیا ہوگا اگرچہ بعض کو اس میں اختلاف ہو لیکن مرید کو تو پیر کے اشارے کے مطابق ہی کام کرنا چاہیے۔''

(فوائد الفواد)

آداب شیخ حصہ دوئم

''آداب اکتساب فیض''

آداب شیخ کا پہلا حصہ ''آداب رسول ﷺ اور آداب شیخ'' تھا۔ یہ دوسرا حصہ ان آداب پر مشتمل ہے جو سالک کو اپنے مرشد سے فیض حاصل کرنے کیلئے اپنانے نہایت ضروری ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ان آداب کا خیال نہ رکھے گا تو اپنے مرشد سے کبھی فیض حاصل نہ کر سکے گا۔

سلسلہ وشیخ سلسلہ سے کما حقہ استفادہ کیلئے دیکھتے ہیں کہ کون کون سے آداب ضروری ہیں تا کہ حصول فیوض و برکات میں روانی اور تیزی آئے۔

(1) صدق دل :۔

امام قشیریؒ کے مطابق یہ مرید کا ''پہلا قدم'' ہے

آپ مزید فرماتے ہیں کہ

''جو شخص راہ سلوک پر چلنے کا ارادہ کرے تو اس کیلئے سب سے پہلا قدم صدقِ دل ہے تا کہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو کیونکہ

مشائخ فرماتے ہیں کہ:۔

''جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیاد درست نہیں رکھی۔''

میں نے اپنے استاد ابو علی وقاقؒ کو اسی طرح فرماتے سنا۔

''لہٰذا اپنے اور اللہ کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہئے تو ہر قسم کے ظن و شبہ سے پاک اور گمراہی و بدعنوانی سے پاک ہو اور اعتقاد دلائل سے پیدا ہو۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

(2)۔ مرید کے لیے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے :۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''جب کوئی مرید اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرے تو اس کو پہلے اس قدر علم شریعت حاصل کرنا چاہئے جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کر سکے۔ اختلافی مسائل میں احتیاط اختیار کرنا چاہئے بلکہ شریعت میں اختلاف رخصت سے باہر ہے۔''

(3) مرید کیلئے شیخ کا پکڑنا لازمی امر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ

''جس کا کوئی استاد نہیں اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔''

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''میں نے استاد ابو علی وقاق کو فرماتے سنا کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے اگایا ہو خود بخود اگ آئے تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے مگر یہ درخت پھل نہیں دے گا یہی حال مرید کا ہے جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ

کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا اور اسے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔''

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو اور وہ پوری استقامت سے اس پہ جما رہے۔تصوف کی اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں۔''
دلائل السلوک)

نوٹ: حضرت شیخ المکرّم توحید مطلب کے ضمن میں ایک نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ

''کسی بھی اچھے آدمی کی عزت کرنا مانع فیض نہیں بلکہ مانع فیض یہ بات ہے کہ آپ کا شیخ کوئی اور ہو اور آپ کا دل کہیں بھٹک رہا ہو تو نہ ادھر سے ملے گا نہ ادھر سے۔''

(کنز الطالبین)

''جامع کرامات اولیاءاللہ'' میں ہے کہ

''مرید کیلئے ضروری ہے کہ وہ راسخ القدم ہو اسے کوئی چیز اس راہ سے نہ ہٹا سکے اور اپنے شیخ سے متعلق اس کی عقیدت میں تبدیلی نہ آئے حتی کہ حضرت خضر بھی سامنے آ جائیں تو وہ ان کی طرف توجہ نہ کرے۔''

تنبیہ۔''دلائل السلوک''میں ہے کہ:۔

''یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ایک طرف شیخ کامل ہو اور دوسری طرف طلب صادق۔''

یعنی مرید پہلے اپنی طلب کو صادق کرے اور پھر شیخ کامل کی تلاش کرے ورنہ شخصیت پرستی ہرگز مقصود نہیں۔

(4) مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں۔

''یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے تو ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔اس کے بعد تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، چھوٹی ہوں یا بڑی چھوڑ دینا چاہئے۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

☆ ''ہر خطا مانع فیض ہے''

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''ہر خطا مانع فیض ہے۔اس کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ ہر خطا فیض میں نقصان تو کرتی ہے لیکن مانع فیض ہونا اور برکات میں نقصان ہونا دو الگ الگ باتیں ہیں۔مانع فیض سے مراد یہ ہے کہ ایسی چیز جو شیخ سے آنے والی برکات کو روک دے اور برکات میں نقصان یعنی جو پہلے سے برکات پاس ہیں وہ ضائع ہو جائیں''۔

''ہر خطا کے باوجود فیض آتا رہتا ہے جو نقصان ہوتا ہے وہ توبہ کر لینے سے یا شیخ سے ایک ملاقات سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر شیخ سے تعلق وعقیدت میں دراڑ پڑ جائے تو یہ مانع فیض ہے پھر آنے والا فیض مجروح ہوتا ہے اور جتنی بڑی دراڑ ہوگی اتنی بڑی دیوار بن جائے گی۔''
(کنز الطالبین)

(5) خصوم کو راضی کرنا اور دنیاوی تعلقات قائم کرنا۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''خصوم کو جن سے جھگڑا ہوا ہو پہلے راضی کر لے کہ یہی صوفیاء کا طریقہ رہا ہے اور اس کے بعد دنیاوی تعلقات کو نیز شواغل کو کم کرتے جانا چاہئے اس لئے کہ طریقت کی دنیا اس بات پہ ہے کہ دل دنیا سے خالی ہو۔ پس آہستہ آہستہ مال سے محبت اور عزت و جاہ کو چھوڑتا جائے۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

(6) اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں:۔

''مرید کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اسرار کو محفوظ رکھے یہاں تک کہ اپنے قریب والوں سے بھی۔ البتہ شیخ سے اپنے اسرار کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہئے۔ اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک بھی سانس چھپایا تو اس نے حق شیخ میں خیانت کی اگر بالفرض شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات سرزد ہو گئی تو اسے فوراً شیخ کے سامنے تسلیم کر لینا چاہئے۔ پھر شیخ کسی سزا کا حکم دے مثلاً سفر کرنے کا یا کوئی اور، اور یا پھر (چاہے تو) شیخ درگزر کرے۔''

(رسالہ قشیریہ)

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''شیخ سے کبھی غلط بیانی نہ کرے اور بات ہمیشہ صاف صاف کرے۔''

مزید آپ یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:۔

''سچ بات بہت عمدہ اور اچھی چیز ہے اور طالب کو چاہئے جھوٹ نہ بولے شیخ کے سامنے اور شیخ سے متعلق جھوٹ بولنے سے بچتے رہو۔''

(دلائل السلوک)

نوٹ:۔ یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ جتنا شیخ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ممانعت ہے ویسے ہی اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ شیخ کے متعلق جھوٹ نہ بولے اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ سے ایسی بات، حکم یا وظیفہ منسوب نہ کرے جس کا اس نے حکم نہ دیا ہو۔

کیونکہ اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''شیخ کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرے حتیٰ کہ شیخ کے کلام، راز اور اسرار کے معاملے میں بھی امانت کا ثبوت دے کیونکہ جو شخص معمولی چیزوں میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے وہ اسرار الٰہی و مناصب باطنی کے معاملے میں کب امین بنایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بے احتیاطی سے مناصب بھی سلب ہو جاتے ہیں۔''

(دلائل السلوک)

(7) راضی بر رضائے الٰہی رہنا:۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں۔

''راہ طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے تصرفات پیش آئیں مرید ان پہ راضی رہے۔ نیز شیخ اس بات کا اس سے عہد لے کہ خواہ اسے اس راہ میں تنگی، ذلت، فقر، بیماری یا دکھ لاحق ہو تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

''شیخ سے اس بات کا مطالبہ یا تقاضا نہ کرے کہ مجھے اگلے منازل سلوک میں ترقی دی جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا''

انی اصطفیتک علی الناس برسلتی و بکلامی فخذ ما اتیتک وکن من الشکرین o	اے موسیٰ میں نے تجھے اپنی رسالت وکلام کیلئے چن لیا ہے اس لئے جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے لے لے اور شکر گزار ہو جا''

''اس لئے طالب صادق کو چاہیے کہ وہ جو منازل سلوک طے ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے اللہ اپنے وعدے کے مطابق اور عطا کرے گا۔''

(دلائل السلوک)

(9) مشاهدات سے اُنس مرید کیلئے ضرر رساں هے

امام قشیریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ:۔

''یادرکھیں مرید کیلئے سب سے زیادہ ضرر رساں یہ امر ہے کہ ان امور پہ جو اللہ کی طرف سے اس کے دل میں ڈالے جاتے ہیں اُنس محسوس کرے۔''

(رسالہ قشیریہؒ)

اس لئے کہ کشف، وجدان یا مقامات سلوک کا حاصل ہو جانا یہ سب اللہ تک پہنچنے کے ذرائع ہیں، مقصود نہیں بلکہ مقصود اصلی صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہم اللہ کی عبادت اس کا حکم اور حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں نتیجتاً وہ خوش ہو کر ہمیں جنت کی بشارت دیتا اور دوزخ سے خلاصی کا وعدہ کرتا ہے۔ تو گویا عبادت کا مقصد جنت کا حصول یا دوزخ سے بچنا تو نہ ہوا بلکہ اللہ کی رضا کا حصول ہے۔

(10) اکلِ حلال

مرید کیلئے اکل حلال بھی شرط ہے۔ اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ

''حصول فیض کیلئے اکل حلال بھی ایک شرط ہے اور جو طیب بھی ہو کہ حلال کیلئے طیب بھی شرط ہے۔ اور اگر غذا میں فرق آ جائے تو عبادت میں فوراً بے ذوقی آ جاتی ہے پھر سالک کا ذکر میں جی نہیں لگتا توجہ نہیں کر پاتا اور طبیعت ہی (اس طرف) مائل نہیں ہوتی۔''

(کنز الطالبین)

وجہ: آگے آپ اس کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ

''اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ جیسے انسان بیمار ہو تو کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا اسی طرح حرام لقمے سے روح بیمار پڑ جاتی ہے اور غذا چھوڑ بیٹھتی ہے۔ کیونکہ یہ ذکر اخذ فیض و انوارت ہی اس کی اصل غذا ہیں۔''

(کنز الطالبین)

زہد و توکل سے متعلق *حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''مال (رزق حلال) جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مال سے دل نہ لگایا جائے اور ضرورت سے زیادہ دولت کے درپے نہ ہو، پس یہ زہد ہے اور اگر اللہ تعالیٰ طلب وانہماک کے بغیر ضرورت سے زیادہ سامان عطا فرما دیں تو یہ بھی زہد کیخلاف

نہیں اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ سمجھا جائے، نہ ان پر اعتماد کیا جائے بلکہ حق تعالیٰ پہ نظر رکھی جائے اور ہر چیز کو ان کی عطا سمجھا جائے اس کیلئے اسباب کو چھوڑنا یا ملازمت کو چھوڑنا ضروری نہیں۔''

(کمالات اشرفیہ)

نیز آپ حرام مال سے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

''جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اسے اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے بلکہ جانوروں کو کھلانا بھی حرام ہے، جانوروں کو خود نہ کھلاؤ بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آ کر کھالیں۔ یاد رکھو! اپنی اولاد کو حرام مال کھلانا ان کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔''

(کمالات اشرفیہ)

(11) صحبت بد سے مکمل پرہیز:۔

شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''اکل حلال کے بعد دوسرا اثر جو وجود انسانی پر مرتب ہوتا ہے وہ صحبت کا ہے ایک انسان رات بھر اللہ اللہ کرتا رہے اور چند لمحے نااہلوں کی صحبت میں گزارے تو یہ جان لے کہ یہاں تعمیر کی نسبت تخریب آسان ہے، رات بھر کی تعمیر کو ضائع کرنیکی ایک بات ہی کافی ہے، مثلاً جیسے آپ ایک ایک پیالہ کر کے مٹکا بھرتے ہیں، اور اس پر مہینہ خرچ ہوجاتا ہے لیکن اگر چند قطرے پیشاب کے پڑ جائیں تو پانی کی زیادتی بھی پائیداری ثابت نہ کر سکے گی، یا آپ قطرہ قطرہ تیل جمع کر کے ایک مہینے میں ہی تیار کریں، جلائیں اور روشنی ہوجائے لیکن پھر آپ اسے ایک پھونک سے بجھا دیں تو وہ نور کیا پائیداری دکھا سکتا ہے تو یہاں کمانا مشکل اور کھونا آسان ہے۔''

(کنز الطالبین)

مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک بہت خوبصورت نکتے پہ روشنی ڈالتے ہیں:۔

''ایک صاحب نے کہا کہ نیکوں کو تو حکم ہے کہ خراب لوگوں کی صحبت سے بچو اور بروں کو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو تو اس صورت میں نیک لوگ بروں کو اپنی صحبت میں کیسے آنے دیں گے اس لئے کہ ان کو حکماً ایسا کرنے سے روکا گیا ہے؟''

فرمایا: ''اللہ کی یہ سنت ہے کہ تابع کا اثر متبوع پر نہیں ہوتا اس لئے نیک لوگوں کو جو حکم ہے کہ خراب لوگوں کی صحبت سے بچیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے تابع بن کر ان کی صحبت اختیار نہ کریں لیکن اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو چونکہ وہ تابع ہو کر آئیں گے، اس لئے ان کو اپنے پاس آنے دیں، اس طرح برے لوگوں کو حکم ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے تابع بن جاؤ۔''

(الافادۃ الیومیۃ)

(12) صحبت صالح اختیار کرنا:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''تصوف میں بیعت ضروری نہیں ہے اصل چیز ذاتی اصلاح کا شوق اور اس کے لئے اضطراب وطلب ہے، پھر بزرگ سے عقیدت ومحبت ہونا ضروری ہے اس کے بعد محبت ہے اور محبت کے ساتھ تعلیم وتربیت ہے، (یاد رہے) فرد صحبت کے ذریعہ سے جو چیزیں اخذ کرتا ہے کسی اور طریق سے اخذ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔''

(کمالات اشرفیہ)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر تم شیطان بھی ہو تو اگر تمہیں اہل اللہ کی صحبت حاصل ہے تو پھر تمہیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اہل اللہ کی صحبت تمہیں فرشتوں سے بھی اوپر پہنچا دے گی لیکن اگر تم اپنی جدوجہد سے فرشتوں سے بھی بلند مقام پر فائز ہو گئے ہو اور تمہیں اہل اللہ کی صحبت حاصل نہیں تو تمہارے لئے شیطان بننے کے خطرات پوری طرح موجود ہیں۔''

مولانا اشرف علی تھانویؒ صحبت اہل اللہ سے متعلق مزید فرماتے ہیں کہ

''اصلاح کے لئے اصلی چیز صحبت ہے چاہے علم ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی صحبت کے بغیر بے کار ہے، صاحب صحبت شخص جو چاہے صاحب علم نہ ہو پھر بھی اس کی اصلاح اس فرد سے زیادہ ہوتی ہے جو عالم ہے لیکن صحبت یافتہ نہیں اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں (انگریزی پڑھنے والے بچوں) کو صلحا و علماء کے پاس بھیجا کرو اور بڑے بھی اگر اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو، اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پائنچوں پہ اعتراض کریں گے نہ ہمیں ان کی داڑھی سے بحث ہوگی نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھائیں گے، وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے محبت پیدا ہوگی اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی۔ یہ مناسبت ہی بنیاد ہے اور علم و عمل اس کی شاخیں ہیں۔ صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے صرف صحبت یافتہ تھے انہوں نے جو کچھ پایا وہ صحبت سے پایا تھا اور ہمیشہ اہل اللہ نے اپنے لئے صحبت کا انتظام رکھا ہے انہوں نے علم کے لئے اتنی توجہ صرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔''

(کمالات اشرفیہ)

(13) طلب اور اخذ فیض:۔

اخذ فیض کے لیے طلب ایک بنیادی شرط ہے۔ کیوں اور کس طرح؟ تو اس ضمن میں حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ:۔

''یہ ایک اصول ہے کہ اخذ فیض کے لئے طالب کا متوجہ ہونا بھی ضروری ہے حصول فیض کے لئے اپنے اعمال میں اپنے وجود اور خیالات میں ایک خاص استعداد پیدا کرے تب شیخ کا قلب بھی متوجہ ہوگا، آپ دیکھتے ہیں بچہ جب بھوک سے روتا ہے تو دوسری طرف خود بخود ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے یہی حال شیخ کا ہوتا ہے، جب طالب کی طلب قوت اور جذب کی استعداد بڑھتی ہے تو شیخ کی توجہ خود بخود مرکوز ہو جاتی ہے۔ اگر وہ بے ذوق ہو کر بیٹھا رہے تو ساری عمر بیٹھا رہے۔ شیخ کا قلب اس کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔''

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہیں ہونی چاہئے بلکہ یہ نیت ہونی چاہئے کہ ہمیں راستہ نظر آئے اور رہبر بننے کی نیت طریقت میں شرک ہے۔ بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے، اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے اسے چاہئے کہ اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرے۔''

☆ طلب اور ذهن پیدا کرنے کا طریقہ

مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''طلب اور دھن پیدا کرنے کیلئے کثرت سے مراقبات کئے جائیں (غور کیا جائے) دنیا کے فنا و اضمحلال کا' ثواب و عقاب کا' حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا، اپنی موت و بلا کا، آخرت کی بقا اور ثبات کا نیز اہل اللہ کی صحبت اور محبت اختیار کی جائے اور ذکر کیا جائے۔''

(مقامات تصوف)

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی، شارح صحیح بخاری نہایت شدت سے طالب کیلئے ہدایات جاری فرماتے ہیں، فرماتے ہیں۔

حیث قال فلیتخذ ثقة و حجة و لا یلتفت الی یتعصب و الیتعر اوریع المشائخ و اعرفهم یقوانین الشریعة و الحقیقة ویشرک رسومه ولیدخل تحت اشاربة و من ظفر شیخ هذا الوصف فحرام ان یترکه ویدل لک علیه الادلة الاربع بل یشهدله الکتب السماویة	''یعنی طالب خدا کو چاہئے کہ شیخ کامل کو اپنا رہبر بنائے اور اہل تعصب کی باتوں کو ہرگز نہ سنے اور یہ خیال رکھے کہ اس کا شیخ عارف کامل ہو اور احکام شریعت وطریقت سے پورا واقف ہو اور چاہئے کہ رسم و عادت کے اسلام کو چھوڑ کر اپنے شیخ کے حکم پر چلے اور جب کسی شخص کو ایسا رہبر کامل مل جائے تو اس پر اس کا چھوڑنا حرام ہے اور ہمارے اس دعوی پہ کتاب وسنت و اجماع امت اور قیاس صحیح چاروں ادلتہ شاہد ہیں بلکہ آسمانی کتابیں بھی ہمارے اس دعوے کی صداقت پر گواہ ہیں''

(14) استعداد اور اخذ فیض

طلب کے بعد حصول فیض کیلئے استعداد کا پیدا ہونا ہے۔ اپنے اندر استعداد کس طرح پیدا کی جائے یا اس میں اضافہ کی کیا صورت ہے۔ تو اس ضمن میں حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:۔

''ذکر میں پوری قوت' پوری توجہ اور پوری تیزی صرف کرے۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو توجہ میں یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے، قوت اور تیزی ذہن کو پراگندگی سے بچالیتے ہیں اور دل میں لفظ اللہ کا جانا ایک پیہم عمل بن جاتا ہے۔ دوسرے خون میں ایک خاص حدت پیدا ہو جاتی ہے وہ ان انوارات کو جذب کرنے کی استعداد رکھتا ہے جو عالم بالا سے نازل ہو رہے ہوتے ہیں۔ خون میں ایک خاص درجہ حرارت کا پایا جانا اس طرح ضروری ہے کہ اگر وہ نہ ہو انوارات آتے اور چلے جاتے ہیں' وجود میں جذب نہیں ہوتے' وہ اپنا ٹھکانہ نہیں بناتے۔ یہ جب تک وجود میں ٹھکانہ نہیں کریں گے منازل سلوک کی بنیاد نہیں بنتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو وقت ہم ذکر میں صرف کریں اس میں پوری محنت اور کوشش لگا دیں۔''

(کنز الطالبین)

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں کہ:۔

''استعداد دو طرح کی ہوتی ہے ایک قدرتی اور دوسری کوشش سے پیدا کی گئی۔ بعض لوگوں میں طبعاً یکسوئی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں کم لیکن اول الذکر بھی جب تک مجاہدہ نہیں کریں گے فائدہ نہیں ہوگا۔ ہاں مجاہدہ کرنے کی صورت میں فائدہ زیادہ حاصل ہوگا۔''

(15) عقیدت ، طلب، ادب اور اطاعت

حضرت شیخ المکرّم فرماتے ہیں:۔

''راہ سلوک کی چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کیلئے سب سے پہلی شرط عقیدت ہے۔''

ا۔ عقیدت کی تعریف۔ فرمایا:

''عقیدت آدمی کے اندر پیدا ہونے والے ایک ایسے جذبے کا نام ہے جو واقعتاً کسی ہستی میں اپنے مطلوب ومقصود کو جان کر (پاکر) پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت ایسی عجیب شے ہے جو بنانے سے نہیں بنتی۔''

مزید فرمایا:

''یہ طبیعت کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر طبائع میں تضاد ہو تو پھر عقیدت پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب عقیدت نہیں ہوگی تو استفادہ

ممکن نہیں ہے۔''

(طریق نسبت اویسیہ)

''شیخ کامل سے اخذ فیض اور کامل تربیت حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ طالب کے دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو اور وہ پوری استقامت سے اس پہ جما رہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کو توحید مطلب کہتے ہیں۔''

(۲) طلب۔ حضرت شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ:۔

''عقیدت کے بعد اس منزل کی اگلی شرط یہ ہے کہ اپنی سارے کی ساری طلب اللہ پر، اس کی رضا پر، حضور نبی کریم ﷺ کے قرب کی تلاش پہ مرتکز کرے۔ ہر اس خواہش سے دستبردار ہو جائے جو اس راہ میں رکاوٹ بنے۔''

نقالوں و دھوکہ بازوں سے بچنے کا طریقہ:۔

فرمایا:۔

''سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اپنی طلب کو راست اور بہت بلند رکھے لقائے ربانی، حضورالٰہی اور قرب نبی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی طلب رکھے۔ یہی طلب اسے وہاں (اس شخص سے) عقیدت پیدا کرنے میں معاون ہو گی جہاں جس کے سینے میں پہلے سے یہ دولت موجود ہے۔ اور اگر یہ طلب صحیح نہیں ہو گی تو وہ کسی صحیح و مخلص انسان کے پاس پہنچ ہی نہیں سکتا۔''

فرمایا:۔

''یہ جنس گراں مایہ ہے۔ اللہ نے اس کی قیمت بھی بہت بڑی رکھی ہے اور اللہ نے اس کی قیمت طلب صادق رکھی ہے''

(طریق نسبت اویسیہ)

(۳) اطاعت۔ شیخ المکرم فرماتے ہیں:۔

''راہ سلوک کی بنیاد یہ ہے کہ طلب کو درست رکھے اور پھر عمر بھر اس کی نگرانی کرتا رہے تو پھر یہ کھری طلب اس کو وہاں لے جائے گی جہاں سے یہ دولت بٹتی ہے۔'' جب یہاں تک پہنچا دے تو پھر قاعدہ یہ ہے کہ:۔

چنیں مردے کہ یابی خاک اوشو اسیر حلقہ فتراک اوشو

کہ پھر اس دروازے پہ اپنے آپ کو بیچ دے

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنتہ.	بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان و مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں

جنت کیا ہے؟ اللہ کی رضا کا مظہر، رب کی رضا مندی کی ایک سند ہے۔ پس اللہ نے اپنی رضا کے بدلے مومن سے ہر وہ چیز خرید لی جس پر اس کو تصرف بخشا تھا۔ خریدنے کے بعد بھی چھینتا نہیں ہے کہتا ہے ساری چیزوں کو استعمال کر جان کو، مال کو، بدن کو بھی لیکن چونکہ ملکیت بدل گئی تو نے بیچ دیا ہے (پس) اب یہ میری امانت تیرے پاس ہے۔ اب میں جیسے کہوں ویسے استعمال کر۔ تو! تو بیچ چکا''

فرمایا: ''نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

تو نبی کی کامل بے چوں وچرا اطاعت ضروری ہے۔آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی، حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں لیکن قرآن خود ان کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے۔

والذین اتبعو اھم باحسان .

جس نے ان کی (صحابہ) اطاعت کی اللہ ان پر راضی ہو گیا۔

یہ اس لئے کہ ان کی اطاعت عین نبی علیہ السلام کی اطاعت ہے کہ وہ برکات نبوی کے حامل ہیں۔ان کی اطاعت کرنے والا بدلے میں برکات نبوی پائے گا اور اطاعت نبوی ہی اطاعت باری ہے۔پس وہ تجلیات باری کو پانے والا ہوگا''

فرمایا:

''تو یہ جولوگ حاملین سلسلہ ہوتے ہیں ان کے پاس وہی برکات ہوتی ہیں جو بارہ گاہ نبوی سے صحابہ کوان سے تابعین اور تبع تابعین کو اور ان سے اللہ کے بندوں کو نسلاً بعد نسلاً سینہ بہ سینہ وراثتاً وارث کے طور پر منتقل ہوتی رہیں۔تو ان سینوں سے ان خزانوں کو حاصل کرنے کا واحد راستہ یہی ہے، عقیدت، اطاعت وادب۔'' (طریق نسبت اویسیہ)

(٤) ادب

شیخ المکرم فرماتے ہیں کہ

''جہاں عقیدت ہو وہاں بے ادبی نہیں کی جاسکتی۔ادب کسی بناوٹ کا نام نہیں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا ادب مقصود ہو دل کی گہرائیوں سے اس کی اطاعت کی جائے۔یہی حکم مومنین کو آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ پیش آنے کا ہے۔''

لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی...... ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرونo	مجلس میں حضور ﷺ تشریف رکھتے ہوں تو آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔اگر ایسا کرو گے تو تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی''

حالانکہ یہ جولوگ قرآن کے مخاطب اول ہیں ان کی عبادتیں میری اور آپ کی طرح بے جان نہیں تھیں بلکہ حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے انہوں نے جانیں لٹا دیں، گھر لٹائے، آبروئیں لٹائیں، ایذائیں برداشت کیں، ہجرتیں کیں، ملک وگھر چھوڑے، جہاد کیے، بھوک و پیاس برداشت کی، دنیا کی تمام شدائد کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ رہے۔جہاں صدیق وفاروق وعثمان وحیدر جیسی ہستیاں بیٹھی ہوں وہاں خطاب ہو رہا ہے کہ بھول کر بھی آواز نہ بلند ہونے پائے ورنہ تمہارے اعمال اکارت کر دیئے جائیں گے۔

فرمایا:

''ادب شرط ہے لیکن ادب اطاعت کو چاہتا ہے کیونکہ عدم اطاعت سے ادب نہیں ہو سکتا۔''

فرمایا:

''گویا تسلسل یوں بنا کہ بنیاد عقیدت ہے جس کا تعلق ادب پر منحصر ہے اور ادب کا انحصار اطاعت پر ہے۔یہ تینوں رشتے استوار رہیں گے تو بات بنتی ہے ان تینوں میں سے جو ایک بھی ٹوٹے گا باقی دو کو بھی ساتھ لیتا جائے گا۔''

فرمایا:

''پس یہی شرائط اللہ نے ان لوگوں کے بارے ارشاد فرمائی ہیں جو برکات نبوی بانٹتے ہیں۔''

فرمایا:

''دعویٰ محبت وطلب برکات کے ساتھ اگر اطاعت یا ادب کو چھوڑ دے تو یہ دعویٰ گستاخی بن جائے گا۔''

فرمایا:

''انسانی کمزوریوں کے باعث کمی رہ جائے تو خداوند عالم اپنی رحمت سے پورا فرمائیں گے ہم کو تو ہمہ وقت خود پہ نگاہ رکھنا ہے۔ یاد رکھیں۔''

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین.	''آخری سانس تک اپنے رب کی عبادت کر''

''دم واپسیں تک تجھے اپنی طرف سے نبھانا ہے اگر وہاں تک لے گیا تو اللہ فرماتا ہے اب تیری ذمہ داری ختم اور میری شروع۔ میں پھر اسے ابدآلاباد تک نبھاتا رہوں گا۔'' (طریق نسبت اویسیہ)

چند دیگر آداب:۔

از روئے امام قشیریؒ چند دیگر آداب اکتساب فیض مختصراً عرض ہیں۔

(1) مرید کوشش کرے ہمہ وقت باوضو رہے۔''

(2) بہ تدریج اپنی غذا کو کم کرتا جائے۔''

(3) ''خلوت کی عادت کو اپنائے۔ فضول ادھر ادھر اپنا وقت نہ ضائع کرتا پھرے اور خلوت میں یہ کوشش کرے کہ اس کے اعتقادات میں وسوسے نہ آئیں''

(4) ''بے موقعہ سفر نہ کرے''

(5) ''ابتداء ارادت میں اگر (اکابر) فقراء واصحاب میں گھس جائے تو یہ اس کیلئے مضر ہوگا۔''

(6) ''شیوخ کا احترام وخدمت تو کرے لیکن اس طرح کہ انہیں آرام حاصل ہو۔ کوشش کرے کہ کہیں شیخ کا دل اس سے اچاٹ نہ ہو جائے''

(7) ''بیت اللہ کی زیارت سے پہلے اس گھر کے مالک کا جاننا ضروری ہے۔ اگر اس کی معرفت ضروری نہ ہوتی تو اس کے گھر کی زیارت بھی فرض نہ ہوتی۔ تو جو جوان شیخ کے حکم کے بغیر حج کیلئے جاتے ہیں وہ محض حظ نفس کیلئے ایسا کرتے ہیں اور یہ رسمی طریقت پر چلتے ہیں اس کا ثبوت (یا نشانی) یہ ہے کہ جوں جوں سفر بڑھتا جائے گا ان کے دل کی پریشانی بھی بڑھتی جائے گی''

(8) ''مرید کو چاہئے کہ حسد سے بچے۔ مرید کی آفات میں یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے خصوصاً اس سے جس پر اللہ مہربان ہو۔ یاد رکھو! امور اللہ کی تقسیم ہیں اور اس حسد سے وہ تبھی نجات پا سکتا ہے جب ذات حق (یعنی خود اللہ کی ذات پہ) اکتفا کر لے پھر جسے اللہ نے مقدم کیا ہے وہ اس کا حاشیہ بردار بن جائے گا''

(9) ''مرید اپنے مرتبے سے زیادہ علم کا لالچ نہ کرے کیونکہ اپنے اسباق سے آگے کا حال جب وہ جان لے گا تو (وہاں کی) کیفیت ومعانی تک پہنچنا ناممکن ہوگا نہ ہی احوال ومسائل جان سکے گا۔ تو خود اس کے دل میں بداعتقادی کا اندیشہ ہے''۔

(10) ''یہ ایک امر بھی ضروری ہے کہ مرید مسند نشینی کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس بات کے درپے ہو کہ اس کا بھی کوئی شاگرد یا مرید ہو۔ جب کوئی خود مرید سے مراد بن گیا جبکہ (ابھی) نہ اس کی بشیریت فنا ہوئی نہ آفات ساقط، تو وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا اس کی تعلیم وارشاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔'' (رسالہ قشیریہؒ)

اورآخر میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ :

''اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کرلے تو یہ اس کیلئے سعادت کا باعث ہے۔'' (رسالہ قشیریہ)

خلاصہ SUMMRY

یہاں پہ آداب اکتساب فیض تمام ہوئے انہیں اگر ہم Sum up کرنا چاہیں تو یہ کام مجمع السلوک میں بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے لکھا ہے:۔

ظاہری و باطنی ارکان (شرائط) تصوف:۔

تصوف میں پانچ ارکان ظاہری اور پانچ باطنی ہیں جب تک مرید سالک میں یہ ظاہری و باطنی ارکان جمع نہ ہوں اس کو صوفی نہیں کہہ سکتے۔

رکن کی وضاحت:۔

''(ان کو) ارکان تصوف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ

اذ رکن ایشئی مایقوم به الشیئی و بقرته یفرت ذالک شئی.	''رکن کسی چیز کا وہی کہلاتا ہے جس سے وہ چیز قائم اور موجود ہو اور جس کے فوت ہو جانے سے وہ چیز بھی فوت ہو جائے''

ارکان خمسہ ظاہری :۔

اول:۔ کسی مرشد سے خرقہ ارادت حاصل کرنا (یعنی مرید ہونا)

دوم:۔ کمزور دینی بھائیوں اور مرشد کی خدمت بجالانا۔

سوم:۔ اطاعت وعبادت میں خلوت اختیار کرنا اور ذکر ومراقبہ میں مشغول ہونا۔

چہارم:۔ اپنے پیر کی صحبت میں وقت گزارنا اور حق صحبت ادا کرنا۔

پنجم:۔ سخاوت میں جوانمردی کرنا اور بدل وایثار سے پیش آنا۔

ارکان خمسہ باطنی :۔

اول: شریعت وطریقت کے احکام کا علم حاصل کرنا۔

دوم: ان پر صدق واخلاص سے عمل کرنا۔

سوم : اپنے باطن میں حال پیدا کرنا۔

چہارم : مقام دل میں پہنچنا۔

پنجم: حق تعالی کی معرفت حاصل کرنا۔ (مجمع السلوک)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''راہ طریقت میں آفات و مصائب''

جب تمام آداب وشرائط سے آگاہی حاصل کرلی تو آخر میں یہ جان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ اس رہ میں سالک پہ کون کونسی آزمائشیں آسکتی ہیں۔ جب ہم ایک عام سی استعمال کی چیز خریدنے نکلتے ہیں تو خوب دیکھ پرکھ لیتے ہیں تو کیا وہ جو ہمارا خالق ہے بنا پرکھے ہی ہمیں قبول کرلے گا۔ وہ قادرالمطلق جس کے دین میں سمجھوتہ نام کی کوئی شے نہیں ہے، جو اپنے کلمے کا اقرار بھی ابطال سے کراتا ہے کہ اس کی غیرت کو کسی کی شراکت اس قدر بھی گوارا نہیں ہے' اسے کھوٹ پسند نہیں۔ پھر بھی اگر وہ ہمیں ہمارے دعووں سمیت قبول کرلے تو وہ مہربان ہے اور اس کی آزمائشوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کسی کو وہ مال میں آزماتا ہے' کسی کو اولاد میں اور کسی کو رتبہ دے کر، کسی کو دکھ میں مبتلا کرکے اور کسی کو خوشیاں دے کر۔ لیکن ان سے پرے راہ طریقت میں کچھ اور طرح کی آفات بھی ہیں۔

طریقت میں آفات۔

اس ضمن میں ''نظام الدین اولیاءؒ'' فرماتے ہیں کہ:۔

''راہ طریقت میں آفات وبلیّات سات قسم پر ہیں۔''

(۱) اعراض

اعراض یہ ہے کہ مرید سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو مرشد کو ناپسند ہو اور اسکی وجہ سے شیخ منہ پھیر لے۔ اگر مرید اس فعل سے توبہ کرکے باز آ جائے تو یہ اعراض اقبال سے بدل جاتا ہے اور رشتہ محبت (پھر سے) قائم ہو جاتا ہے۔

(۲) حجاب

حجاب یہ ہے کہ مرید اس فعل پہ مصر رہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنے شیخ سے محجوب ہو جائے گا۔

(۳) تفاصل

تفاصل یہ ہے کہ مرید کو اس فعل پہ (بھی) تنبیہ نہ ہوئی اور نہ اس نے توبہ کی اور نہ عذرخواہی کی۔ ایسی صورت میں شیخ مرید سے جدائی اختیار کرلیتا ہے۔

(٤) سلب مزید

سلب مزید یہ ہے کہ اس جدائی کے باوجود مرید متنبہ نہ ہوا تو سلب مزید ہو جائے گا یعنی نوافل واذکار اور وظائف میں فتور پڑے گا۔

(۵) سلب قدیم:۔

سلب قدیم یہ ہے کہ اس پر بھی مرید باز نہ آئے تو سلب قدیم ظاہر ہو جاتا ہے یعنی وہ فرائض، واجبات کے ادا کرنے میں بھی سست ہو جاتا ہے۔ اور اطاعت کی توفیق ولذت اس سے زائل ہو جاتی ہے۔

(۶) تسلی: ۔

اب بھی مرید توبہ نہ کرے تو تباہ کن تسلی پیدا ہو جاتی ہے یعنی فرائض واجبات کے فوت ہو جانے پر اس کو کوئی غم یا ندامت نہیں ہوتی بلکہ شیخ کی جدائی پہ اس کا دل آرام پا جاتا ہے۔

(۷) عداوت: ۔

اگر مرید ایسی غفلت و سستی میں پڑا رہے تو باہمی عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور شیخ سے دوستی و محبت کا معاملہ دشمنی میں بدل جاتا ہے۔

(نعوذ باللہ منہ)

2۔ آداب طریقت کی خلاف ورزی کے نتائج: ۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ: ۔

''ایک بات سمجھ لینے کے قابل ہے کہ احکام شریعت کی خلاف ورزی سے تو آخرت میں عذاب ہوگا اور آداب طریقت کی خلاف ورزی سے معصیت نہیں ہوتی مگر دنیوی نقصان ہو جاتا ہے۔ آخرت کا ضرر نہ ہوگا اگر چہ کبھی بواسطہ آخرت میں بھی محرومی ہو جائے گی۔ کیونکہ اس مخالفت کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا نام لینے کی حلاوت جاتی رہتی ہے پھر تعطل ہو جاتا ہے اس کے بعد مستحب چھوٹ جاتا ہے پھر ترک سنت و واجبات یہاں تک کہ ایمان کے سلب کی نوبت آ جاتی ہے۔ ہاں اگر اس حالت میں (کہ آداب طریقت قطع کر رہا ہو) ہمت سے شریعت پر عمل کی کوشش ہوتی رہے تو آخرت کا نقصان نہیں مگر انشراح و راحت و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ پیر کے ناراض ہو جانے سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں اور آداب طریقت سے کوئی ادب غامض نہیں، پیر کو مکدر نہ کیا جائے۔ اس پر اعتراض نہ ہو۔ پیر سے غلطی ہو جانے پر نصیحت کی جائے مگر ادب سے کی جائے۔'' (کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۳۳)

☆ حضرت شیخ المکرّم اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ: ۔

''جو مشائخ اس سلسلہ کے ہیں وہ سلب نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ کبھی کوئی ایسا ہوا کہ کوئی شخص بھٹک جائے اور دوسروں کی گمراہی کا اندیشہ ہو تو پھر یہ لوگ سلب کرتے ہیں لیکن اگر اپنی ذات میں بھٹکتا ہے تو پھر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ جب وہ گمراہ ہوتا ہے تو یہ (نسبت و برکت) از خود اس سے چلی جاتی ہے۔ اللہ کریم اس سے واپس لے لیتے ہیں مشائخ سلب نہیں فرماتے ہاں دوسرے انسانوں کی گمراہی کا سبب بننے لگے تو سلب کر لیتے ہیں۔''

سلب اویسیت کی شدت: ۔

فرمایا:

''ان کا سلب اس قدر شدید ہوتا ہے کہ جب یہ سلب کرتے ہیں تو پھر صرف کیفیات نہیں جاتیں وجود کے ذرے ذرے سے ایمانیات وعقائد بھی چلے جاتے ہیں۔ جس شخص سے مشائخ اویسیہ نے اپنی نسبت سلب کی وہ مسلمان بھی نہیں رہ سکتا۔''

شدت کا سبب: ۔

فرمایا: ۔

''ایسے لوگ ایک آدھ ہی سہی ہم نے بھی دیکھے ہیں جن سے یہ چیز سلب ہوئی وہ کبھی کسی زمانے میں ایسے تھے کہ جمال باری کو دیکھے بغیر

سجدہ نہیں کرتے تھے اور پھران کا یہ حال بھی دیکھا کہ وجود باری کا انکار کیا کرتے تھے۔اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نبی کریم کو کا فر ایذا دیتے تھے تو آپ دعا فرماتے تھےلیکن پوری حیات طیبہ میں جس شخص نے دوسروں کے عقائد پہ ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تنہا اس شخص کوقتل کرنے کیلئے خدام مقرر فرماتے''

فرمایا:۔

''گویا خود ایذا برداشت کی لیکن بندوں کو جہنم میں جانے اور گمراہ کرنے کا فعل حضورﷺ نے برداشت نہیں فرمایا۔ یہی قانون سلسلہ میں جاری ہے۔اگر کوئی ذاتی طور پر گمراہ ہوجاتا ہے ذکر چھوڑ دیتا ہے خطا کار بھی ہوجاتا ہے تو مشائخ سلب نہیں فرماتے' اس کی اپنی کوتاہی وسستی کی بنیاد پہ برکات ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں مگر کم از کم ایمان بچ جاتا ہے'ان کا اثر ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ گنہ گار مرتا ہے کافر نہیں مرتا۔ لیکن اگر ذاتی خطاؤں سے بڑھ کر دوسروں کے عقائد سے کھیلنے لگے تو پھر یہ لوگ سلب کر لیتے ہیں تو پھر جس طرح نیام سے تلوار کھینچ لی جاتی ہے اور نرا کھوکھا سارہ جاتا ہے اس طرح انسان کا وجود ایک کھوکھا سارہ جاتا ہے۔'' (طریق نسبت اویسیہ)

4۔ طریقت میں گرفتا بلاھونے کی مختلف صورتیں وعلامات

حضرت سید عبدالقدر جیلانیؒ کے ملفوظات میں ہے کہ:۔

مصائب کی وجوہ:۔

انسان پر جو مصائب آتی ہیں ان کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں۔

1۔ کبھی وجہ قہر خداوندی ہوتی ہے
2۔ کبھی اس شخص کا کفارۂ سیات منظور ہوتا ہے
3۔ اور کبھی رفع درجات (یعنی درجات کا بلند ہونا)

علامات۔ فرمایا:۔

1۔ قھر خداوندی کی علامات:۔

''جو ابتلاء بطور سزا وعقوبت کے ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اس کو صبر نہیں ہوتا۔ جزع وفزع میں گرفتار ہوتا ہے اور مخلوق سے شکایت کرتا ہے۔''

2۔ کفارۂ سیآت

''جو ابتلاء کفارہ سیئات کیلئے ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت صبر جمیل کی توفیق ہوتی ہے، شکایت، جزع وفرع اور دل کی تنگی نہیں ہوتی۔ نہ ہی طاعت وعبادت کے ادا کرنے میں ثقل ہوتا ہے'' (یعنی سستی نہیں ہوئی)

3۔ رفع درجات:۔

''اور جو ابتلاء رفع درجات کیلئے ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ رضا بر قضا اور موافقت پائی جاتی ہے۔ نفس میں طمانیت وسکون ہوتا ہے یہاں تک کہ مصیبت دور ہو جائے''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ارشادات و ملفوظات صوفیاء کرام

گو یہ ساری کتاب ہی اولیاءکرام کے ارشادات وملفوظات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے بلکہ انہیں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے تا کہ طریقت سے متعلق پائے جانے والے شبہات ومسائل کا ازالہ ہو سکے اور ہمیں درست رہنمائی مل سکے نیز ہمارے پاس بطور جواز مشائخ عظام کی نصائح موجود ہوں۔ یہاں پہ الگ باب اس لئے قائم کیا جا رہا ہے کیونکہ اولیاءاللہ کے ارشادات اس طرح ہوتے ہیں کہ گویا کوزے میں دریا بند ہو۔اوران کے اقوال ذہنوں کوجلا، دلوں کونوراور کردار کوعظمت بخشتے ہیں۔

مشائخ کے ارشادات کے فوائد:۔

''حیات الصوفیۂ''میں حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ نے چارسو نہتر مشائخ کے مختصر حالات ان کی حکایات و ارشادات قلمبند فرمائے ہیں کتاب کی ابتداء میں آپ اس کے فوائد کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:۔

> ''اللہ کے دوستوں (اولیاءاللہ) کی پاک زبانوں سے نکلی ہوئی باتوں اوران کے پاک دلوں میں آنے والے واردات ومشاہدات اور ان کے اعضاء وجوارح سےظہور میں آنے والے پرخلوص معاملات وعبادات کے پڑھنے، سننے سے انجذاب بھی ہوتا ہے اور انفعال بھی، کشش بھی ہوتی ہے اور تاثیر بھی، انقلاب بھی آتا ہے اور تبدیلی بھی، قلب ودماغ میں وہ فیضان آتے ہیں یا وہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو قلم و زبان کے اظہار سے بالاتر ہیں''

☆ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں:۔

> ''اگر اولیاءکرام کی صحبت حاصل نہ ہوتو ان کے اقوال واحوال پڑھو کہ یہ ان حضرات کی معنوی صحبت ہے''

☆ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

> ''مشائخ کی حکایات اللہ عزوجل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو حق کی طرف سے قلب کی تقویت وامداد کیلئے آتا ہے تا کہ آدمی کو قلبیت کا مرتبہ حاصل ہو جائے یعنی ریاضیت وجسمانیت کے درمیان اعتدال پیدا ہو جائے''

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

> ''حق تعالی کے دوستوں اور مشائخ کی باتیں ان کی دوستی ومحبت لاتی ہیں' جس سے ان کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور حدیث پاک ہے۔'' ''آدمی اس کے ساتھ ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے۔''

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ:۔

> ''کل قیامت کو اللہ بندے سے سوال کرے گا تو نے میرے دشمن سے میری خاطر دشمنی کی یا میرے دوست سے میرے لئے محبت بھی کی۔''

نوٹ :۔ رسالہ قشیریہؒ میں تراسی اور کشف المحجوب میں اٹھہتر اولیاء اللہ کے مختصر حالات وواقعات اور ارشادات قلمبند ہیں ۔ یہاں ''حیات اصوفیہ'' سمیت ان تمام کتب سے نیز ''روح تصوف'' مولفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے استفادہ کیا جا رہا ہے''

1- صحابہ کرام کے ارشادات۔

سب سے پہلے صحابہ کرام کے اقوال دیکھتے ہیں جو ہمارے موضوع ''تصوف'' سے متعلق ہیں ۔

(۱) حضرت عمر بن عثمانؒ نے باب محبت میں لکھا ہے کہ :۔

''اللہ نے دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقام قرب میں رکھا اور جانوں کو دل سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجہ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ باران پر ظہور جمال فرمایا اور انہیں تین سو ساٹھ بار نظر سے سرفراز کیا اور کلمہ محبت سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفہ انس ان پر ظاہر ومنکشف کیے حتیٰ کہ کائنات پہ نگاہ کر کے کسی کو اپنے سے زیادہ اس کا اہل نہ پایا تو اس میں فخر وغرور پیدا ہوا تو اللہ نے ان سب کا امتحان فرمایا' سر کو جان میں مقید کیا جان کو دل میں' دل کو جسم میں رکھ کر عقل سے انہیں مرکب کیا۔ پھر انبیاء کرام مبعوث فرمائے' اپنے احکام بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان آس کا متلاشی ہوا۔ حق تعالیٰ نے انہیں نماز کا حکم دیا۔ تاکہ جسم نماز میں ہو اور دل محبت میں اور جان قربت میں' سر وصل میں''۔

(۲) حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو۔ عرض کی حضور اس لئے کہ میں جانتا ہوں جس کی میں مناجات کر رہا ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے یہی سوال پوچھا تو عرض کی میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں''

(۳) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''گوشہ نشینی موجب راحت ہے برے ہمنشیں ومصاحبین کے اندر رہنے سے۔''

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

''اپنی مشغولیت کو بیوی بچوں میں اہمیت کے ساتھ نہ رجوع کرنا اس لئے کہ اگر وہ اولیاء اللہ میں سے ہوئے تو اللہ اپنے دوستوں کو خراب اور ضائع نہیں کرتا اور اگر دشمن خدا ہوئے تو دشمنان خدا سے غمخواری وہمدردی کیوں۔''

(5) حضرت امام جعفرؒ کی بیان طریقت میں تصنیفات مشہور ہیں آپ فرماتے ہیں

''جس نے اللہ کو جان لیا وہ ماسویٰ سے علیحدہ ہو گیا''۔

(2) آئمہ تابعین کے اقوال و ارشادات:۔

(1) حضرت اویس قرنیؒ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

السلامة فی الواحدة.	سلامتی تخلیہ وتنہائی میں ہے۔

(2) حضرت ہرم بن حیانؒ سے روایت ہے فرمایا:۔

مجھے بہت عرصہ کے شوق زیارت کے بعد حضرت اویس قرنیؒ سے ملاقات نصیب ہوئی ۔ بصرہ جانے کا عزم تھا راہ میں لب فرات حضرت اویس قرنیؒ وضو کر رہے تھے۔ سلام عرض کیا تو جواب میں فرمایا:۔ وعلیکم السلام یا ہرم بن حیانؒ'

عرض کی کہ آپ نے کس طرح پہچان لیا، تو فرمایا ''میری جان نے تیری جان کو پہچان لیا''۔ گفتگو میں حضرت علیؓ وعمرؓ کی تعریف فرمائی ایک حدیث سنائی پھر فرمایا:۔

علیک بقلبک۔	اپنے دل کی نگرانی ہر اندیشہ غیر سے رکھ۔

(3) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں

''جو بدبختوں میں رہے گا۔ نیکوں کی جماعت اور اس کے پیشواؤں سے بدگمان ہو جائے گا''۔

(4) حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں۔

وہ مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کی: ''یا سعید! مجھے وہ حلال بتاؤ کہ جس میں حرام کا شائبہ تک نہ ہو اور وہ حرام بتاؤ کہ جس کے اندر حلال نہ ہو''

آپ نے فرمایا:

''اللہ کا یاد کرنا ایسا حلال ہے کہ اس میں حرام نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے کہ اس میں حلال نہیں ہے۔''

(3) تبع تابعین ومابعد۔

(1) حضرت مالک بن دینارؒ:

''عملوں میں محبوب ترین عمل مجھے وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو۔''

(2) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ:۔

''محبوبان بارگاہ کے قلوب پر سکون حرام ہے۔''

(3) حضرت فضیل بن عیاضؒ : (المتوفی 178ھ)

''دنیا بیمار خانہ ہے اور لوگ اس میں پاگلوں کی طرح آباد ہیں اور ظاہر ہے پاگلوں کیلئے زنجیر وقید ہوتی ہے'' (یعنی خواہشات نفسانی ہمارے لئے بیڑیاں ہیں اور معصیت ہماری قید۔)''

(4) حضرت ذوالنون مصریؒ : (المتوفی 245ھ)

''جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی پیشانی پر بخط جلی لکھا ہوا پایا گیا یہ خدا کا محبوب ہے اللہ کی محبت میں وفات پائی یہ قتیل اللہ ہے'' اور آپ کے جنازہ پر پرندوں نے سایہ کرلیا۔''

آپؒ فرماتے ہیں:۔

''عوام کی توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے''۔

☆ فرمایا:۔

'' ہر روز عارف کامل خاشع وترساں رہتا ہے اس لئے کہ اس کی ہر ساعت تقرب مرتبہ قرب میں قریب تر ہوتی ہے۔''

☆ صاحب کشف المحجوب'' اس کی وضاحت میں حضرت موسیٰ کا یہ مکالمہ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت موسیٰ نے عرض کی: ''الٰہی میں تجھے کہاں تلاش کروں۔''

فرمایا گیا : ''ٹوٹے ہوئے دلوں میں۔''

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: ''مجھے میرے دل سے زیادہ کوئی ناامید شکستہ نظر نہیں آیا۔''

ارشاد باری ہوا: ''پھر میں وہیں ہوں جہاں تو ہے'' (یعنی جس میں ترس وخشوع نہیں اس کا دعویٰ عرفان جہالت ہے۔)

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ھیں :۔

''عارف کے ساتھ میل جول رکھنا ایسا ہے جس طرح اللہ کے ساتھ میل جول رکھنا وہ تمہاری باتوں کو برداشت کرتا ہے اور حلم اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اخلاق خداوندی سے موصوف ہونا چاہتا ہے۔''

(5) حضرت ابراھیم بن ادھمؒ :۔ (المتوفی 163ھ)

☆ کسی نے کہا کہ : گوشت مہنگا ہو گیا ہے'' فرمایا: ''اسے سستا کرو''

(یعنی خریدنا چھوڑ دو) آپ اکثر یہ دعا فرماتے تھے۔

☆ خدایا! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت سے سرفراز فرما۔''

(6) حضرت بشر حافیؒ : (المتوفی 227ھ)

''جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اسے جانیں وہ آخرت کا مزہ حاصل نہیں کر سکتا۔''

(7) حضرت جنید بغدادیؒ (المتوفی 297ھ) فرماتے ھیں کہ

''تصوف وہ ہے کہ تجھ کو تجھ سے مارے اور اپنے ساتھ زندہ کرے۔''

☆ فرمایا:

''تمام مخلوق کیلئے اللہ تک پہنچنے کے راستے بند ہیں ماسوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پہ چلیں''

☆ فرمایا:

''مومن کا دل ایک بار میں ستر بار گردش کرتا ہے اور منافق کا ستر سال میں ایک بار بھی نہیں پھرتا۔''

''کسی نے جنید سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا'' پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہو یعنی عارف اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے'' ایک جگہ فرمایا!'' عارف اس وقت تک عارف نہیں جب تک وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اسے روندتے ہیں بادلوں کی طرح نہ ہو جائے کہ جو ہر چیز پر سایہ کرتے ہیں اور بارش کی طرح نہ ہو جائیں کہ جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے اسے بھی جسے وہ پسند کرتی ہے اور اسے بھی جسے وہ ناپسند کرتی ہے۔''

(8) امام قشیریؒ (المتوفی 465ھ) فرماتے ھیں

''صوفی جس قدر مخلوق سے غائب ہوتا ہے وہ حق کے آگے حاضر رہتا ہے۔''

☆ فرمایا!

''عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے اور حق تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کا مشاہدہ کرنے کا نام ''حقیقت'' ہے۔''

(9) حضرت علی ھجویریؒ (المتوفی 465ھ)

جنہیں ہم داتا گنج بخش کے نام سے جانتے ہیں فرماتے ہیں:

''مرید کے واسطے تنہائی ہلاکت ہے۔''

''بشریت کا وجود ربوبیت کا ایک پردہ ہے اور یہ پردہ حجاب تصوف کے مقام میں بغیر مجاہدہ کے دور نہیں ہوسکتا۔''

(10) حضرت با یزید بسطامیؒ (المتوفی 261 ھ)

فرماتے ہیں:۔

''اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا آرہا ہے پھر بھی تم اس سے دھوکہ نہ کھانا یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی، حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے۔''

☆ فرمایا:

''میں نے تیس سال مجاہدہ کیا اور اس مجاہدہ میں مجھے علم اور اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنے سے زیادہ مشکل کوئی چیز معلوم نہ ہوئی اور اگر علماء میں اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک ہی اجتہاد پر رہ جاتا اور مسئلہ تجرید و توحید کے علاوہ دوسرے مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔''

(11) حضرت ابوالحسن خرقانیؒ فرماتے ہیں۔ (المتوفی 425 ھ)

''مرد وہ ہے کہ ساٹھ سال تک اس کے بائیں ہاتھ والا فرشتہ کچھ نہ لکھے اور اس سے اس (فرشتہ) کو خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔''

☆ فرمایا:

''مرد کو بیدار اس وقت سمجھنا چاہیے جب وہ خدا کا ذکر کرے تو سر سے پاؤں تک اس کی یاد سے باخبر ہو۔''

☆ فرمایا:

''علمائے کرام رسول اللہ کے علم کے وارث ہیں اور اولیاء اللہ حضور ﷺ کی صفات کا مظہر ہیں وہ علمی وارث ہیں یہ عملی۔''

☆ فرمایا:

''ملائکہ کو تین موقعوں پر اولیاء اللہ سے خوف آتا ہے، ایک ملک الموت کو جان قبض کرتے وقت، دوسرے کراماً کاتبین کو لکھتے وقت اور تیسرے منکر نکیر کو سوال کرتے وقت۔''

☆ فرمایا:

''بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ وہ قبروں میں ہیں اور وہ زندہ ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ وہ زمین پہ چلتے پھرتے ہیں اور وہ مردہ ہیں۔''

☆ فرمایا: ''میرے دل میں خدا کے سوا کچھ نہ رہا اور میرے سینہ کو اس کے سوا قرار نہیں۔''

(12) ابوالحسن نوریؒ (المتوفی 296 ھ) فرماتے ہیں:۔

''جس شخص کو ایسی حالت کا اللہ کے ساتھ دعویٰ کرتے دیکھا جو اسے شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔''

☆ فرمایا:

''گدڑیاں موتیوں پر پردے کا کام دیتی تھیں مگر اب تو مردار پہ گندگی کا کام دیتی ہیں۔''

(13) حضرت ابورویمؒ (المتوفی 303 ھ) فرماتے ہیں:۔

''طریقت کا علم روح خرچ کر کے حاصل ہوتا ہے یہ جاننے کے باوجود اگر تو اس میں داخل ہوسکتا ہے تو ہو جا، ورنہ صوفیاء کی بے

کار باتوں میں مشغول نہ ہو۔

☆ فرمایا:

''ہر قسم کے طبقہ کے لوگوں کے پاس بیٹھنا تمھارے لئے صوفیاء کے پاس بیٹھنے سے زیادہ سلامتی کا سبب ہے کیونکہ تمام مخلوق رسموں کا اعتبار کرتی ہے اور یہ لوگ حقائق کا۔ سارے لوگ اپنے نفوس کو ظاہری شریعت کے موافق بناتے ہیں اور ان لوگوں کا صوفیاء کا نفس حقیقت ورع اور مداومت صدق میں مشغول ہوتا ہے لہٰذا جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھے اور ان امور کی جنھیں یہ حق جانتے ہیں مخالفت کرے تو حق تعالیٰ اس کا نور ایمان سلب کر لیتے ہیں۔''

(14) شیخ ابو سعید بن ابو الخیرؒ (المتوفی 440 ھ) فرماتے ھیں

''لوگوں نے شیخ سے کہا، فلاں آدمی پانی پہ چلتا ہے فرمایا آسان ہے بطخ اور مرغابی بھی پانی پہ چلتے ہیں۔ لوگوں نے کہا فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے فرمایا: چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ کہا فلاں ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے فرمایا: شیطان ایک سانس میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا ایسی چیزوں کی کوئی قدر قیمت نہیں (بلکہ) مرد وہ ہے کہ مخلوق میں بیٹھا ہو، لین دین کرتا ہو، عورت رکھتا ہو مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہو اور ایک لحظہ کو بھی اپنے آپ سے غافل نہ ہو۔''

(15) حضرت علی خواصؒ :۔

یہ دسویں ہجری کے مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ

''یہ مرید کی طرف سے بے ادبی ہے کہ اپنے شیخ سے کہے کہ مجھے اپنے دل میں (خیال میں) رکھئے، عرض کیا گیا اس میں کیا بے ادبی ہے؟ فرمایا! اس میں شیخ سے خدمت لینا ہے اور اس پہ یہ تہمت ہے کہ وہ ہمارے طرف بغیر درخواست کے توجہ نہیں کرتے، نیز شیخ کو اس بات کا امر کرنا کہ وہ اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ خریدے یعنی توجہ اللہ تعالیٰ کے بدلے توجہ الی الخلوق میں مشغول ہو جائے، بلکہ مرید پہ یہ واجب ہے کہ اپنے شیخ کی خدمت میں لگا رہے تو حق تعالیٰ خود اپنے ولی کی قلبی حالت پر مطلع ہے جب اپنے ولی کے دل میں اس مرید کی محبت دیکھیں گے تو اس کی حاجت جو وہ اپنے شیخ سے طلب کرتا ہے خود پوری فرما دیں گے، کیونکہ حق تعالیٰ کو اس سے غیرت آتی ہے کہ وہ اپنے ولی کے دل میں اپنے سوا کسی کی محبت دیکھیں''

یعنی اللہ جب اپنے ولی کے دل میں ایسے شخص کی محبت دیکھیں گے جو اللہ سے منقطع ہے تو مرید کو منقطع نہیں رہنے دیں گے بلکہ واصل بنا دیں گے۔

16۔ شیخ ابو العباسؒ فرماتے ھیں

''شیخ کا مرید کے دل میں ہونا اس کے لئے زیادہ نافع ہے (بہ نسبت اس کے) کہ مرید شیخ کے دل میں ہو، کیونکہ جس قدر تم اس کو اپنے دل میں رکھو گے، اس قدر شیخ تجھے اپنے دل میں جگہ دے گا۔''

(17) شاہ ولی اللہؒ (المتوفی 1176 ھ) مراقبہ کی صورت بیان فرماتے ھیں

''مراقبہ: مراقبہ بزرگان دین کے نزدیک بہت اقسام پر ہے، جامع امر یہ ہے کہ ایک آیت قرآنی یا کلمہ جو اس مراقبہ میں کہے یا دل میں خیال کرے اس کے معنی کو خوب طرح جانے بوجھے پھر خیال کرے کہ یہ مدعا کیونکر ہے اس کی حقیقی صورت کیا ہے پھر اسی صورت کو خاطر پہ جمع کرے، اس طرح سوائے ایک کے کوئی خطرہ نہ آئے (''یعنی سوائے اس خیال کے کوئی شے درمیان میں نہ آئے'' کامل یکسوئی'') یہاں تک

کہ اس میں استغراق حاصل ہو جائے اور باقی سے غفلت حاصل ہو'

(18) حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ھیں کہ:۔

''قلب جو کہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب اس کا روزن کھل جاتا ہے تو دل کی آنکھ روشن ضمیر ہو جاتی ہے اور قلب ذکر جہر سے جنبش کرنے لگتا ہے جو اپنے آپ کو بھی سنائی دیتا ہے اور دوسرے بھی سن سکتے ہیں پھر اس کے اوصاف نور الٰہی ہو جاتے ہیں اور بری خصلتیں اور دنیاوی محبت سب کچھ اس کے دل سے دور ہو جاتے ہیں اور سر سے قدم تک ذکر الٰہی میں مستغرق رہتا ہے۔''

☆ فرمایا:

''تاثیر اسم اللہ سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور نفس کے تزکیہ سے تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے اور تصفیہ قلب سے تجلیہ روح اور اس سے تجلیہ ستر حاصل ہوتا ہے جب یہ چاروں متفق ہو جاتے ہیں اس وقت صاحب نفس، نفس پر قادر ہو جاتا ہے، مگر یہ بجز توجہ شیخ کامل کے ممکن نہیں ہے۔''

(19) حضرت مجدالف ثانیؒ (المتوفی 1034ھ) فرماتے ھیں:۔

''منازل مقصود طے کرنے سے مقصود، ایمان حقیقی حاصل ہو جاتا ہے۔''

''کوئی ولی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا اگر چہ اویس قرنیؒ ہو۔''

20 مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ھیں کہ:۔

''حضورؐ کے اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی ہیئت اختیار کرتا ہے اس پر اللہ کو محبت و پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے پس یہ وصول کا سب سے قریب طریقہ ہے۔''

☆ فرمایا:

''تعلق باللہ کے کام کے لئے کامل یکسوئی کا انتظار فضول ہے یکسوئی تو دنیا میں پھنس کر ہو ہی نہیں سکتی، اس کے حصول کا طریقہ صرف یہ ہے کہ موجودہ پریشانی کی حالت میں ہی تعلق مع اللہ کا کام شروع کر دیا جائے، پھر رفتہ رفتہ اطمینان کُلی نصیب ہو جائے گا، ورنہ عمر یونہی ختم ہو جائے گی اور یکسوئی نصیب نہ ہوگی۔''

21۔ اعلیٰ حضرتؒ (المتوفی 1409ھ) حدیث جبرئیل کی شرح میں فرماتے ھیں کہ:۔

''دین مرکب ہے تین امور سے جیسے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں اگر کسی شخص نے دو رکعتیں پڑھ لیں مگر تیسری چھوڑ دی تو اس کی نماز نہ ہوگی، اس طرح جب تصوف کو چھوڑ دیا تو دین کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا، ظاہر ہے کہ دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔''

'' تصوف وسلوک میں مقصود بالذات رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہ بات بار بار اس لئے بتائی جاتی ہے کہ مروجہ تصوف میں سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی سے برتی جاتی ہے۔ صحیح اسلامی تصوف تو محبت الٰہی اور اتباع سنت ہی کا نام ہے اسکی انتہا و ابتداء یہی ہے۔''

22۔ حضرت شیخ المکرم فرماتے ھیں

''انسان میں چاہے ہزاروں کھوٹ، کذب، گناہ، عیوب جمع ہو جائیں جب بھی بارگاہ نبوت میں آئے گا پھر کندن بن جائے گا تو گویا تصوف کا ایک بنیادی مسئلہ حل ہو گیا کہ ہر شخص میں مقامات کو حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے فطری اور جبلی طور پر۔ اب کوئی کہاں تک پہنچتا ہے (اس میں) اللہ کی عطا سب سے مقدم ہے اور استعداد بھی اللہ کی عطا ہے لیکن اس میں بڑی حد تک تعلق اس شخص کے یقین اور طلب صادق

کو ہے کہ اسی کے بل پہ وہ محنت کرتا ہے۔''

☆ فرمایا:

''درحقیقت ولایت نیابت نبوت ہوتی ہے اور ولی کا فرض منصبی ہوتا ہے کہ جو برکات وہ نبی اکرمؐ سے حاصل کرتا ہے ان کو اللہ کے بندوں تک پہنچائے اس حال میں کہ وہ ایک عام انسان کی زندگی بسر کرتا ہو اس کی ضروریات بھی ہوں، بیوی بچے بھی ہوں، گھر بار بھی ہو، اور کاروبار بھی اور اس سب کے باوجود وہ ثابت کرتا ہے کہ یہ بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تب ہی وہ اس قابل ہے کہ کسی دوسرے کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دے سکے۔''

☆ فرمایا:

''تصوف کا اصل مقصود وہ لذت وہ شیرینی، کلام الٰہی نور کو چکھنے کی طاقت جو اس کا شیدائی بنادے جو اس کی اطاعت پر مجبور کردے جو دیوانہ کردے کہ آدمی ایک ایک حکم کے پیچھے بھاگ رہا ہو اور ہر حکم کی تعمیل میں اسے نئی لذت نصیب ہوگی ارے کوئی مفت میں بھاگتا ہے، بے لطفی میں جان دیتا ہے وہ تو ایک لطف ایک لذت ہے جسے اللہ کریم نے نور کہا ہے۔

لتخرج الناس من الظلمت الی النور	(اللہ نے یہ دین اس لیے اتارا کہ) تمہیں ظلمت سے نور کی طرف نکالے اور جو اس لذت سے محروم ہے اس کیفیت کا نام ظلمت ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''حکایت دل''

عام تاثر یہ ہے کہ علم طریقت یا تصوف کوئی انوکھی سی بات ہے، لوگ اسی پہ قناعت کئے رہتے ہیں اور کوئی اس بات کی حقیقت جاننے کی کوشش نہیں کرتا، یا شائد کوئی اس کی اصلیت جاننے کا متمنی ہی نہیں ہے۔

بہر طور علم طریقت پر ایک وسیع علمی ذخیرہ موجود ہے، بعض کتب تو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہیں ان کی گر دیگر خصوصیات کو چھوڑ کر فقط ایک ہی صفت سامنے رکھ لی جائے جیسا کہ حضرت سلطان باہوؒ اپنی کتاب ''مجالسۃ النبی'' کی ابتداء میں فرماتے ہیں

''اس کتاب کو پڑھنے سے علم باطنی وفیض رحمانی حاصل ہوگا، یہ وہ رسالہ ہے جس کے پڑھنے اور اپنے مطالعہ میں رکھنے سے فنائے نفس،

''معرفت الٰہی، ذکر اللہ، فرحت روح اور زندہ دلی حاصل ہوگی اور اس کو پڑھنے والا ہمیشہ فکر وافکار و تسبیح میں رہے گا اور اس میں ہوس باقی نہ رہے گی۔''

یہ اس لئے کہ صوفیاء کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ فقط علم ہی نہیں کیفیات بھی منتقل فرماتے ہیں اور یہ کام دنیا کی کوئی دوسری کتاب یا ذات نہیں کر سکتی عقل و ذہن کو جلا تو مل سکتی ہے دل و نگاہ کو نور ایمان نہیں ملتا، کشف قلوب کی کیفیت نصیب نہیں ہوتی۔

یہ جس قدر مواد اس کتاب میں جمع ہے یہ فقط اس علم کا تعارف ہے، پہاڑ کے سامنے رائی ہے اور اس علم کی عظمت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ ہم جو اس ذخیرہ علمی کو جاننے کی تڑپ رکھنے والوں کے لئے کافی خیال کر رہے ہیں نہیں جانتے کتنے تھوڑے پہ راضی ہو گئے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول ششدر کر دیتا ھے کہ

''ہمارے اس علم کی یعنی طریقت کی بساط سالہا سال ہوئے لپیٹ کر رکھ دی گئی اور ہم اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں۔''

یہ تیسری صدی ہجری کی بات ہے اور اب 1423ھ ہے اگر تب یہ عالم تھا تو اب کا تو خدا ہی حافظ ہے، اور اس پر بھی ہمارے پاس استفادہ کے لئے فرصت ہی نہیں ہے سچ ہے کہ زمانہ جتنا ہی رحمت کے زمانے سے دور تر ہوتا جا رہا ہے غریب تر ہوتا جا رہا ہے، خوش بخت تھے وہ لوگ جو خیر القرون میں ہو گزرے اور وہ اس بات کی اپنے دلوں میں قدر بھی رکھتے تھے، جیسے ایک نان بائی کا قصہ ہے جو ایک دن کی باسی روٹی کو تازہ کی نسبت دوگنی قیمت میں بیچا کرتا تھا، کسی نے وجہ پوچھی تو کہا وہ نبی رحمت کے زمانے سے ایک دن قریب ہے اور ہمیں تو تاسف بھی نہیں ہوتا کہ ہم اس ظالم دور میں دوری کے عذاب جھیل رہے ہیں اور کس قدر خسارے میں ہیں۔

ہم ان جیسے بن نہیں سکتے تو چلو ان پہ رشک ہی کر کے دیکھتے ہیں ہمارا دل اس محبت سے گھائل نہیں اور ہم، وہ دوری کی تشنگی، وہ عشق رسول کی تڑپ اپنے اندر نہیں پاتے تو ہم ان کی نقل میں منہ ہی بسور کر دیکھ لیں، اور دیکھو وہ محبوب حقیقی اس قدر مہربان ہے کہ اس کا نبی فرماتا ہے تمہیں رونا نہ آئے تو رونی صورت ہی بنا لیا کرو۔

یہ جو معلومات آپ کے سامنے جمع ہیں یہ سوچ کے لئے ہیں کہ سمجھ سکے، دماغ کے لئے ہیں کہ اس کے سامنے ایک واضح صورت موجود ہو اور وہ واہموں اور بدگمانیوں

سے ہمیں پریشان نہ کر سکے، زبان کے لئے ہیں کہ اسے بولنے کے لئے مواد چاہئے، جو تشنگی، میں اس میں محسوس کر رہی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ایک thesis ایک تحقیقی مقالہ ہے اس میں دلائل و براہین ہیں defin ations ہیں، اقوال ہیں، امثال ہیں لیکن دل کے لیے تو کچھ سامان نہیں ہے نہ درد دروں کی کوئی بات ہے نہ لطف و سرور کی، کیف و مستی ہے نہ دل کی تار جھنجنا دینے والی نشانیاں کہ آنکھ تو صرف نم ہونا جانتی ہے مگر دل تو آماجگاہ عشق ہے خون کے آنسو روتا ہے بس ذرا اسے کھوج نکالنے کی ضرورت ہے۔

دماغ جو ہمارا رہنما ہے وہ اس جہاں تک محدود ہے اور آنکھ کا کیا آنکھ او جھل پہاڑ او جھل، اور ہم اس دور کے انسان جوان پہ تکیہ کئے عمر رائیگاں کے ماہ و سال بتائے چلے جا رہے ہیں نہیں جانتے اس دل کی دنیا کیسی ہے؟ کس قدر وسیع ہے؟

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

پھر نہ جنوں جنوں رہے گا نہ سکوں سکوں، جنوں پر کیف لیکن سرمستیوں سے بلند تر اور گہرائیوں سے پر، اور سکوں بے قراریوں کی آماجگاہ!

یہ وقت شام، یہ جنگل یہ کنج تنہائی بڑا سکوں ہے بڑے بے قرار بیٹھے ہیں

لیکن حکایت دل کہنے میں آتی کہاں ہے! لکھے ہوئے کو پڑھنے سے یہ جہاں آباد کہاں ہوتا ہے! یہ تو دلوں سے دلوں کو منتقل ہونے والا خزینہ ہے جو طلب گار ہو وہ آئے اور اپنا سینہ کھول کر رکھ دے، اپنا دل شیخ کے قدموں میں ڈال دے، یہی وہ واحد صورت ہے جس کے ذریعے سینے میں دل اور دل میں درد کا احساس جاگے گا۔

ایسا شعلہ سا اٹھے گا جو بجھے گا بھی نہیں

اور یہ کیفیت اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے سامنے کائنات کی ہر نعمت ہیچ ہے، دولت دنیا، عزت و جاہ، جنت و حوریں، یہ وہ راستہ ہے جو براہ راست منعم حقیقی سے واصل کر دیتا ہے، اور ہر ہر نعمت کی پہچان اس کے حوالے سے ہوتی ہے جس نے اول و آخر اس نعمت کو پیدا کیا۔ زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔ خود بخود سمتیں متعین ہوتی چلی جاتی ہیں۔

بات کوئی سی ہو، کام کوئی سا ہو، منتج اسی کی ذات سے ہتا یہ ہوتا ہے وہ جو خود سمتوں کی قید سے آزاد ہے جدھر بھی جاؤ وہ ہی وہ ملتا ہے۔ اپنے اندر جھانکو یا باہر لوگوں سے ملو، شہروں کی دھول پھانکو یا پہاڑوں پر پسینہ بہاؤ، ہر جا اس سے ملاقات ہو جاتی ہے وہ اتنی اطراف سے آتا ہے کہ بندہ اس میں گھر، گھر جاتا ہے۔

میں بات گیان کی کرتا ہوں تیرے دھیان میں بھی الگ تھلگ دنیا سے نہیں سادھوؤں کی طرح

ہر شے اس کے حوالے سے نظر آتی ہے اور اسی کے باعث عزیز تر ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس دور کا انسان بھی۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی تبدیلی متوقع ہو سکتی ہے۔ ہاں! اس کے بندے پیارے لگتے ہیں، ان کے جسموں پہ چیتھڑے دیکھیں تو اپنا بدن ننگا ہوتا ہے، ان کے پیٹ خالی ہوں تو اپنے حلق میں کانٹے اُگ آتے ہیں۔

یہی سب سے بڑی بات ہے کہ اس نفسانفسی اور خود غرضی کے دور میں YOU CAN SEE PEOPLE، انسان دکھتا ہے۔ گھر، لباس، محلہ، سوسائٹی، نام، کام ہر حوالے، ہر حیثیت سے جدا ہو کر صرف اور صرف آدمی جو آدم کی اولاد ہے وہ نظر آتا ہے، محسوس ہوتا ہے اپنی تمام تر مجبوریوں، کمزوریوں لاچاریوں سمیت۔

اور کوئی دوسری شے اس سے محبت اور ہمدردی کا ذریعہ نہیں بنتی سوائے اس کے کہ یہ میرے خالق کی تخلیق ہے۔ اس نے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے یہ اس سلوک کا مستحق نہیں جو اس سے روا رکھا جا رہا ہے۔ دل درد سے بھرنے لگتا ہے اور ایسی حالتوں میں وہ دل کے قریب آ جاتا ہے۔

یا دل میں یہ اہلیت پیدا ہونے لگتی ہے کہ اسے محسوس کر سکے کیونکہ وہ تو ہمہ وقت قریب ہے

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ کبھی دل پہ سرور اترتا ہے تو وہ پاس آتا ہے کبھی جھرنے کی اڑتی چھینٹوں کو دیکھ کر کبھی پانی کی اٹھکیلیاں دیکھ کر۔ کبھی بادلوں میں شکلیں

ڈھونڈ تے ہوئے۔ پیچھے سے وہ جھانکنے لگتا ہے۔

کبھی سمندروں کی وسعتیں اس کی وسعت کے سامنے مانند پڑنے لگتی ہیں کبھی جنگل جنگل درخت درخت، ہرٹہنی پر پتا جدا رنگ روپ لیے اس کی قدرت وصناعی کی گواہی دیتا ہے۔ تو کبھی پرندوں کی ثناء خوانی اس کی یاد دلا جاتی ہے۔ وہ اتنی اتنی طرف سے آتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ اپنا آپ کم پڑنے لگتا ہے تب وہ مزید توفیق دے دیتا ہے۔

اسکی بس ایک شرط ہے، اسے کسی کی شرکت پسند نہیں۔ وہ اپنے کلمے کا اقرار بھی ابطال سے کراتا ہے کہتا ہے پہلے انکار کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے پھر اقرار کرا لا اللہ مگر وہ اللہ۔

جب اس نے اتنی سی دیر بھی کسی دوسرے کی شراکت پسند نہیں کی کہ پہلے اپنا اقرار کراتا اور پھر دوسروں کا انکار۔ وہ جن دلوں کو اپنا مسکن بناتا ہے جن میں گھر کر لیتا ہے وہاں کب کسی کو آنے دیتا ہے۔

وہ سچا معشوق ہے اور سچا عاشق ہے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کو اپنا محبوب بنایا اور پھر ہر کسی کو، ہر کسی کے ہر جذبے کو حضور ﷺ کے تابع کر دیا۔ اسے صرف وہی شخص ،وہی جذبہ قبول ہے جو آستانہ رسول ﷺ کی مہک لئے ہوئے ہوگا۔ وہاں کے رنگ میں رنگا ہوگا۔

وہ ایسا مہربان ہے کہ بہت بڑی بڑی ہستیوں اور مطیع رسول حضرات کے درمیان کئی ناپختہ کار عشاق کا بھرم بھی رکھ لیتا ہے جو اس کی محبت کا دعوی رکھتے ہیں مگر اس کے معیار پہ پورے نہیں اترتے لیکن اس اصل کے طفیل جس کی یہ نقل ہیں وہ ہم جیسوں کو بھی جھڑک کر اپنے در سے اٹھاتا نہیں ہے بلکہ شیخ المکرّم جیسی برگزیدہ ہستیوں کے قدموں میں لا ڈالتا ہے اگر اس کی محبت کا دم بھرنے کا یہ انعام ہے تو واقعی محبت کرنے کا کیا ہوگا۔

کبھی کسی کا دل چاہے کہ سچے عشاق کا احوال جانے تو اس کی ہلکی سی جھلک ''حیات الصوفیہ'' میں مل جائے گی جو امام عبدالرحمٰن جامی کی تحریر ہے محبت پڑھنا، باب ادب پڑھنا، باب شکر، باب صبر پڑھنا، باب ارادت، باب غیرت یا باب ولایت پڑھنا.................

خدا کی قسم! دھول بن کر ریگ زاروں میں ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جانے کو دل کرتا ہے کہ ہمیں ان سے کیا نسبت کہ ہم بھی ان ہی کے جیسا دعویٰ ایمان بھی رکھتے ہیں مسلمانی کا بار بھی اٹھائے ہوئے ہیں اور نیکیاں کمانے کا زعم بھی ہے اور اس کی رحمت پہ نازاں بھی بہت ہیں۔

تیری رحمت کی تمنا ، تیری چاہت سے گریز　　　　رابطے دیکھ ذرا اپنے گنہ گاروں کے

جب ایسی لاکھوں کروڑوں برگزیدہ ہستیاں دعویٰ ایمان ومحبت کے ساتھ موجود ہوں تو وہاں ہماوشا کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ہم ان کی نقل بھی کر لیں تو اصل کی اس بے ساختگی کا مزہ کہاں سے لائیں گے جو اس عمل کی قبولیت کا سبب ٹھہری کہ وہ مالک عمل کو نہیں ارادے کو دیکھتا ہے۔

تب ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ کسی برگزیدہ ہستی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا جائے تادم واپسیں گرفت ڈھیلی نہ پڑے تو شائد اس چیونٹی کی طرح جو کبوتر کے پاؤں سے چمٹ کر اللہ کے گھر تک پہنچ گئی تھی ہم بھی قربت کی کسی منزل کو پہنچ جائیں اس کے بنا کوئی چارہ بھی نہیں ہے کہ ہمارے چاروں طرف دنیا اور دنیاداری کے دبیز پردے پرت در پرت چنے ہوئے ہیں ہاں کبھی کوئی چوٹ لگتی ہے ہمارا کچھ کھو جاتا ہے یا کچھ ہم سے چھن جاتا ہے تو اندر کہیں کچھ چھن سے ٹوٹ جاتا ہے کبھی اعتبار کبھی بھروسہ کبھی بھرم اور کبھی دل، تو اپنے مالک سے ملاقات سی ہو جاتی ہے۔

لیکن پھر وقت کا پھاہا اس زخم کو مندمل کر دیتا ہے تو دل ونگاہ کے سامنے کوئی اور پردہ تن جاتا ہے ایک پردہ اٹھتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اس Materialistic، خودغرض نفسانفسی میں مبتلا دنیا کے دبیز پردوں کے پیچھے جھانک پانا، جو ہمارے چاروں طرف تنے ہوئے ہیں بہت مشکل ہے اور پھر روز روز ایسی چوٹ بھی کہاں لگتی ہے کہ دل بسمل ہو جائے۔

فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو　　　　ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

ہم تو سطحی سی زندگی جینے والے بڑے عام سے لوگ ہیں دکھوں اور چوٹوں کو بھی نفع ونقصان سے تعبیر کرتے ہیں اور کڑھتے ہیں۔ نہ ہماری خوشیاں ہمارے دلوں کو تشکر

سے بھرتی ہیں اور نہ ہمارے دکھ، درد دروں ہی دیتے ہیں حالانکہ خوشی اور غم، خوشحالی اور تنگدستی دونوں ہی انسان کا مقدر نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی طرف سے ابتلا ہوتے ہیں ایک امتحان کہ کون ہے جو خوشی یا خوشحالی میں منعم حقیقی کا احسان مانتا ہے اور شکر بجالاتا ہے بجائے مغرور ہو جانے کے اور کون ہے جو تکلیف یا تنگدستی میں اس غالب حکمت والے پر اعتماد کرتے ہوئے صبر کا دامن تھام لیتا ہے بجائے اللہ کی ذات سے بدگمان ہونے اور واویلا کرنے کے۔

یہی وہ راز ہے جس کے باعث یہ زندگی امتحان یا آزمائش کہلاتی ہے۔ اور اسی راز کو ہمیں پانا ہے۔ ورنہ جب ہمیں ایک چیونٹی کو مسل کر خوشی نہیں ہوتی تو ہماری حیثیت اس ذات بے ہمتا کے مقابل چیونٹی جتنی بھی نہیں ہے پھر وہ کیوں ہمیں تکلیف دینے کے در پے ہوگا، تو اس سے بدگمانی کیسی؟

وہ تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ان گھاٹیوں کے پار اترتا ہے اور کون انہیں کا ہو رہتا ہے۔

ایک نقطہ اور ذہن میں آ رہا ہے کہ جب ہم اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تو ہمارا اس کا کیا مقابلہ کہ وہ آزمائے اور ہم پورے اتر پائیں! لیکن یہ ذہن نارسا چاہے جتنے نقطے اٹھا لے وہ جواب دینے سے نہیں تھکتا، وہ تشنگی کا ذرہ تک باقی نہیں رہنے دیتا۔

بہ نظر غور دیکھو تو پتہ چلتا ہے اس نے قانون قدرت بنایا، پھر آدمیت کو پیدا فرمایا اور اسے یہ بتانے کیلئے کہ وہ بلاوجہ تخلیق نہیں کیا گیا اس کا جینا مرنا بے مقصد نہیں ہے اس لئے یونہی اپنے دن رات کو ضائع نہ کرے اپنے عمل کو کسی سلیقے اور طریقے کے دائرے میں لائے کہ کوئی بھی عمل بے نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور آدمی کو یہ سکھانے کیلئے اس نے خود ہمیشہ اپنے ہی قانون کی پاسداری کی۔ اس کے جہان میں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہے، کوئی حرکت محرک کے بنا نہیں ہے یہاں کچھ بھی بے سبب نہیں ہے بلا انجام نہیں ہے۔

وہ کہتا ہے میں نے آدمی کو اشرف المخلوقات بنایا، پوچھا کس بنیاد پہ؟

فرمایا:

> ''شعور کی بنیاد پہ، وہ کہتا ہے میں نے اس کے قلب میں یہ اہلیت رکھ دی ہے کہ یہ میری جستجو کرے اور مجھے پہچان پائے فرمایا: ''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کوئی مجھے تلاش کرے تو میں نے انسان کو پیدا کر دیا۔'' کہ اس کے دل میں میری تمنا پیدا ہو، یہ تڑپے اور پھر قرار پانے کیلئے بے قرار ہو جائے اور بے اختیار مجھے ڈھونڈے دیوانہ وار مجھے یاد کرے۔''

چونکہ وہ جانتا ہے آدمی اس کے مقابلے میں کس قدر بے حیثیت ہے چاہے پشتوں تک کا سرمایہ لگا دے عمر مستعار کی نقدی اس راہ میں ختم کر دے تب بھی اس کی ذات تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو وہ حکمت والا قلم والا بہت مہربان خود بڑھ کر تھام لیتا ہے۔

اس کا وعدہ ہے تم ارادہ کرو میں تمھارے لئے سمت بن جاؤں گا۔ تم میری طرف چلنے کا عزم باندھو میں تمہارے قدم بن جاؤں گا میں فاصلوں کو لپیٹ کر رکھ دوں گا۔ زمین اپنی وسعتیں سمیٹ لے گی اور آسمان کی بلندیوں کو تہہ کر کے الگ رکھ دوں گا۔ وقت کی قید اٹھا دی جائے گی، فاصلے تمام ہو جائیں گے۔

واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب الدعوۃ داعیا اذا دعان۔	جب میرا بندہ میرے بارے میں سوال کرتا ہے تو اس سے کہہ دو میں بہت قریب ہوں اس کی التجا سنتا ہوں جب وہ التجا کرتا ہے۔''

ادھر دل کا تار بجتا ہے اور ادھر گوش گزار ہو جاتا ہے تم آنکھیں کھولو گے تو ہر سو مجھے پاؤ گے اور بند کرو گے تو میں تمھارے اندر آ بسوں گا، سانس لو گے تو تمہاری دھڑکنوں میں بس جاؤں گا خون کی روانیوں میں گھل جاؤں گا۔

زبان میں الفاظ اور الفاظ میں تاثیر بن کر ڈھل جاؤں گا۔ تمہارے ذہن کیلئے آواز اور سماعتوں کیلئے پکار بن جاؤں گا میں ہاتھ بن جاؤں گا جن سے تم کام کرتے ہو پیر بن جاؤں گا جن سے تم چلتے ہو۔

اک ذرا تم ارادہ تو کرو! مجھ سے مجھی کو طلب تو کر دیکھو، میری جستجو تو کرو تم خوشی و غم خوشحالی و تنگدستی کے ہو کر رہنے کیلئے نہیں بنے کہ صرف انہی کے ہو رہو، یہ تو عمر بسر

کرنے کے حیلے ہیں اس کو پہچاننے کے بہانے ہیں، اس کو تلاشنے کیلئے Puzzale ہیں چھوٹے چھوٹے۔ ہمیں ان پہ رک نہیں جانا انہیں سیڑھی بنانا ہے، قدم در قدم اس کی طرف بڑھنا ہے وہ جوان گھاٹیوں کے پار ہمارا بہت منتظر بیٹھا ہے جنتوں کو آراستہ کیئے ہوئے نعمتوں کے دریا بہائے ہوئے۔ وہ جو نہیں چاہتا اس کی مخلوقات کا سردار آگ کے گڑھے میں گرے چاہے گا بھی کیونکر؟ وہ تو بخشنے کے بہانے ڈھونڈھتا ہے۔

وہ تو کہتا ہے سو کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے کہیں بہتر ایک کافر کو مسلمان بنانا ہے۔

اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو طائف کی گلیوں میں لہولہان کراتا ہے کہ لوگو! بچو دوزخ کے گڑھے سے وہ تو اپنی برگزیدہ ہستیوں کو دنیا کے کونے کونے میں سرگرداں پھرایا کرتا ہے اپنا پیغام دے کر، ایسے لوگوں کے دروازے پہ بھی لے جاتا ہے کہ گلی سے گزریں تو جنھیں کوئی سلام کرنے تک کا روادار نہیں ہوتا۔ اور یہ لوگ جو سانس تو اس جہان میں لیتے ہیں لیکن ساکنان قریہ مہتاب ہیں، بڑے نایاب ہیں۔ یہ نگری نگری پھر کر لوگوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی برکات بانٹتے پھرتے ہیں جبکہ ان کا تخلیہ انہیں بادشاہوں کی محفل سے بھی عزیز تر ہوتا ہے کہ وہ انہیں واصل باللہ کرتا ہے۔ اور یہ اپنی خلوت کو قربان کر کے اپنی جلوت سے مخلوق خدا کی بھلائی کیلئے کوشاں رہتے ہیں ان کے ظرف کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ہم اس دور کے مسلمانوں کا عجیب وطیرہ ہو گیا ہے کہ دنیا کا ہر کام کر لیں گے نہ کسی جواز کی ضرورت پڑتی ہے نہ جائز و ناجائز نظر آتا ہے حاجت براری ہمارا شیوہ ہو چکی ہے لیکن جہاں بات دین کی آتی ہے وہاں ہمیں خدشات اور وساوس آ گھیرتے ہیں تب ہم سو، سو، سوال اٹھاتے ہیں کیوں؟ کس لیے؟

کہاں لکھا ہے؟ کس نے کہا ہے؟ کس نے یہ سب سچ ہوتے دیکھا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یا ڈھیروں بہانے کہ پیسہ نہیں ہے وقت نہیں ہے فرصت ہے صحت اجازت نہیں دیتی اور جانے کیا کیا۔ ہمارے اس رویے کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ اب لوگ گناہ ہوتا دیکھ کر نہیں چونکتے، ناچ گانا، شراب، بے حیائی، بے پردگی، بے ایمانی و بدکرداری جیسی چیزیں اس قدر عام ہو گئی ہیں کہ سمجھو ہمارا وطیرہ ہو گئی ہیں۔ اب تو کسی کو قباحت تک محسوس نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ کوئی انہیں گناہ سمجھتا ہی نہیں ہے۔

ہاں! لیکن کسی کو سر بازار ہوٹل میں یا سر راہ نماز پڑھتا دیکھ لیں تو ضرور ٹھٹھک سے جائیں گے جیسے کوئی انوکھی بات ہو گئی۔

عام گفتگو میں بر سبیل تذکرہ کہیں خدا رسول کا نام آ جائے تو ساری محفل کو سانپ سونگھ جاتا ہے اور نظروں سے عجیب کوفت ٹپکنے لگتی ہے، نام لینے والے کا اپنا کردار مشکوک ہو جاتا ہے جیسے وہ کوئی خطرناک جاسوس ہو جو انہیں پھانسنا چاہتا ہے اور یا پھر کوئی بہت دقیانوسی شخص ہے۔

اس پر ہمیں دعویٰ مسلمانی بھی ہے اور ہم اللہ کی رحمت کے امیدوار بھی بہت ہیں، اسکے غضب کو دعوت دیتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں اور اس کے محبوب کی سنتوں کو پامال کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ شائد وہ اپنی نافرمانی کو نظر انداز کر دے کہ ہمارے ظرف سے واقف ہے لیکن اس کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ کوئی اس کے محبوب کی نشانیوں کو پامال کرے یا ان کا مذاق اڑائے۔

اسے تو ہماری محبت بھی تب گوارا ہے جب ہم اطاعت رسول ﷺ میں ایسا کریں۔

اس لئے تو جب ہم نے اس کے محبوب کو چھوڑا اس نے ہمیں چھوڑ دیا اور ذلت و رسوائی اور بدامنی دنیا بھر کو چھوڑ کر ہماری مہمان ہو گئی۔ آج مسلمان دنیا میں جہاں جہاں بھی ہیں ذلیل و رسوا ہیں راندۂ درگاہ ہیں۔

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

ہم ہر طرح سے پامال ہیں غریب تر ہیں کیونکہ جو ہم میں مالدار ہیں وہ غرباء سے بھی غریب ہیں کہ ان کے صرف نام مسلمانوں جیسے ہیں ورنہ ان کی سوسائٹی میں اسلام کا داخلہ ممنوع ہے جہاں سے بھی اسلام رخصت ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی اخلاق عزت اور غیرت کا جنازہ بھی اٹھ جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دن نہ ہوا تو رات تو ضرور ہو گی کہ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ جب ہم نے اسلام کے زریں اصولوں کو چھوڑا تو اس کی جگہ مغرب کی So-called تہذیب جدید نے لے لی اور So-called اس لئے کہ مغرب کی کوئی تہذیب ہی نہیں ہے وہ پہلے cave men تھے پھر Wild wild west ہوئے اور اب ایک

ایسا مادر پدر آزاد معاشرہ ہیں جہاں نہ لباس کی حرمت ہے نہ رشتوں کا تقدس نہ گناہ ثواب کا کوئی تصور ہے نہ جائز ناجائز کا جانوروں کی سی زندگی ہے جس سے اب وہ خود تھک چکے ہیں اور ہم ان کے اس حال سے عبرت پکڑنے کی بجائے انکی چگل کر پھینکی ہوئی چیونگم کو اپنے پہ لیبل کی طرح چپکانے پہ اس قدر آمادہ ہیں کہ کچھ بھی داؤ پہ لگانے کو تیار ہیں۔تو کیا جو دوزخ کی لکڑیاں چن رہے ہیں انہیں آپ مالدار کہیں گے؟؟؟ رہے غربا! تو ان کا حال مالداروں سے بھی برا ہے کہ چلو وہ دنیا میں تو عیش کر لیتے ہیں یہ غریب تو یہاں بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور روز مرمر کر جیتے ہیں لیکن خدا رسول کا نام لینے کے یہ بھی روادار نہیں ہیں نہ پاکیزگی کا تصور، نہ ناپاکی کا ڈر، عقیدے تک کی خبر نہیں حلال حرام تو دور کی بات ہے۔ نہ دین کے نہ دنیا کے۔بس دنیا میں آ گئے زندہ ہیں اور جیئے جاتے ہیں نہ ڈھنگ کا پہنا نہ کھایا بس تار حیات کو قائم رکھنے جتنا ملا جوز ہر مار کیا بلاتمیز حلال ہے یا حرام، پاک ہے یا ناپاک۔

اب اس پہ تو کچھ خرچ نہیں اٹھتا کہ اپنے عقیدے کی فکر کی بجائے اپنے کردار کی اصلاح کی جائے، دین کی بات پوچھی جائے نماز سیکھی جائے اور روزہ رکھا جائے۔ جس جگہ بیٹھے ہیں اس کو صاف اور پاک رکھیں صاف برتنوں میں کھائیں اور ناپاک اور حرام سے بچیں۔آدمی اگر کچھ کرنے پہ آمادہ ہو اور ارادہ رکھتا ہو تو وہ سو راستے ڈھونڈ لیتا ہے لیکن اگر وہ کچھ کرنا ہی نہ چاہے تو اسکو طریقے بتاؤ وہ سو بہانے تراش لے گا۔امیروں کو اپنی امیری کا زعم اور غربا کو اپنی غربت کا رونا۔

حالانکہ عثمان غنیؓ سے بڑھ کر رئیس کون ہو گا جنہوں نے قحط میں غلہ خریدا اور سات گنا کے منافع پہ بھی نہ بیچا صرف اس یقین کی بنیاد پہ کہ اللہ کا وعدہ ہے وہ ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ دے گا جنہوں نے خشک سالی میں کنواں خریدا اور پھر کافر و مسلم سب کیلئے عام کر دیا۔اور اصحاب صفہ سے غریب تر کون ہو گا جو سجدہ بھی زمین سے چپک کر ادا کیا کرتے تھے کہ ستر ڈھانپنے کا کپڑا میسر نہ تھا اور بھوک سے گلیوں میں گر کر بے ہوش ہو جاتے اور دست سوال دراز نہ کرتے تھے۔

لیکن وہ ان بھول بھلیوں میں کھو نہیں گئے وہ ان گھاٹیوں کے پار اترے اور اپنے رب سے واصل ہو گئے ہم وہ تو نہیں مگر ان کی آل تو ہیں اسی رسول عربی ﷺ کی امت ہیں ہم وہ ہو نہیں سکتے تو ان جیسے تو بن سکتے ہیں بساط بھر کوشش ہی سہی۔

کچھ پیغام ان کیلئے جو کوشش کرنے پر آمادہ ہیں یا یہ میری خوش فہمی ہی سہی کہ اس دور کے انسان کو لفظ اور اس کے پیچھے چھپا خلوص کہاں جکڑ سکتا ہے انہیں تو زنجیروں میں بھی جکڑ کر لاؤ تو یہ اللہ سے لو لگانا نہیں چاہتے لیکن ہمیں ہے حکم اذاں لا الہ الا للہ

پھر اس کا بھی کیا اعتبار کہ کل ہم خود کہاں کھڑے ہوں گی انسان کا دماغ الٹتے دیر ہی کتنی لگتی ہے آدمی بہت نادان شے ہے بس اللہ سے ہمہ وقت عافیت کی دعا ہے جب اپنی ذات کا ہی اعتبار نہیں تو کسی سے کیا گلہ! لیکن آج اس وقت میں جس ساحل سے پکار رہی ہوں وہ سمندر کی بیچوں بیچ کوئی ننھا سا جزیرہ نہیں ہے کہ یہاں اترنے والے باقی تمام دنیا سے کٹ جائیں گے بلکہ یہی تو اصل زمین ہے اس پر قدم مضبوطی سے جم سکتے ہیں اور یہاں ہمارے اس سرزمین پہ پیر جمیں گے تو ہم باقی مال اسباب کو بچا سکیں گے یہ جس زمین کی بات کر رہی ہوں وہ تصوف کی سرزمین ہے جب ہمارے پیروں تلے سے کھینچ لی گئی تو آج ہم اپنے سارے اسلام سمیت ڈانواں ڈول ہیں۔ ہماری حالت ایسی ہے کہ گویا پانی کی سطح پر گھر بار سجائے بیٹھے ہیں۔

اک بے زمینی ہے لاحق ہم کو اک لامکانی ہے۔

ہمارے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے جسے ہم مضبوطی سے تھام رکھیں۔حد یقیں سے ہم اتنے پیچھے ہیں کہ ہم سجدہ تو کرتے ہیں لیکن اس میں وہ یقین شامل نہیں ہے کہ سامنے رب ذوالجلال موجود ہے۔نتیجتاً ہماری نمازیں بے روح اور سجدے بے کیف ہیں۔نہ ہی ہماری نمازیں ہمیں بے حیائی اور برائی سے روکتی ہیں۔ہم مانتے ہیں "اللہ ایک ہے" لیکن کیا جانتے ہیں وہ واقعی ایک ہے، مجھے بھی اور آپ کو بھی معلوم ہے ایک دن ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ہم حالت نزع میں ہوں گے اور پھر اس کے بعد اس روئے زمین پہ،اس سایہ فلک تلے آئندہ کبھی دکھائی نہیں دیں گے۔تو پھر ہم کہاں ہوں گے؟

ہمارا عقیدہ تو یہ بتاتا ہے کہ موت خاتمہ نہیں انتقال ہے اس جہان فانی سے اس جہان ابدی کو منتقلی کا نام ہے اور اس جہان میں آج ہم نے جو بیج بویا ہے کل وہاں وہی

فصل اٹھائیں گے۔

لیکن جب ہم عمل کرتے ہیں تو کیا ہمیں اپنا یہ عقیدہ یاد ہوتا ہے؟ کیا ہمیں موت یاد ہے؟ کیا ہمیں دوبارہ جی اٹھنے پہ اعتبار ہے؟ کیا جوابدہی کا احساس ہے ہم میں؟ اگر ہے تو کیوں ہمارے ہاتھ اس فعل سے رک نہیں جاتے جو کل ہمیں دوزخ کا ایندھن بناڈالے گا۔

یہ کیسا یقین ہے ہمارا کہ دعویٰ ایمان بھی ہے اور دل میں شیطان بھی ہے۔نفس کی خدمت بھی جاری ہے اور سوچ لیتے ہیں آج اس لمحے میں جی لیا جائے اپنی مرضی پوری کرلی جائے کل جب آئے گا اور جو ہوگا دیکھا جائے گا،بس یہ تھا آخرت پہ سارا یقین!

ہم خود کو بھی دھوکہ دیتے ہیں کہ زبانی دعویٰ ایمان بھی رکھتے ہیں،بار بار دہراتے بھی ہیں لیکن اسے اپنے دل میں نہیں گھسنے دیتے۔زبان کچھ اور کہتی ہے اور عمل کچھ اور۔لیکن یہ فریب ہم خود کو دے سکتے ہیں دنیا والوں کو بھی دے سکتے ہیں لیکن مالک دو جہان کو نہیں دے سکتے جو ہمیں ہم سے زیادہ جانتا ہے اور جس کی عدالت میں زبان کی نہیں عمل کی گواہی چلتی ہے اس سارے پس منظر میں جب خود کو دیکھیں تو یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں رہتا کہ ہمارا سارے کا سارا اسلام،سارا ایمان فقط سطح آب پہ ایک بلبلہ ہے جو کوئی وزن نہیں رکھتا۔جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔جسے ننھی سی لہر مٹا سکتی ہے،جسے ہوا کا نرم سا جھونکا بجھا سکتا ہے۔کیا آج کل اسلام بدل گیا؟ کہ اتنا بے وزن،اتنا بے اثر ہو گیا ہے۔نہیں،ہم بدل گئے ہیں ہمارے ہی پیروں تلے کی زمین کھسک گئی ہے جب ہم خود ہی ڈانواں ڈول ہیں تو جو کچھ ہم نے اٹھا رکھا وہ کیسے پختہ ہوگا۔

خدارا! ہم چودہ کروڑ مسلمان ہیں۔کہاں گئی وہ ہمارے حصے کی زمین،کون چھین لے گیا؟

باہر سے آنے والے عمارتوں کو تو مسمار کر سکتے ہیں،بستیوں کو اجاڑ ڈالتے ہیں لیکن جب پلٹتے ہیں تو زمین تو اٹھا کر نہیں لے جا سکتے۔انگریز نے ہمارا طرز بود باش چھینا،ہماری زبان کالعدم قرار دی،ہمارا طریقہ تعلیم وتربیت ختم کیا ہمارے نظریہ حیات کو پامال کیا۔ہمارے مدارس اور خانقاہوں کو مسمار کیا وہ جنھوں نے نئی نسلوں کو اپنا علمی ورثہ منتقل کرنا تھا ان آئمہ کو توپوں کے دہانوں پہ باندھ باندھ کر داغ ڈالا۔لیکن وہ اس زمین کو اٹھا کر نہ لے جا سکا۔جو ان کے خون سے سیراب ہوئی۔اور اس مٹی کی تو خاصیت ہے کہ ذرا نم ہو تو بہت زرخیز ہو جاتی ہے۔پھر ایسی نمو کہ خون سے سینچی جائے۔

زمین اپنا بیج کبھی ضائع نہیں کرتی پھلدار درخت بنا کر لوٹاتی ہے یہ انہیں کے خون کی بدولت ہے کہ آج ہم اسلام کے نام سے واقف ہیں،جانتے ہیں قرآن کیا ہے؟ مسلمان کون ہے؟ اور تصوف ان سب کیلئے زمین کی حیثیت رکھتا ہے۔ہم جب تصوف کا انکار کرتے ہیں تو پیروں تلے کی زمین کھسک جاتی ہے اور ہم بمعہ اپنے سب مال اسباب کے ڈانواں ڈول ہو جاتے ہیں۔

انگریز نے ہم سے جو طرز تعلیم چھینا اس کی خاصیت ہی یہ تھی کہ ظاہری تعلیم کیلئے مدارس کا رخ کیا جاتا جو دین،سیاست،معاشرے اور سائنس سب سے بہرہ ور کرتے تھے اور پھر باطنی علوم وتربیت کیلئے خانقاہوں کا رخ کیا جاتا تھا۔اور یہی عام اسلوب تھا۔اس بھٹی سے جو کندن بن کر باہر نکلتا تھا وہ عالم دین بھی ہوتا اور سپاہی بھی طب وسائنس کے بنیادی اصولوں سے بھی واقف ہوتا اور روشن ضمیر اور صاحب باطن بھی اس وقت مسلمانوں میں literacy Rate اسی فیصد 80% تھا۔مانا یہ سب ہم سے دانستہ چھینا گیا لیکن آج اس موجودہ وقت میں ہم کو کیا ہے کہ اپنی اصل کو نہیں پہچان پا رہے یا کیوں اسے own نہیں کرتے آج ہم خود ذمہ دار ہیں اپنی اس بے زمینی کے اپنی اس لامکانی کے۔

واپسی کی آج بھی واحد صورت یہی ہے کہ ہم اپنے ظاہری علوم اپنے نصاب اور اپنے اساتذہ کی اصلاح کریں۔اور باطنی علوم کا بھی اسی قدر اہتمام کریں جتنا کہ ظاہری کا کرتے ہیں۔انسان جیسا علم رکھتا ہے اسی کے مطابق طرز حیات اختیار کرتا ہے۔

ہمارا نظام تعلیم ہمارا ماحول،مذہب،معاشرے اور مقاصد کے مطابق ہونا چاہیے اور باطنی علوم واصلاح جو تربیت کے زمرے میں آتے ہیں کا بھی پورا پورا اہتمام ہونا چاہیے کہ تربیت کے بغیر تعلیم نامکمل ہے۔کجا کہ اس کا انکار کر دیا جائے بات جب علوم باطنی کی آتی ہے تو جیسے ہم دین پہ اجارہ داری کے قائل ہیں کہ بھلا ہمیں کسی سے سیکھنے یا

پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ہم خود مسلمان ہیں۔ بالکل اسی طرح جو باطنی علوم کے قائدین ہیں وہ بھی خود ہی یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ میں خود اللہ پہ ایمان رکھتا ہوں اس کی تسبیح کرتا ہوں تو خود ہی ایک دن میرا ضمیر و دل بھی روشن ہو جائے گا۔ تب ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

صرف انبیاء ایسی ہستیاں ہیں جنہیں کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہ خدا خود ان کو علم و نور سے نوازتا ہے۔ باقی ہر ایک کیلئے یہ شرط ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے کو اختیار کرے گا تو سیکھ پائے گا۔

دوسری غلط فہمی اس موڑ پر یہ پیش آتی ہے کہ ٹھیک ہے تو پھر ہم خود ہی اس موضوع پہ موجود کتب سے استفادہ کر کے سیکھ سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بھی غلط رویہ ہے۔ کیا میڈیکل کی، انجینئرنگ کی، کامرس کی ہزار ہا کتابیں بازاروں کی زینت نہیں ہیں تو پھر لوگ کیوں یونیورسٹیوں میں، اداروں میں، اساتذہ کے پاس جاتے ہیں۔؟

اس لئے کہ عام طریقہ کار ہی یہ ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے ہمیں قدم قدم پہ رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح علوم تصوف ہیں بلکہ یہ تو مزید نازک تر معاملہ ہے کہ یہ آپ کے ایمان، اخلاق، ضمیر، روح تعلق باللہ اور دو جہانوں کو شامل ہے۔ یہ ایک بات اور دوسری بات یہ کہ علوم ظاہری سفینہ در سفینہ اور باطنی سینہ در سینہ یعنی یہ تو منتقل ہی دل سے دل کو ہوتے ہیں اسی لئے تو ان کیلئے صحبت شیخ کامل شرط ہے تو پھر ایسا صاحب دل ہونا چاہیے کہ جو ان علوم و فیوضات کا حامل ہو اور آگے منتقل کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔

باقی رہا وصول پانے کا سوال! تو ہر صاحب ایمان چاہے اس کا ایمان کسی بھی درجہ کا ہو، اللہ نے اس کے دل میں وصول پانے کی اہلیت بدرجۂ اتم رکھی ہے گویا مشائخ راہ کی دیوار نہیں، سیڑھی ہیں کہ قانون قدرت میں بغیر وسیلے اور ذریعے کے، بنا سبب کے کوئی کام نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ المکرّم کا فرمان ہے کہ:۔

> ''آپ اگر خلوص دل سے یہ فیصلہ کر لیں اور خود سے علوم باطنی کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں تو تب بھی اللہ کریم آپ کو کسی نہ کسی طور اہل اللہ کے پاس لے جائے گا۔ طلب اگر صادق ہے تو ضرور کوئی ایسا بندہ آپ کو مل جائے گا جو آپ کی تشنگی کی تشفی کر سکے۔''

اللہ کریم ہم سب کو طلب صادق عطا فرمائے اور اپنے صاحب دل حضرات تک ہماری رہنمائی فرمائے۔ ہمیں ایمان کی سلامتی دے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اسلام پہ زندہ رکھے اور ایمان پہ خاتمہ فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

''ختم شد''

آسیہ اعوان

دار العرفان، چکوال

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استفادہ از کتب (براہ راست)

	کتاب	مصنف
1:	کشف المحجوب	حضرت علی ہجویریؒ
2:	الرحیق المختوم	مولانا مفتی عبدالرحمن مبارک پوریؒ
3:	اسلامی اخلاق و تصوف	تنویر بخاریؒ
4:	عمدۃ السلوک	مولانا سید زوار حسین شاہؒ
5:	حیات الصوفیہ	مولانا عبدالرحمن جامیؒ
6:	کیمیائے سعادت	امام غزالیؒ
7:	معیار السلوک	شاہ محمد ہدایت علی نقشبندیؒ
8:	عوارف معارف	معرفت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ
9:	رسالہ قشیریہ	امام قشیریؒ
10:	تصوف اسلام	عبدالماجد دریابادیؒ
11:	ارشاد الطالبین	حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
12:	آداب رسولؐ	مولانا ابو بشیر محمد صالحؒ
13:	مقامات تصوف	مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ
14:	فوائد الفواد	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
15:	تعلیمات رحیمی	مولانا عبداللہ شاہ صاحب
16:	روح تصوف	مولانا اشرف علی تھانویؒ شرح اردو مفتی محمد شفیعؒ
17:	آداب المریدین	شیخ ضیاء الدین عبدالقادر سہروردیؒ
18:	اکمال الشیم اشرح اتمام النعم	افادات از حافظ محمد عبداللہ گنگوہیؒ
19:	قرآن و تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین
20:	مجالسۃ النبی	حضرت سلطان باہوؒ
21:	نور الہدیٰ	حضرت سلطان باہوؒ
22:	تعلیمات حکیم الامت	محمد موسیٰ بھٹوؒ
	(i) کمالات اشرفیہ	مولانا اشرف تھانویؒ
	(ii) افادات یومیہ	مولانا اشرف تھانویؒ
23:	طریق نسبت اویسیہ	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
24:	کنز الطالبین	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
25:	دلائل السلوک	حضرت اللہ یار خانؒ
26:	اسرار التنزیل	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
27:	مکتوبات	حضرت اللہ یار خانؒ

استفادہ از کتب (بالواسطہ)

	کتاب	مصنف
28:	کتب احادیث	
	(i) جامع الصغیر	جلال الدین سیوطیؒ
	(ii) مستدرک حاکم	ابو عبداللہ نیشاپوریؒ
	(iii) بخاری شریف	ابو عبداللہ محمدؒ بن اسمٰعیل بخاری
	(iv) ترمذی	ابو عیسیٰ محمدؒ بن عیسیٰ صورۃ الترمذی
	(v) مسلم	امام مسلمؒ
	(vi) کنز العمال	علامہ علاؤ الدین علی المتقی نودیؒ
	(vii) کتاب الشروط	امام بخاریؒ
	(viii) مشکوۃ شریف	امام ولی الدین محمدؒ بن عبداللہ
29:	درمنثور	علامہ سیوطیؒ
30:	فیض الباری	محمد انور کاشمیریؒ
31:	فتاویٰ الحدیثیہ	
32:	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	عزیز الرحمن + مفتی محمد شفیعؒ
33:	جامع الاصول	
34:	رسالہ قدسیہ	خواجہ محمد پارساؒ
35:	قول جمیل	حضرت شاہ ولی اللہؒ
36:	الانتباہ فی سلاسل تصوف	حضرت شاہ ولی اللہؒ
37:	تفہیمات الہیہ	حضرت شاہ ولی اللہؒ
38:	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
39:	شامی در مختار (جلد اول)	علامہ شامیؒ
40:	تعلیم متعلمین	امام غزالیؒ
41:	تفسیر روح البیان	
42:	سارم المسلول	ابن تیمیہؒ
43:	خصائص الکبریٰ	علامہ سیوطیؒ
44:	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
45:	الفتح الربانی	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
46:	نسیم الریاض	امام غزالیؒ
47:	شرح الشفاء	امام غزالیؒ
48:	روض الانف (شرح سیرۃ ابن ہشام)	علام ابو قاسم سہیلؒ
49:	فتح الباری	ابن حجر عسقلانیؒ
50:	دلائل النبوت	امام بیہقیؒ
51:	ہمعصات	حضرت شاہ ولی اللہؒ
52:	تفسیر القرآن	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
53:	رسالہ آداب شیخ و مرید	علامہ ابن عربیؒ
54:	جامع کرامات اولیاء اللہ	یوسف بن اسمٰعیل
55:	طبقات الکبریٰ	امام شعرانیؒ
56:	عین الفقر	حضرت سلطان باہوؒ
57:	کتاب اللمع	شیخ ابو نصر سراجؒ
58:	انوار قدسیہ	امام شعرانیؒ